بناتُ النعش

ڈپٹی نذیر احمد

باہتمام

محمد مسلم احمد ایم اے نبیرۂ مصنف

ایک ہزار جلد

قیمت دو روپے آٹھ آنے

سنہ ۱۹۵۱ء

مکتبہ محمد نثار احمد شابر کوٹی ۱۵ ڈی

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ

(جو نیک بیبیاں ہیں بات مانتی اور دوؤں کی پیٹھ پیچھے ہر طرح کی خبر رکھتی ہیں)

بناتُ النّعش

مرآۃ العروس کا دوسرا حصہ

از تصنیفات فاضل اجل جناب شمس العلما ڈاکٹر مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب بہادر مرحوم

ایل ایل ڈی ڈی او ایل سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو ریاست حیدر آباد دکن

جس کے تصنیف کرنے سے

عورتوں کی اصلاح حالت اور تمدن میں انکو زیادہ تر بکار آمد بنانا مقصود ہے

اور جس کے صلے میں

پانسو روپیہ بطور انعام بموجب اشتہار گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی

مورخہ ۲ اگست سنہ ۱۸۶۸ء نمبری ۷۹۱ الف مصنف کو مرحمت ہوا

مصنف کی نظر ثانی اور ترمیم اور اصلاح اور تحشیہ اور قرارداد فصول اور تجدید رجسٹری کے بعد

زیر اہتمام مسلم احمد صاحب ایم، اے نبیرہ مصنف مرحوم

سنہ ۱۹۵۰ء

تعداد طبع ایکہزار

قیمت ۸/

فہرست مضامین بنات النعش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہنشاہ[1] دو جہاں[2] خالق کون و مکاں کی حمد و ثنا[3] اس واسطے کہ اقرار[4] عبودیت ہے. فرض ہی، مگر اس فرض کو تمام[5] کون ادا کرسکتا ہی؟ لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثلہ مددا[6]۔ ختم المرسلین[7] محبوب رب العالمین[8] کی مدح و نعت اسلیے کہ اظہار[9] ارادت ہی واجب لیکن اسکی بجا آوری پوری پوری کس سے ہو سکتی ہے؟ لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ و لو کان بعضھم لبعض ظھیرا[10]۔

مرآۃ العروس[11] کو پہلے پہل چھپے ہوئے اب تیرا برس ہی اور جہاں تک مجھکو معلوم ہے اسی دس سوا دو برس میں اسکی کوئی آٹھ نو بلکہ دس ہزار جلدیں فروخت ہو چکی ہیں اور ہر سمت سی طلب اور ہر طرف سے مانگ چلی آ رہی ہے،

---

[1] بادشاہوں کا بادشاہ [2] دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہی سب کا پیدا کرنیوالا [3] حمد اور ثنا اور مدح اور نعت چاروں کے ایک ہی معنے ہیں تعریف [4] اسکا اقرار ہی کہ ہم تیرے بندے ہیں [5] پورا پورا [6] اگر میں اپنے پروردگار کی تعریفیں لکھنی چاہوں اور سمندر کی سیاہی بناؤں تو تعریفوں کے تمام ہونے سے پہلے سمندر ہو چکے اگرچہ ویسے ہی دوسرے سمندر سے بھی مدد لی جائے [7] جس پر پیغمبری کا خاتمہ ہوگیا [8] پروردگار عالم کا [9] عقیدہ مندی کا ظاہر کرنا [10] اگر انسان اور جنات مل کر چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں بنا کر لا سکتے اگرچہ ایکدوسرے کی مدد ہی پر کیوں نہوں [11] مرآۃ العروس سنہ ۱۸۶۹ء میں تصنیف ہوئی اور اب ہی سنہ ۱۸۸۶ء اس اثنا میں لاکھ جلدوں سے زیادہ ہی شائع ہو چکی ہیں۔

ایک بابو صاحب اپنی بنگالی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ ایک پنڈت جی مہاراج بھاکھا میں۔ اور میری استدعا و فرمائش نہیں بلکہ اپنی آرزو و خواہش سے پسند و قبول کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی۔

یہ کتاب اسی مراۃ العروس کا دوسرا حصہ ہے۔ وہی بولی ہے، وہی طرز ہے۔ مراۃ العروس سے تعلیم اخلاق و خانہ داری مقصود تھی۔ اس میں وہ بھی ہے مگر ضمناً، اور معلومات علمی خاصۃً۔ تعلیم دینداری کا ایک مضمون اور رہ گیا ہے اگر حیاتِ مستعار باقی ہے اور پیٹ کے دھندے یعنی مشاغل خدمت سے اتنی تھوڑی سی فرصت بھی ملتی رہی جتنی کہ اب گرمی اور برسات کے دنوں میں نصیب ہو جاتی ہے تو انشاء اللہ بشرط خیریت اگلے سال تک وہ بھی ایک کتاب کے پیرایہ میں پیش کش ناظرین کیا جائے گا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ط

العبد

نذیر احمد وفقہ اللہ لغدہ

بنگالی اور بھاکھا کے علاوہ کشمیری پنجابی گجراتی میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ درخواست۔ بھلی عادتوں کا سکھانا اور گھر کرنے کا سلیقہ بتانا۔ یعنی دلہن کے طور پر۔ خاص کر کے۔ مانگے کی زندگی۔ نوکری کے کام کاج۔ شکل۔ دیکھنے اور پڑھنے والوں کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ کتاب توبۃ النصوح تصنیف بھی ہوئی اور مشتہر بھی ہوئی اور ایسی مقبول ہوئی کہ مصنف کی تمام تصنیفات پر سبقت لے گئی سول سروس کے امتحان میں داخل ہے۔ اور مجھکو تو صرف خدا کا آسرا ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے کہ کل یعنی روز قیامت کے لئے سامان کرے آمین۔

حُسن آرا کی بدمزاجی اور شرارت

حُسن آرا کے مزاج کی اُفتاد[1] ایسی بُری پڑی تھی کہ اپنے ہی گھر میں سب سے بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا ادب، نہ آپا کا وقر،[2] نہ باپ کا ڈر، نہ بھائیوں کا لحاظ۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں[3] ہیں، لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے[4] رہتی تھی۔

شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی۔ کیا ذکر! شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اُترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں۔ نرگس روتی ہوئی آئی کہ "بیگم صاحب دیکھیے، چھوٹی صاحبزادی نے اس زور سے پتھر مارا کہ میری آنکھ پھوٹتے پھوٹتے بچ گئی۔" سوسن نے آ فریاد کی کہ "بیگم صاحب۔ چھوٹی[5] صاحب نے مجھ سے کہا دیکھوں سوسن تیری زبان۔ جوں ہی میں نے دکھانے کو زبان نکالی۔ نیچے سے ٹھوڑی میں ایسا مُکا مارا کہ سارے دانت زبان میں بیٹھ گئے۔" گلاب بلبلا اُٹھی کہ "ہائے۔ میرا کان خونا خون ہو گیا۔" دائی چلائی کہ "دیکھیے میری لڑکی کمبخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بتی پڑ گئی۔" باورچی خانے سے مامانے دُہائی دی کہ "اچھی۔ کوئی ان کو سمجھا!! سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر کر

---

[1] ابتدائی جو ڈھنگ پڑ جاتا ہے اسکو افتاد کہتے ہیں [2] وقر بھی ادب کے قریب قریب ہے [3] یعنی حسن آرا کے ہاتھوں سے رو رہے ہیں [4] یہ محاورہ ہے یعنی بڑا غل مچاتی تھی بہت دنگا کرتی تھی۔ [5] یعنی حسن آرا۔

راکھ جھونک رہی ہیں۔"

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی کہ "حسنا! یہاں آؤ" خالہ کی آواز پہچان جا بے حسن آرا چلی تو آئی، نہ آداب نہ سلام، ہاتھوں میں لکھ، پاؤں میں کیچڑ اسی طرح بھری لتھڑی دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا کہ "حسنا تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔"

حسن آرا نے کہا "اس سنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی" یہ کہکر خالہ کی گود سے نکل لپک بے خطا بے قصور سنبل کا سر کھسوٹ لیا۔ ہیتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں ایک نہ

حسن آرا کو مکتب میں بٹھانے کی صلاح اور استانی صغریٰ کا مختصر حال

تب تو شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولی "بوا سلطانہ! اس لڑکی کے لئے تو ارے خدا کوئی استانی رکھو۔" سلطانی بیگم نے کہا "باجی اماں کیا کروں، مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہیں ملتی۔" شاہ زمانی بیگم بولیں، "اوئی بوا۔ تمہاری بھی وہی کہاوت ہوئی 'ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں'۔ خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے۔" سلطانہ نے کہا "مجھ کو آجتک اطلاع نہیں ہوئی۔ دیکھو میں ابھی آدمی بھیجتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ[1] کو بلایا کہ "نانی جی! کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں۔ باجی اماں کہتی ہیں ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گری کی نوکری کریں تو ان کو بلوا لاؤ۔ کھانا کپڑا، دس روپے پان زردے کا خرچ ہم دینے کو حاضر ہیں۔ اور جب لڑکی پہلا سپارہ ختم کرے گی اور ادب قاعدہ سیکھ جائیگی تو تنخواہ کے علاوہ

[1] گھر میں جو عورت داروغہ کا کام دیوے مغل کہہ کر بلائی جاتی ہے۔

بھی انشاء اللہ ہم اُستانی جی کو خوش کر دیں گے"۔

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں۔ محمد کامل[1] کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی اور پوچھا "اجی بی مولوی صاحب کی بی بی تم ہی ہو؟" ماما دیانت "ہاں یہی ہیں، آؤ بیٹھو، کہاں سے آئیں؟" مانی جی: "تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟" محمد کامل کی ماں۔ "کوٹھے پر ہیں"۔ مانی جی "میں ان کے پاس اوپر جاؤں؟" دیانت "آپ اپنا پتہ نشان بتلائیے۔ بہو صاحب یہیں آجائیں گی"۔ مانی جی "میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں"۔

یہ سُن کر محمد کامل کی ماں نے تمام بنام سب چھوٹے بڑوں کی خیر و عافیت پوچھی اور مانی سے کہا "تمیز دار بہو سے کیا کام ہے؟" مانی جی "وہی آئیں تو کہوں"۔ تمیز دار کے نیچے اترنے کا وقت بھی آگیا تھا کیونکہ عصر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب اور عشاء دونوں نمازیں نیچے پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو استانی گری کی نوکری کے واسطے کہتے ہوئے تامل کیا۔ باتوں ہی باتوں میں اتنا البتہ کہا کہ "بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی بیٹی کا تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا"۔

اصغری نے کہا "دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ جیسا کچھ برا بھلا مجھ کو آتا ہے، مجھے کسی سے دریغ نہیں۔ اسی واسطے انسان پڑھتا لکھتا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ اور بڑی بیگم صاحب کو معلوم ہوگا کہ میں اپنے میکے میں کتنی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔ میرا جی تو بہت ہی بہت چاہتا ہے کہ

---

[1] محمد کامل مولوی محمد فاضل کا چھوٹا بیٹا اور اُستانی اصغری خانم کا شوہر ہے۔ اصغری کا سسرالی خطاب تمیز دار بہو بھی ہے۔ دیانت ان لوگوں کے گھر کی ماما۔ ان سب لوگوں کا قصہ کتاب مرآۃ العروس میں مفصل بیان کیا گیا ہے ۱۲۔

بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں لیکن کیا کروں نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجینگی اور نہ میرا جانا وہاں ہوسکتا ہے۔"

مانی جی نے تنخواہ کا نام صاف تو نہ لیا لیکن دبی زبان[1] سے اسقدر کہا کہ بیگم صاحب ہر طرح خرچ بات کی ذمہ داری کرنیکو بھی موجود ہیں"۔ اصغری نے کہا یہ سب انکی مہربانی ہے ان کی ریاست کو یہی بات زیبا ہو لیکن انکے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا انکا بھوکا نہیں رکھتا بے داموں کی لونڈی بنکر خدمت کرنیکو تو میں حاضر ہوں اور تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی"۔ اسکے بعد مانی جی نے اصغری کا حال پوچھا اور جب یہ سُنا کہ یہ تحصیلدار کی بیٹی ہے اور مولوی محمد فاضل بھی پچاس روپیہ ماہوار کے نوکر ہیں تو مانی کو ندامت ہوئی کہ نوکری کا اشارہ ناحق کیا مانی ہر چند نوابی کارخانے دیکھے ہوئے تھی۔ لیکن اصغری کی شستہ[2] تقریر سن کر دنگ ہوگئی اور معذرت کی کہ "بی مجھکو معاف کرنا"۔

اصغری نے کہا کہ "کیوں تم مجھکو کانٹوں گھسیٹتی[3] ہو۔ اول تو نوکری کچھ گناہ نہیں، عیب نہیں۔ اور نوکری بھی بیگم صاحب کی لڑکی کے پڑھانیکی۔ اور پھر ناواقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ"۔

غرض مانی جی رخصت ہوئیں اور وہاں جاکر کہا کہ "بیگم صاحب استانی تو واقع میں ہزاروں استانیوں کی ایک استانی ہے جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے، پاس بیٹھنے سے انسانیت حاصل کرے، سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے، ہوا لگ جانیسے

---

[1] یعنی آہستہ آہستہ بات کو چبا کر [2] لفظی معنی دھوئی ہوئی اور مرادی معنی صاف [3] حیران [4] یہ ایک محاورہ ہے یعنی گنہگار یا شرمندہ کرتی ہو۔

ادب بگڑے۔ لیکن نوکری کرنیوالی نہیں تحصیلدار کی بیٹی ہے۔ رئیس لاہور کے مختار کی بہو۔ گھر میں ماما نوکر ہے، دالان میں چاندنی[۱] بچھی ہے۔ چاندنی پر شوزنی[۲]، اوپر سے گاؤ تکیہ[۳] لگا ہوا ہے، اچھی خوش گزران زندگی۔ بھلا ان کو نوکری کی کیا پروا ہے؟"

شاہ زمانی:۔ "سچ ہے بوا سلطانہ۔ تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا۔ لیکن مجکو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کرینگی"۔

مانی جی:۔ "لیکن وہ تو ایسی اچھی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں"۔

سلطانہ:۔ "یہاں آکر؟" مانی جی: "بھلا بیگم صاحب جو نوکری کی پرواہ نہیں رکھتا وہ یہاں کیوں آنے لگا؟"

سلطانہ:۔ "کیا پھر لڑکی وہاں جایا کریگی؟" شاہ زمانی بیگم:۔ "اسمیں قباحت کی کیا بات ہے؟ استانی کا گھر کچھ ایسا دور نہیں کہ ڈولی میں بیٹھکر جانا پڑے۔ پانچ نہیں خدا انہیں نیکی دے، چھ گھر بیچ ساتویں میں استانی پاس جا موجود ہوئے۔ اور یہاں سے وہاں تک ایک گھر سے دوسرے میں کھڑکی۔ اور مولوی صاحب کو تم نے ایسا کیا سمجھا۔ بھائی علی نقی خاں کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں"۔

سلطانہ:۔ "آہا تو ایک حساب سے ہماری برادری ہیں"۔ شاہ زمانی: "تو خدا نکرے کچھ ایسے ویسے[۴] ہیں! پہلے ان کا کام خوب بنا ہوا تھا جب سے رئیس بگڑے بیچارے غریب ہو گئے ہیں، پھر بھی گھر میں ماما ہمیشہ رہی۔ ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی برابر رہتے ہیں"۔

---

[۱] سفید کپڑا جو فرش پر بچھایا جاتے اسکو چاندنی کہتے ہیں [۲] سفید کپڑے کی دوہری پتی تو شک جسمیں تھوڑی سی روئی بھر کر خوبصورت نگندوں سے سی دیتے ہیں [۳] بڑا موٹا تکیہ جس سے پیٹھ لگا کر بیٹھتے ہیں۔

[۴] یعنی خدا نخواستہ کچھ بے آبرو یا ہلکے لوگ ہیں کہ ہماری لڑکی کو ان کے گھر جاکر پڑھنا عار کا موجب ہو۔

سلطانہ: "تو خیر حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔"

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبانہ[1] سامان تھا لیکن اس کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگموں کی شان کے مطابق اُن کی مدارات[2] ہوئی۔ دو چار طرح کا عطر، چوگھڑا[3] الائچی چکنی ڈلی ہر طرح کی چیز وہیں بیٹھے بیٹھے موجود ہو گئی، گھبراہٹ میں باہر سے منگوانی نہیں پڑی۔ آخر دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ "مہربانی کر کے ذرا اس لڑکی کو دل سے پڑھا دیجئے" اصغری نے کہا کہ "اول تو خود مجھی کو کیا آتا ہے مگر جو دو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آ گئے ہیں انشاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھر دریغ نہ کروں گی۔" چلتے ہوئے سلطانہ بیگم ایک اشرفی اصغری کو دینے لگیں۔ اصغری نے کہا "اس کی کچھ ضرورت نہیں بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں پڑھوائی آپ سے لوں۔"

سلطانہ بیگم نے کہا: "استغفر اللہ[4]! پڑھوائی دینے کے واسطے ہمارا کیا منہ ہے۔ بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔"

اصغری نے کہا: "شروع میں تبرک کے واسطے مٹھائی بانٹ دیا کرتے ہیں۔ سو اشرفی کیا ہو گی۔ بچوں کا منہ میٹھا کرنے کو سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔"

یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کوٹھری میں سے ایک قاب[5] بھر بتاشے نکال لائی۔ اصغری نے خود فاتحہ[6] پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی اور پھر قاب دیانت کو اٹھا دی کہ

۱؎ غریبانہ۔ غریب لوگوں کی طرح کا ۲؎ خاطر داری ۳؎ بڑی دانے بھرے ہوئے جس میں چار خانے ہوں اس طرح کی الائچی عمدہ ہوتی ہے ۴؎ میں اللہ سے معافی چاہتی ہوں عربی کا محاورہ ایسی جگہ بولتے ہیں کہ ہم نے تو ایسا نہیں سمجھا لیکن اگر سمجھا ہو تو خدا معاف کرے ۵؎ اصل میں قاب بڑے طباق (طبق) کو کہتے ہیں ۶؎ سورۃ الحمد کو فاتحہ کہتے ہیں۔

بچوں کو بانٹ دو۔ سلطانہ نے کہا ”اچھا تم نے مجھ کو شرمندہ کیا!“ اصغری نے کہا۔ ”ہم بیچارے غریب کس لائق ہیں یہاں جو کچھ ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے البتہ میرا دعا یہی ہے کہ حسن آرا کو پڑھا دوں۔ سو خدا وہ دن کرے کہ میں آپ سے سُرخرو ہوں غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا کر شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں ؛

حُسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا اور لونڈیوں کی بیجا خوشامد

یُوں دیکھنے اور کہنے کو تو حسن آرا اکیلی مکتب میں بیٹھی مگر کوئی درجن[1] بھر لونڈیاں اس کے ساتھ تھیں اور کوئی کوڑی[2] بھر سہیلیاں۔ لونڈیوں کا تو یہ قاعدہ تھا کہ بے ضرورت بھی ہر دم اور ہر لحظہ چاروں طرف سے حسن آرا کو گھیرے رہتیں اور کچھ کام نہیں تو بات بات میں خوشامد۔ بات بات پر تعریف۔ ذرا بیٹھک بدلی تو سب بول اٹھیں بسم اللہ بسم اللہ۔ چھینک لی تو چلائیں شکر الحمدللہ بانی جی ہیں کہ چپکے ہی چپکے قل ہو اللہ کی تسبیحیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی ہیں۔ انا ہیں کہ بار بار اِن یکاد[3] دم کرتی جاتی ہیں ؛

اور جو کہیں حسن آرا نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کوئی جلدی جلدی پنکھا جھلنے لگی، کوئی چوری یا رومال ہلانے کھڑی ہو گئی، کوئی بولی واری جاؤں گلوری کھا لو، یا گوڑی کی

[1] ۱۲ کا ایک درجن ہوتا ہے یہ انگریزی لفظ ہے۔ صحیح ڈزن [2] ۲۰ کا ایک کوڑی [3] اِن یکاد اشارہ ہے طرف ایک آیت قرآن مجید کے جو دفع نظر بد کیواسطے پڑھکر پھونک دیا کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ“

دودھ والنے ڈال لو، دیر ہوئی منہ بدمزہ ہو گیا ہو گا۔ کوئی کہنے لگی صدقہ گئی، ایک گھونٹ شربت پی لو، نگوڑے ہونٹ ہیں کہ سوکھے چلے جاتے ہیں، پپڑیاں بندھ گئی ہیں۔ بھاڑ میں جائے ایسا پڑھنا اور آگ لگے ایسے مکتب کو۔ لڑکی کا منہ تو دیکھو کیسا ذرا سا نکل آیا جلدی سے لپک جھپٹ بلائیں لے حسن آرا کو گلے سے لگا لیا۔

جس شخص پر حسن آرا کی طرح ایسی لونڈیوں کا عذاب الٰہی اور ایسے نوکروں کی بلا مسلط[1] ہو اُسکے مزاج کا درست رہنا عجب کی بات ہے۔ فرشتہ بھی ہو تو ایسی صحبت میں توبہ توبہ بھوت سے بدتر ہو جائے ✣

حسن آرا کی عادات

حسن آرا بیچاری بھی اسی آفت میں مبتلا تھی۔ کوئی خرابی نہ تھی کہ اسکے مزاج میں نہ ہو، اور کوئی بگاڑ نہ تھا کہ اس کی عادتوں میں نہ ہو۔ مکتب گئی تو شرارت، بدمزاجی، بدزبانی خود پسندی[2]، بیباکی[3] جنگجوئی[4] حسد[5]، دروغ گوئی[6]، غیبت[7]، بدلحاظی۔ لالچ، بے صبری، سستی، بے ہنری، بدسلیقگی اپنی قدیمی سہیلیوں کو ساتھ لیتی گئی، چونکہ استانی جی خود ماشاء اللہ امیر گھر کی بیٹی اور امیروں کے دستور قاعدے سے بخوبی واقف تھیں۔ ان کو تو حسن آرا کے چوچلے اور اُسکے نوکروں کی نازبرداریاں دیکھ کر کچھ بھی اچنبھا نہیں ہوا۔ مگر مکتب کی لڑکیوں کو اچھا خاصہ تماشہ مل گیا۔ کیسا پڑھنا اور کس کا سبق یاد کرنا۔ سب کی سب لگیں ٹکٹکی باندھ حسن آرا اور اسکے ساتھ والیوں کو دیکھنے بعضی

---

[1] سر پر سوار [2] اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھنا [3] بے دھڑک ہونا [4] ہر ایک سے لڑنا۔
[5] کسی سے جلنا [6] جھوٹ بولنا [7] پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنا ✣

نے دیکھا کہ ابھی سنگت نے حسن آرا کو پٹ بھر بگاڑا ہے۔ اگر اب بھی یہ سنگ ساتھ موجود رہا تو تعلیم و تربیت کا اثر ہونا معلوم۔ مانی جی سے کہا کہ "اب لوگوں کو اجازت دیجیے کہ گھر کا کام کاج دیکھیں۔ مکتب کی لڑکیاں ہیں کہ ان ہی میں محو ہو رہی ہیں اور حسن آرا بیگم کا بھی دل اچاٹ ہوا چلا جاتا ہے۔" مانی جی سمجھدار تو تھی ہی سنتے کے ساتھ سب کو رخصت کا اشارہ کیا، مگر لونڈیاں چلنے کا نام سن کر بے طرح مچلیں۔ ایک نے کہا "واہ! بھلا بے صاحبزادی کے مجھ کو ایک دم قرار ہوگا! گھر میں مجھ سے بیٹھا جائیگا!" دوسری بولی۔ "مانی جی ایسی نوکری کو سلام ہے۔ میں نے کچھ روٹی کپڑے کے لالچ سے نوکری نہیں کی، ایک اس بچی کی محبت تنخواہ ہے تو یہ ہے اور انعام ہے تو یہ ہے۔"

ان نوکروں کا مطلب یہ تھا کہ حسن آرا کے حیلے سے گھر کے کام دھندے بچیں یہ سنکر اصغری نے کہا "بوا بیگم صاحب سے بڑھ کر محبت کا دعویٰ تو دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہی کہاوت ہے۔ ماں سے زیادہ چاہے پھا پھا کٹنی کہلائے اور خدا نخواستہ رخصت نہیں وداع نہیں چار قدم پر گھر لگا ہے۔ مکتب میں دیکھتی ہو جگہ کی کتنی کوتاہی ہے۔ لڑکیوں میں تم سب کا اٹھنا بیٹھنا ان کے پڑھنے لکھنے میں ضرور حرج ڈالیگا۔ بہتر ہے کہ اس وقت چلی جاؤ اپنا اپنا کام دیکھو۔" اس پر بھی دو چار نے عذر کیا کہ "صاحبزادی کو پنکھا جھلنے پانی پلانے کو ایک دو آدمیوں کا رہنا ضرور ہے۔" اصغری نے جواب دیا کہ "آخر ہم سب لوگ اپنا اپنا کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے ہی ہیں۔ اتنا کام بوا حسن آرا بیگم کا کر دینگے تو ہاتھ گھس نہیں جائیں گے۔" غرض کہ زبردستی اصغری نے سب کو باہر دھکیلا۔ نانی جی بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ بھی ایک کمخواب کے جزدان میں رکھ بغل میں داب لائی تھیں چلنے لگیں تو وہ

لے اچھی طرح بہت کچھ ۲ے گم " *

جنوانی حسن آرا کو دینے لگیں۔ اصغری نے پوچھا کہ "یہ کیا ہے؟"
مانی جی "بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ ہے دیکھئے تو سہی کیا پاکیزہ خط ہے" اصغری "مگر بالفعل اسکی ضرورت نہیں" مانی جی "آخر صاحبزادی کو کیا شروع کرائیے گا؟"
استانی جی "ابھی تو کچھ بھی نہیں" مانی جی "کچھ بھی نہیں تو پھر مکتب میں بیٹھنے سے حاصل؟"
اصغری "مجھ کو تو ہتیلی پر سرسوں[1] جمانی نہیں آتی۔ حاصل حصول جو کچھ ہوگا چند روز میں آپ ہی نظر آجائیگا۔ خلاف خواہش پڑھانا میرا دستور نہیں۔ پڑھنا پڑھانا بھی تب ہی فائدہ دیتا ہے جب پڑھنے والا خواہش کرے ورنہ مارے باندھے کچھ پڑھا پڑھایا بھی تو کیا۔ اول تو ایسا پڑھایا نہیں رہتا۔ دوسرے جب دل نہیں چاہتا تو زبردستی کرانے سے الٹا ذہن کند ہو جاتا ہے"
مانی جی "سچ ہے۔ مگر بچوں کی خواہش پر ملتوی رکھا کریں تو پڑھنا لکھنا سب نیست و نابود ہو جائے"
اصغری "میں یہ نہیں کہتی کہ سب بچے شوق ہی سے پڑھا کرتے ہیں۔ مگر میں نے اپنا یہی دستور رکھا ہے کہ اول علم کا شوق دل میں پیدا کر دیتی ہوں تب پڑھنا شروع کراتی ہوں"
مانی جی "سبحان اللہ۔ شوق ہو تو پڑھنا کیا بڑی بات ہے۔ بے شوق سی جو برسوں میں ہو اور شوق والا مہینوں میں کر دکھائے۔ مگر صاحبزادی تو پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتی ہیں ان کو تو خدا ہی شوق دے گا تو ہوگا"

---

[1] یہ ایک محاورہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام کو جلدی وقت سے پہلے کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ سرسوں بہت ہی جلد جم کرسی ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ محاورہ نکلا۔

اصغری: "مانی جی انشاء اللہ یہی حسن آرا بیگم پڑھنے کے لیے ہاتھ جوڑیں، پاؤں پڑیں منتیں کریں تب تو سہی۔"

غرضکہ ساتھ والیاں تو سب رخصت ہوئیں اب حسن آرا اکیلی اصغری خانم کے پاس رہ گئی اصغری اول تو خود بڑی زیرک[1] تھی حسن آرا کے قیافے[2] اور تھوڑی ہی دیر کے طرز انداز سے سمجھ گئی، دوسرے ایک محلے کا واسطہ، بہت پہلے سے سُن چکی تھی۔ غرض جو دقتیں[3] حسن آرا کی اصلاح[4] میں پیش آنی والی تھیں اصغری کو سب معلوم تھیں خیر تب[5] اتنی تھی کہ حسن آرا کے مزاج میں جہاں دنیا بھر کی خرابیاں تھیں ایک یہ اچھائی بھی تھی کہ ذہین اور سمجھ دار ہونے کے علاوہ نیک ذات بھی تھی۔ فوراً اس کا دل اچھی بات کا اثر قبول کر لیتا تھا اور اگر اس کو کوئی خطا ہو جاتی اور نرمی سے اس کو متنبہ[6] کر دیا جاتا تو قائل اور نادم ہو کر اپنی حرکت پر تاسف[7] اور تلافی مافات[8] میں کوشش کرتی۔ اتنی ہی بات کا سہارا تھا کہ اصغری خانم نے ان کی تعلیم کا بیڑا اُٹھا لیا[9] اصل میں حسن آرا کا مزاج نہایت نیک تھا۔ ناز پروردگی[10] اور دولتمندی سے جن خرابیوں کا پیدا ہونا ممکن ہو وہ البتہ بدرجۂ غایت[11] اس کے مزاج میں اثر کر گئی تھیں حسن آرا جب مکتب میں بیٹھی تو اصل خیر سے گیارہویں برس میں تھی۔ اور ہر چند اس وقت تک مکتب میں لڑکیوں کی کچھ بہت بھیڑ بھاڑ نہ تھی تاہم اصغری کی نند محمودہ، زبیدہ، آمنہ، رابعہ، کلثوم، کنیز فاطمہ خیر النساء، ہاجرہ، شہر بانو دس لڑکیاں مکتب میں بیٹھی تھیں۔

---

۱ دانشمند بات تاڑ جانے والی ۲ صورت شکل ۳ مشکلیں ۴ درستی ۵ محاورے کی رو سے یہاں خیریت ایسے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ اتنا غنیمت تھا۔ ۶ خبردار آگاہ ۷ افسوس ۸ جو بات بگڑ گئی یا رہ گئی اسکا بدلہ ۹ اپنے ذمے لیا ۱۰ لاڈ و پیار ۱۱ حد کے درجے کو۔

مکتب کی لڑکیوں کا حال

یہ لڑکیاں کچھ حسن آرا کی طرح سب کی سب امیرزادیاں تو تھیں ہی نہیں اکثر تو پیشہ وروں کی بیٹیاں تھیں اور بعض خوش باش[1] نوکری پیشہ لوگوں کی۔ اگرچہ حسن آرا کے مقابلہ میں سب کی سب غریب تھیں مگر بمقابلہ یکدیگر کوئی زیادہ خوشحال تھی کوئی متوسط الحال[2]، کوئی نہایت غریب، اور جس طرح انکی حالتیں متفاوت[3] تھیں انکی صورتیں اور سیرتیں بھی ضرور ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ مگر مکتب کی تعلیم نے سیرتوں کے اختلاف کو بالکل مٹا دیا تھا یہ لڑکیاں باوجودیکہ کئی گھروں کی تھیں۔ تاہم آپس میں ایسی ملی جلی رہتیں کہ گویا سب کی سب سگی بہنیں ہیں۔ نہ ان میں کبھی لڑائی ہوتی نہ کبھی کسی طرح کی رنجش پیدا ہوتی۔ صورتوں کے اختلاف کا رفع[4] کر دینا تو صغریٰ کے اختیار میں نہ تھا۔ اتنا البتہ کر دیا تھا کہ کسی کے نزدیک اختلاف صورت[5] کی کچھ وقعت باقی نہیں رہی تھی۔ جو رنگ کی اجلی اور گوری چٹی تھی وہ کبھی سیاہ فام[6] کالی کلوٹی[7] کو نظر حقارت سے نہ دیکھتی نہ اپنی صباحت[8] پر ناز کرتی۔ اور جس کا نقشہ اچھا تھا وہ کم رو سے نفرت نہ کرتی اور نہ اپنے چہرے کو دیکھ کر خوش ہوتی۔ امیری غریبی سے تو یہاں کچھ بحث ہی نہ تھی، کوئی نہیں جانتی تھی کہ امیری کیا بلا ہے اور غریب ہونا بھی کچھ حقارت کی بات ہو۔

حسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا تھا کہ صورت شکل اور امیری غریبی کے مضمون تازہ ہو گئے

---

[1] جو لوگ کہیں کے اصلی رہنے والے نہوں بلکہ نوکری کی ضرورت سے جہاں کہیں کی نوکری ہوئی وہیں رہنے لگے [2] بیچ کی راس کے [3] کم بیش [4] دور کر دینا [5] رنگ [6] بہت کالی [7] رنگت کی پکی [8] سفیدی

اور حسن آرا آتے کے ساتھ ہی غریبوں کو دیکھ کر لگی تیوری چڑھانے اور منہ بنانے۔ پاس بیٹھنا تو درکنار۔ سرے سے غریب لڑکیوں کا مکتب میں ہونا ہی اس کو ناگوار رہا۔ اور صورت شکل پر تو حسن آرا کو اس بلا کا گھمنڈ تھا کہ بعض لڑکیوں کو دیکھ کر بے اختیار ہنس دیتی اور بے تامل کہہ بیٹھتی صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل۔ محمودہ اور حسن آرا سے ایک طرح کی پہلی جان پہچان تھی۔ دو چار دفعہ کسی کے شادی بیاہ میں دیکھنے بلکہ بات چیت کرنے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ سو قاعدہ ہے کہ آدمی جو کسی نئی جگہ جاتا ہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اپنے کسی جان پہچان سے پوچھتا ہے۔ حسن آرا محمودہ کے پاس تو بیٹھتی ہی تھی۔ چپکے چپکے مکتب کی لڑکیوں کا حال محمودہ سے پوچھنے لگی۔

حُسن آرا کا مکتب کی لڑکیوں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا اور محمودہ کا اُسکو قائل کرنا

زبیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کیوں بوا محمودہ بیگم یہ سامنے والی چیچک رو لڑکی تبارکؐ کی روٹی کا سا منہ بنائے ہوئے کون ہے؟ یہ کہہ کر حسن آرا آپ ہی آپ ہنسی اور اس امید سے کہ محمودہ بھی ایسی پھبتی سن کر پھڑک جائیگی محمودہ کا منہ دیکھنے لگی۔ یہاں محمودہ پر اسکا بالکل الٹا اثر ہوا۔ منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر حسن آرا کی بات کو اس قدر

ؐ روٹی میں برابر کی کھانڈ برابر کا دودھ ڈال کر روٹی پکائی جاتی ہے۔ اس پر تبارک الذی کا ختم پڑھ کر مُردوں کی فاتحہ دلواتے ہیں وہ تبارک کی روٹی کہلاتی ہے ایک تو وہ روٹی خود رویدار ہوتی ہے اور اوپر سے لگاتے ہیں خشخاش حسن آرا نے چیچک رو کو جو تبارک کی روٹی سے تشبیہ دی پھبتی خوب کہی۔

حقارت سے سنا اس کے چہرے سے یہ بات ظاہر ہوگئی اور بے رُخ ہو کر جواب دیا کہ یہ امیر خاں کی حویلی میں رہتی ہیں، زبیدہ ان کا نام ہے، ان کے ابا رفو کا کام کرتے ہیں۔"

حسن آرا:" اچھی کیسے رفوگر ہیں! ابھی کے چہرے میں یا و پھر قیمہ لیکر رفو نہیں کرتے۔"

محمودہ:" بس چپکی رہو، منہ پھٹ نہیں ہے۔ منہ پھٹ ہوتی تو رفو کرتے۔"

حسن آرا:" اور انکے پہلو میں یہ دوسری کالی کانی کون ہے جیسے سبہ تا ب کا خمیر فرش رکھا ہو۔"

محمودہ:" بیچاری ایک غریب قلعی گر کی بیٹی ہے۔"

حسن آرا:" گھر کے گھر میں چہرے پر قلعی نہیں کرا لیتی۔"

محمودہ:" امیروں کے گھر قلعی کرنے سے فرصت نہ ملتی ہوگی۔"

حسن آرا:" اچھی یہ کونے میں کون لڑکی بیٹھی ہے۔ لے ہے رونے میں اس کی صورت کیسی بد رونق ہو جاتی ہے۔"

محمودہ:" رونے میں سب ہی کی صورت بگڑ جاتی ہے۔"

حسن آرا:" ہماری تو نہیں بگڑ جاتی۔"

محمودہ:" آپ نے کیونکر جانا؟" حسن آرا:" میں نے روتے میں اپنا منہ آئینے میں دیکھا تھا تو خاصی پیاری پیاری صورت تھی بلکہ لال منہ ہو جانے سے چہرہ اور بھی گرم گرم نکل

لہ حسن آرا کی زبان کو روک نہ ہو اور جو جی میں آئے بکا کرے محمودہ نے اس کی بات کو اسی پر الٹ دیا کہ تم منہ پھٹ ہو تو تم کو رفو کرانے کی زیادہ ضرورت ہے ۔ ۲ یہاں بھی محمودہ نے حسن آرا ہی کو قائل کیا کہ تم امیر ہو تو قلعی گر کو تمہارے گھر قلعی کرنے سے کہاں فرصت ۔

آتا تھا۔"

محمودہ "روتی صورت کی تعریف میں نے آپ ہی سے سنی ہی۔ خیر آپ کو آپ کا لیسورتا ہوا حسن مبارک رہے۔ یہاں کوئی اس کا خواہاں نہیں۔"

اسی طرح حسن آرا نے اور دو چار پھبتیاں کہیں مگر دیکھا تو محمودہ نے کچھ داد[1] نہ دی آخر حسن آرا کھسیانی ہو اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ مگر پہلے ہی دن سے امیری کے غرے[2] میں حسن آرا نے مکتب میں اپنا ایسا تسلط[3] بٹھانا شروع کیا کہ گویا سب لڑکیاں اسکی لونڈیاں ہیں اور لگی بے تکلف سب پر حکم چلانے۔ اصغری خانم کو ابتدا میں اسکا اہتمام[4] ضرور تھا کہ حسن آرا کو مکتب سے بے دلی نہ ہونے پائے کیونکہ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ اگر کہیں اسکا جی اُچاٹ ہوا تو پھر ادہر کی دنیا ادہر ہو جائے گی[5] مگر یہ خدا کی بندی مکتب کی طرف رخ نہ کریگی۔ مکتب کی لڑکیاں تو حسن آرا کا طرزِ مدارات[6] دیکھ کر ٹھٹک چلی تھیں اور ایک عام نفرت حسن آرا کی طرف سے سب کو ہو گئی تھی۔ جتنا حسن آرا اپنے تئیں کھینچتی لڑکیاں اس سے کنارہ کشی کرتیں اور جسقدر وہ بڑائی کی لیتی لڑکیاں اسکو ذلیل سمجھتیں۔ اصغری نے اشارے سے سب کو روک دیا اور محمودہ سے کہا کہ حسن آرا بہت اچھی لڑکی ہے اور بڑی عمدہ سہیلی تم کو ہاتھ لگی ہے۔ تھوڑے دن صبر کرو اور اسکو بے دل مت ہونے دو۔ بیچاری طائر وحشی[7] کی طرح تازہ گرفتار قفس[8] ہی۔ اگر کہیں تمنے اسکو بھڑکا دیا تو پھر پھر اگرا[9] جائیگی اور پھر نہ پکڑائی دیگی۔ اور اگر پر چا یا[10] تو دیکھنا کیسی کیسی صفیریں[11] سناتی اور دلونکو

---

[1] داد نہ دی یعنی شاباش نہ دی [2] غرور [3] اختیار۔ دباؤ [4] کوشش کیا تھا کسی کام کے کرنیکو اہتمام کہتے ہیں [5] یہ ایک کہاوت ہی کہ جو بات ان ہونی ہی اگر وہ بھی ہو تب بہ ناو کا طریقہ [6] کہ پرند جو آدمی سے بھاگتا ہو [7] یعنی ابھی پکڑ کر پنجرے میں بند کی گئی ہے [9] جما لیا۔ مانوس کر لیا [10] بلبل مینا لال وغیرہ کی آواز کو صفیر کہتے ہیں +

لبھاتی ہے ۔

غرض اودھر لوکیاں دلداری پر آمادہ ہوئیں۔ اُدھر استانی جی نے پڑھنے لکھنے کا نام تک منہ سے نہ نکالا پھر حسن آرا کو وحشت کی کیا وجہ تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں لڑکیوں سے ایسی بے تکلف ہوگئی کہ گویا مدتوں ساتھ کھیلی ہوئی ہے اور خود فرمائش اور تقاضا کر کے محمودہ کی گڑیاں کھلوائیں +

محمودہ کی گڑیوں کا گھر دیکھ کر حُسن آرا کا متعجب ہونا

اگرچہ حسن آرا کے گھر گڑیوں کا بڑا سامان تھا مگر یہاں محمودہ کی گڑیوں کو دیکھ کر نہایت ششدر ہوئی حسن آرا کی گڑیاں بازاری گڑیاں تھیں صورت دیکھو تو بھُتنی جوڑے دیکھو تو بھدے بھونڈے مصالح کھوٹا کام، نہ سلائی درست نہ ٹکائی ٹھیک مگر محمودہ کی گڑیاں سر سے پاؤں تک اسکے اپنے ہاتھ کی کاڑھی بنائی تھیں کہاں وہ بازاری بیگاری کام، کہاں یہ خانہ ساز حسن آرا نے گڑیوں کے لیئے بنا بنایا لکڑی کا دو منزلہ گھر پندرہ روپیہ کو مول لیا تھا اور اسی پر اتراتی تھی محمودہ نے تیلیوں اور پنی کا نہایت خوبصورت خوش قطع مکان خود بنایا تھا حسن آرا کو محمودہ کی گڑیاں دیکھکر اول مرتبہ یہ خیال ہوا کہ ہنر اور سلیقے کے آگے مال دولت ہیچ ہے۔ اپنے ہاتھ کے ہنر سے ہم وہ کام لے سکتے ہیں جو دولت سے نہیں نکل سکتا۔ بار بار حیران ہو ہو کر محمودہ سے پوچھتی دولہے ہے یہ ننھا سا کارچوبی ٹوپا بھی تم ہی نے سیا ہے۔ اچھی سچ کہنا یہ پلنگ کے تکیئے

ک حیران ۔ ک نفرت انگیز ک گھر کا بنا ہوا ک ایک قسم کا سنہری کام جو کپڑوں پر بنایا جاتا ہے ۔

تم ہی نے بنائے ہیں۔ اس دھانی جوڑے میں تو مصالح تمہارا ٹانکا ہوا نہیں لگتا۔ اس چٹنی[1] کا کرتہ تو ضرور استانی جی نے قطع کیا ہوگا۔ بھلا سب تو سہی یہ پٹاپٹی کے پردے کہاں سے لئے۔ یہ گنگا جمنی تاروں بھرا دوپٹہ کس نے دیا۔ بلا کے موباف ہیں غضب کے ازار بند ہیں لے لو اور سنو۔ ابرک کے جھاڑ، کاغذ کے پنکھے، ابری کی دریاں، اجی یہ تو دیکھو سینکوں کی چلمنیں، سرکنڈوں کے کھمبے۔"

غرضکہ محمودہ کی گڑیاں دیکھ کر حسن آرا ایسی حیرت زدہ[2] ہوگئی تھی کہ متعجب ہو ہو کر محمودہ ہی کو دکھاتی تھی۔ محمودہ نے حسن آرا کے تمام تر تعجب کا یہی جواب دیا کہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا دھرا اور میرا ہی سیا پرویا ہے۔ اور کچھ بڑی بات نہیں اگر آپ دو مہینے بھی سینے پرونے پر جی لگائیں تو اس سے کہیں بہتر بنا سکتی ہیں۔ مجھ کو تو گڑیاں کھیلنے کا شوق بھی نہیں استانی جی جب کوئی نیا کام سکھاتی ہیں تو میں پہلے گڑیوں پر ہاتھ صاف کرتی ہوں بس جو کچھ آپ نے دیکھا ہے یہ میری شروع شروع کی مشق ہے۔"

حسن آرا "دو مہینے میں اس سے بہتر بنا سکتی ہوں؟" محمودہ "بے شک بلکہ اس سے بھی کم میں۔"

حسن آرا "بس اس میں سلائی ہی سلائی ہے" محمودہ "اور کیا۔ اور سلائی بھی نری تیپچی[3]۔"

حسن آرا "بھلا اتنا سینا مجھ کو دو مہینے میں کیونکر آجائیگا"۔ محمودہ "اگر آپ جی لگائیے تو میرا ذمہ۔ دو مہینے میں خاصی طرح فراغت سے سیکھ جائیے گا۔"

حسن آرا "ابھی تو مجھ کو دھاگا پرونا بھی نہیں آتا۔ تو کل شام کی تو بات۔ انا دیر سے سوئی میں دھاگا پرو رہی تھی، آپ خیر سے عینک بھی ہر دم چڑھائے رہتی ہیں پھر بھی خاک نہیں

۱؎ گڑیا کے بچے کو چٹنی کہتے ہیں ۲؎ حیران ۳؎ سیدھی سلائی کو تیپچی کہتے ہیں۔

سوجھتا۔ میں جو کھیلتی کھیلتی جا نکلی تو مجھ ہی سے گڑگڑا کر کہنے لگی: اچھی بیٹی اپنی انا کا ایک کام نہیں کر دیتیں۔ ذرا دھاگا پرو دو۔ رعشے[1] کے مارے میری انگلیاں تو کہنے[2] میں نہیں ہیں حرمت گلے سے لگی پھرتی ہو۔ کسی طرح گونتھ[3] گانٹھ کر کھڑا[4] کیا ہے۔ گریبان رہ گیا ہے۔ بہیں لئے بہت کوشش کی دھاگا تو ناکے کے منہ پر جاتا تھا مگر پرویا نہ گیا۔ تب تو میرا جی جل گیا اور میں نے سوئی اٹھا کر دور پھینک دی۔"

محمودہ۔ "کیسا ہی آسان کام ہو تھوڑی بہت محنت ضرور چاہتا ہے اور خاص کر سینا تو بڑی پتے[5] ماری کا کام ہے، دھاگا پرو لینا تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ بلکہ کھل جانے سے دھاگے کے سرے پر جیسے سرے نکل آتے ہیں اُن کو چٹکی سے مروڑ دے کر دبا دینا چاہئے۔ پھر تو شاید پرونے میں دیر نہ ہو۔"

حسن آرا۔ "ہاں ضرور یہی بات تھی۔ مجھ کو انا نے یہ حکمت نہیں بتلائی۔ بھلا ایک سوئی دھاگا تو دو دیکھوں مجھ سے پرویا جاتا ہے یا نہیں۔" محمودہ نے ایک بہت باریک ناکے کی سوئی اور بہت مہین بیچ کا دھاگا دیا۔ حسن آرا نے دھاگے کے سرے کو چٹکی سے مروڑ دیکر جونہی ناکے کے برابر لگایا جھٹ سے آگیا۔ تب تو حسن آرا خوشی کے مارے اچھل پڑی اور بولی: "آہا جی ہم نے دھاگا پرو دیا۔ آہا جی ہم نے دھاگا پرو دیا۔ مجھ کو سینا آگیا۔" محمودہ۔ "نہیں سینا تو ابھی نہیں آیا مگر ذری ہی سی کسر ہے۔"

محمودہ نے حسن آرا کو سینا سکھایا

غرض محمودہ نے سیدھی تیپچی لگا دی اور آدھے بالشت کے قریب حسن آرا سے سلوایا۔ اس

---

[1] کانپنا اور یہاں ہاتھ کا کانپنا مراد ہے [2] مراد یہ کہ قابو میں نہیں [3] بڑی سلائی کو گونتھنا کہتے ہیں [4] سیدھی سلائی سے کپڑے کو طیار کر لینے کو کھڑا کرنا کہتے ہیں [5] پتا پت سے نکلا کہتے ہیں صفرا کو جس سے مزاج میں تیزی اور جلدی ہوتی ہو۔ پتا مارنا تکلیف کو برداشت کرنا صبر کرنا۔"

میں تین چار مرتبہ حسن آرا کے سوئی بھی چبھی، اس لیے ذری اسکی ہمت[1] پست ہو گئی اور جیسے دھاگا پرونے پر، اچھلی کودی تھی تیسی تھوڑی ہی سی تھی کہ جلدی سے محمودہ نے پڑرائی[2] اور کہا بوا یہ تو بڑا مشکل کام ہے"

محمودہ"۔ میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ سینے میں بڑی دیدہ ریزی[3] اور محنت کی ضرورت ہے لیکن دنیا میں اکثر عورتوں کو بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ دیکھیے چکی پیسنا کیسی محنت محنت کا کام ہے مگر آخر سینکڑوں ہزاروں ہم ہی جیسی عورتیں کرتی ہیں اسکے مقابلہ میں سینا تو کچھ بھی محنت کا کام نہیں۔ اس کے علاوہ یہ دستور کی بات ہے کیسا ہی آسان کام ہو مبتدی[4] اور نوآموز[5] کو مشکل معلوم ہوا کرتا ہے۔ یہ صرف آپکی بے مشقی تھی کہ آپ نے چند بار سوئی ہاتھ میں چبھولی۔ دیکھیے مجھ کو سیتے سیتے ایسی مشق ہو گئی ہے کہ اگر فرمائے آپکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی جاؤں ٹانکا بھی درست بیٹھتا چلا جائے۔ سیدھ میں ذرا فرق نہ آئے اور سوئی کے چبھنے چبھانے کا تو کیا ذکر"۔ یہ کہکر باقی ماندہ تسبیحی محمودہ نے دونوں کپڑے برابر کرکے سوئی جو لگائی تو یا ادہر تھی یا دم کے دم میں اس سرے جا نکالی

حسن آرا"۔ دیکھوں کہیں سوئی تو نہیں لگی"، محمودہ"۔ نہیں تو" یہ کہکر ہاتھ دکھا دیا۔

حسن آرا"۔ یہ آپکی بیچ کی انگلی کھردری کیوں ہے؟" محمودہ نے ہنس کر کہا کہ سوئیوں کے چبھنے کے نشان تو نہیں ہیں مگر میں اس سے انکار نہیں کرسکتی کہ یہ سینے ہی کی بدولت مجھ کو انگشتانے کی عادت نہیں بعض کپڑا کلپ[6] دار یا دبیز[7] ہوتا ہے کہ سوئی سانی

---

[1] ایسی جگہ ہمت پست ہو گئی بھی بولتے ہیں [2] لفظی معنی آنکھوں کا گڑا دینا اور مرادی معنی آنکھوں کو دکھانا [3] جو شخص کسی کام کو نیا شروع کرے اسکو مبتدی کہتے ہیں [4] نئے سیکھنے والے کو نوآموز کہتے ہیں [5] کپڑے کو چاول یا اسی قسم کی کسی اور چیز میں ڈبو دینے کو کلپ دینا کہتے ہیں [6] موٹا دلدار۔

سے نہیں نکلتی۔ تب ایک طرف سوئی کی چٹکی سے کھینچنا پڑتا ہے، اور بیچ کی انگلی سے ناکے کو سہارا لگانا ہوتا ہے یہ اُسی کے نشان ہیں۔"

حسن آرا:۔ تو پھر کچھ مبتدی پر موقوف نہیں سینے میں سب ہی کی انگلیاں لہو لہان رہتی ضرور ہیں۔"

محمودہ:۔ "بڑا تعجب ہے کہ آپ ایسی ذرا سی بے معلوم تکلیف کو بڑی مصیبت خیال کرتی ہیں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی تکلیفیں نہ معلوم کتنی صبح سے شام تک پہنچ جایا کرتی ہیں کھیلنے ہی میں کہیں چوٹ جھپٹ لگ جاتی ہے۔ پھوڑے پھنسی ہوتے رہتے ہیں۔ آنکھیں ہی دکھنے آجاتی ہیں سردی گرمی کی ایذا سے زکام ہو جاتا ہے بخار آنے لگتا ہے۔

حسن آرا:۔ ہاں لیکن ایک مجبوری کی تکلیف جس پر اپنا بس نہیں، اور ایک اپنے ہاتھوں آفت مول لینا۔

بھلا کیا ضرور ہے کہ بیٹھے بٹھائے میں اپنی انگلیوں کو زخمی کروں، آنکھوں کو ستاؤں، گردن کو دُکھاؤں جس کی ناک پر ٹکہ رکھ دیا جیسا چاہا سلوا لیا۔"

محمودہ:۔ "کیا دوسرے کا محتاج ہو کر رہنا تکلیف کی بات نہیں؟" حسن آرا "محتاج ہو کر رہنا کیسا خدا نہ کرے ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے۔"

محمودہ کا حُسن آرا کو "آنانکہ غنی تراند محتاج تراند" کا مضمون سمجھانا

محمودہ:۔ "محتاج کے سر میں کیا سینگ ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر محتاجی اور کیا ہوگی کہ آپ کا ایک دن بھی بے نوکروں کے نہیں کٹ سکتا بھلا میں پوچھتی ہوں۔ ماما نہ ہو تو کھانا

ا؎ جو لوگ زیادہ مالدار ہیں وہی زیادہ محتاج بھی ہیں ۔ ۲؎ یعنی نہیں گزر سکتا۔

کون پکائے، لونڈیاں نہوں تو پانی کون پلائے؟ منہ کون دُھلائے؟ پنکھا کون جھلے؟ چیز کون اٹھا کر دے؟ چارپائی کون بچھائے؟ بچھونے کون کرے؟ گھر میں جھاڑو کون دے؟ یہ تو روزمرہ کے کام ہیں کھانا۔ کپڑا۔ برتن۔ زیور ناورضرورت کی کل چیزیں چھوٹی یا بڑی یہاں تک کہ پانی پینے تک کا مٹی کا آبخورہ، کنگھی، سوئی، سلائی کیا آپنے اپنے ہاتھوں بنائی ہیں یا لوگوں نے آپ کو بنا کر دی ہیں؟ اس پر بھی آپ کہتی ہیں کہ خدا نہ کرے ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے"۔

حسن آرا۔" بے شک ضرورت کی سب چیزیں اور لوگ بناتے اور ٹہل خدمت بھی اور لوگ کرتے ہیں مگر کیا کوئی چیز ہم کو مفت دیجاتا ہے اور کیا بے لئے کوئی ٹہل خدمت کرتا ہے؟ ہر چیز اور ہر کام کے لئے ہم روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ روپے کے لالچ سے لوگ خود بخود چیزیں لئے دوڑے چلے آتے ہیں بے بلائے ٹہل خدمت کرنی کو حاضر ہوتے ہیں روپیہ ہو تو گھر بیٹھے دنیا بھر کا سامان لے لو۔ اور نوکر تو ایک صبح رکھو ایک شام میں تو یہ جانتی ہوں کہ دولت بڑی چیز ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور تمام دنیا اس کی محتاج ہے"۔

محمودہ۔" آہا بیگم صاحب آپ بڑی غلطی کرتی ہیں۔ بھلا اگر لوگ آپکی دولت کی قدر نہ کریں اور کوئی روپے کا خواہاں[1] نہوں تب آپ کیا کیجئے"؟

یہ سُن کر تو حسن آرا چپ ہوئی۔ اور سوچ کر کہا تو یہ کہا، "کہ ایسی صورت میں سوائے مر رہنے کے اور کیا تدبیر ہے۔ کام کاج ہم سے کچھ ہو نہیں سکتا، اور فرض کیا کہ اپنے اوپر جبر سہا اور آپ اُٹھ کر پانی پی لیا بچھونا اپنے ہی ہاتھوں کر لیا۔ تب بھی کھانا

[1] چاہنے والا یعنی اسکو روپیہ درکار نہ ہو۔

پکانا تو ممکن نہیں اور مانا کہ کوئی سہج سا کھانا مر گر کر پکا لیا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اماں جان سویاں اور خشکہ اُبال لینا جانتی ہیں مگر ضرورت کی اور ہزاروں چیزیں ہیں کپڑا کون بنے گا۔ زیور کون گھڑے گا لیکن کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ دولت کی قدر روپے کی خواہش نہ ہوئے

محمودہ۔ بیشک ممکن ہے۔ بہت دن ہوئے مجھ کو استانی جی نے ایک کتاب پڑھائی تھی اس میں لکھا تھا کہ ابتدائے دنیا میں بہت مدت تک اشرفی روپیہ پیسے کا چلن کچھ بھی نہ تھا۔ اس زمانے میں لوگ کھیتی کے کام سے بھی اور جس طرح اب ہر طرح کا غلہ اور انواع واقسام کی ترکاریاں اور میوے اور پھل پھول لوگ محنت کرکے زمین سے پیدا کرتے ہیں۔ اُن لوگوں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے جانور مار لاتے اور ان ہی کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتے یا جنگل میں جو ساگ پات از خود جم اُٹھتا ہے جانوروں کی طرح اس کو کھا لیتے۔ یہ زرق برق اور تکلف کے کپڑے جو اب اس زمانہ میں ایسے سستے ہیں کہ ہر ایک غریب آدمی کو بھی میسر آجاتے ہیں پہلے ان کا نام بھی کسی نے نہیں سُنا تھا۔ جانوروں کے چمڑے اور ڈھاک وغیرہ کے پتوں سے بدن کو ڈھانکتے اور عالیشان محلوں کی جگہ درختوں کی چھاؤں اور پہاڑوں کی کھوؤں میں پانی اور سردی گرمی سے پناہ لیتے۔ جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی گئی آدمی اپنے آرام کے لئے نئے نئے پیشے اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے گئے یہ تو ممکن نہ تھا کہ ایک آدمی ہر طرح کا کام آپ اکیلا کر لیتا اور ہر طرح کی چیز آپ بنا لیتا۔ اس سبب سے کسی نے ایک کام لیا اور کسی نے دوسرا۔ کوئی کھیتی کرنے لگا۔ کوئی لوہار بنا، کوئی بڑھئی، کوئی سنار، کوئی

لے شروع۔شروع ہیں ےے اناج ےے چمک دمک ےے اوپچے ےے غاروں گڑھوں ےے نئی نئی

جولاہا، کوئی موچی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ کھیتی والا سب کے لئے کھانے کا غلہ پیدا کرے لوہار چاقو مقراض وغیرہ لوہے کی چیزیں بنائے۔ بڑھئی ہل، چارپائی، چوکی، کرسی وغیرہ لکڑی کی چیزیں۔ سنار زیور گھڑا کرے۔ جولاہا ہر قسم کے کپڑے بُنے، اور آپس میں ضرورتوں اور چیزوں کا مبادلہ[1] کر لیا کریں۔ چندے[2] اسی طرح بے روپے بے سکّہ دنیا کا کام چلا مگر آخر کار مشکلیں پیش آنے لگیں جس کو کتاب والے نے یوں لکھا ہے کہ اب فرض کرو کہ مثلاً موچی کو کپڑے کی ضرورت ہوئی اور وہ ایک بہت طرح دار[3] جوتی بنا کر جولاہے کے پاس لے گیا۔ گردن کا دانہ دار چمڑا۔ بیٹھی ہوئی نوک، کھڑی ہوئی ایڑی، کمبخت کے پان، اونچی دیواریں۔ کسا یا ہوا تلا۔ بخیے[4] کی دوخت۔ اور کہا دیکھو تو شیخ جی کیا جوتی بنا کر لایا ہوں۔ کیچڑ میں بھرو، پکی سڑک پر دوڑو، نہ تلا گھسے گا نہ صورت بگڑے گی۔ بھراو[5] کا نام نہیں۔ برس روز سے کم چلے تو الٹی میرے سر مارنا۔ مگر مجھ کو گاڑھے کا ایک تھان چاہئے۔ آٹھ سے[6] نہ ہو تو چھ سے پون گز کا عرض[7]۔ جولاہا بولا کہ جو دہری جوتی تمہاری سر پش[8] اور تھان بھی جیسا تم چاہتے ہو موجود۔ سوت بھی گول۔ راچھ[9] بھی بیٹھے دار خوب ٹھوک ٹھوک کر بنا ہے۔ مانڈی[10] کا نام نہیں۔ مگر وہ پہلی جوتی جو تم نے بنا دی ہے ابھی تک بنی[11] ہے۔

---

[1] بدلہ [2] چند روز [3] خوش قطع [4] سیون سلائی [5] جوتی کے تلے میں پرانی دری یا ٹاٹ کے ٹکڑے بھر دیا کرتے ہیں بھراو سے یہاں یہ ٹکڑے مراد ہیں [6] جس کے تانے میں آٹھ سو تار ہوں اُس آٹھ سے اور چھ سو ہوں تو چھ سے کہتے ہیں [7] عرض [8] جوڑی عمدار [9] راچھ جلاہو نیکا ایک اوزار ہے اسمیں تانے کے تار دوڑاتے ہیں۔ [10] کلپ [11] موجود ہے۔

موچی "۔ ارے شیخ جی تین برس کی جوتی ابتک" جولاہا "کیوں دن بھر تو کارگاہ میں بیٹھا رہتا ہوں آٹھویں دن کبھی پینٹھ میں جاؤں کا اتفاق ہوا جوتی پر ایسی زد کیا پڑتی ہے دوسرے بھائی ہم غریب آدمی ہوں۔ پاؤں بھی ہولے ہولے رکھتا ہوں" موچی بیچارہ ناامید ہو کر چلا آیا اور پہنچا سنار کے پاس کہ "کیوں لالہ تم کو جوتی کی ضرورت ہے"۔

سُنار "ہاں بھائی اچھے آئے دس دن سے ننگے پاؤں پڑا پھرتا ہوں اور اس کے بدلے زیور بھی وہ بنا کر دوں کہ تمام برادری میں کسی کے یہاں نہ نکلے"۔

موچی "اجی شاہ جی کہاں ہم اور کہاں زیور۔ مجھ کو تو دیکھو کہ جھینتڑے لگائے پھرتا ہوں۔ گھر میں بچوں کے پاس ٹوپی تک نہیں۔ گھر والی پیوند گانٹھتے گانٹھتے ہار گئی۔ کپڑے کی ضرورت ہے"۔

سُنار "کپڑے کی ضرورت ہے تو شیخ نمازی کے پاس جاؤ"۔

موچی "گیا تھا اس کے پاس جوتی موجود ہے"۔

سنار "چلو دیکھیں شیخ نمازی کو کچھ گہنا بنوانا ہو۔ سنا تھا کہ بیٹی کا بیاہ کرنیوالا ہے تو میں اُس کو گہنا بنا دونگا۔ تم مجھ کو جوتی دینا اور میں اُس سے تھان لیکر تم کو دیدونگا"۔

اب سُنار اور موچی دونوں پھر جولاہے کے پاس گئے۔

سُنار "شیخ جی کہو بیٹو کا بیاہ کب کروگے؟"

جولاہا "چودھری وہ بات تو بگڑ گئی"۔ سُنار "کیوں؟"

۱؎ جس کو گڑھے میں پاؤں لٹکا کر جولاہا بنتا ہے اس کو کارگاہ یا کرگاہ کہتے ہیں ۲؎ بازار ۳؎ مار۔ رگڑ ۴؎ جولاہے بیچارے اکثر نمازی ہوتے ہیں تو یہ جولاہے کا نام بہت مناسب ہے ۵؎ بیٹی کو گنوار بٹیا کہتے ہیں۔

جولاہا۔" وہ لڑکا بڑا خراب نکلا۔ چور۔ جواری بھانگ پیتا ہے۔" سنار۔" کچھ تم کو گہنا ہوا ہی؟
جولاہا۔" ابھی تو نہیں جب پھر نسبت ناتہ ٹھہریگا دیکھ لیا جائیگا۔"
غرضکہ پھر بیچارے موچی کی جوتی ابنڈ رہگئی جب ہر ایک شخص کو ایسی دقت پیش آنے لگی تو سبنے مل کر یہ تجویز کی کہ چیز کا مبادلہ چیز سے ٹھیک نہیں۔ ایک ایسی چیز ٹھہراؤ کہ ہر کوئی ہر ایک چیز کے بدلے اسکو لے لیا کرے۔ موچی اپنا بنایا ہوا جوتا اس کی عوض دیا کرے۔ سنار اپنا گھڑا ہوا زیور، جولاہا اپنا بنا ہوا تھان۔ تب سکہ چلا۔ پہلے لوہے کا سکہ تھا اور ایسا بھاری تھا کہ شاید سو روپے کی مالیت کے واسطے چھکڑا بھرا بوجھ ہوتا تھا پھر تانبے اور چاندی اور سونے کے سکے چلے۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں چمڑے کا روپیہ چلا تھا۔ اُس میں بھی سونے کی کیل تھی۔ اب انگریزوں نے وہ انتظام بٹھایا ہے۔ کہ کاغذ کا سکہ چلاتے ہیں۔ ایک ورق کاغذ دس، سو، ہزار، لاکھ روپے کا ہوتا ہی جتنا روپیہ کاغذ میں لکھا ہے جہاں چاہو بھنا لو، نہ بٹہ ہے نہ دستوری۔ بس روپیہ اپنی ذات سے کسی کام کا بھی نہیں۔ نہ اس کو نان ختائی کی طرح کھاتے، نہ اُس کا ہار بنا کر گلے میں پہنتے ہیں۔ مگر جو چیز چاہو روپیہ کے بدلے البتہ ملسکتے ہو۔ پس حقیقت میں درکار ہوتی ہے وہ چیز اور روپیہ اس کے حاصل کرنے اور بہم پہنچانے کا ایک ذریعہ ہو جاتا ہے، یہ حقیقت ہے اُس روپیہ کی جس پر امیروں اور دولتمندوں کو اس قدر ناز ہے۔

حسن آرا۔" کیا ہی اچھی بات آپ نے مجھ کو بتائی، مگر یہ تو فرمائیے کہ جب روپیہ ہر ایک چیز کا عوض ہو سکتا ہے تو جس کے پاس روپیہ ہے گویا وہ ہر ایک چیز کا مالک ہے اور ہر

---

۱ بھنگ صحیح بنگ ۲ یعنی نہ بکی ۳ ایک قسم کی مٹھائی کی ٹکیاں ہوتی ہیں۔

ایک چیز اُسکے اختیار میں ہے۔ تو ضرور روپیہ بڑی قدر و منزلت[1] کی چیز ہے اور روپیہ والوں کو جتنا ناز اور جتنا گھمنڈ ہو سب بجا اور درست ہے"۔

محمودہ "گھمنڈ کی کوئی وجہ نہیں پاتی۔ روپیہ بے شک چیز کا بدل ہے مگر خود اس چیز کا کام نہیں دے سکتا۔ مثلاً فرض کرو کہ ہم کو ایک جوتی کی ضرورت ہے تو دو باتیں ہیں ایک یہ کہ جوتی درکار تھی اور جوتی موجود ہے اور دوسری یہ کہ جوتی تو موجود نہیں مگر روپیہ ہے جسکے بدلے ہم جوتی مول لے سکتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غور کیجیے ہرگز یکساں نہیں پھر بھی روپیہ والے کو اپنی حاجت باقی ہے کہ روپیہ لیکر بازار جائے اور جوتی مول لائے۔ فرض کیجیے کہ جوتی نہ ملی یا ملی اور قیمت نہ ٹھہری۔ تو آخر روپیہ والا مجبور رہیگا یا نہیں اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جب روپیہ والا جوتی لینے جاتا ہے یہ جوتی کا محتاج ہے مگر جوتی والا حقیقت میں روپیہ کا محتاج نہیں بلکہ وہ اُس چیز کا محتاج ہے جسکے بدلے جوتی کی قیمت خرچ کریگا۔ غرضیکہ روپے والا زیادہ محتاج ہے اور اگر زیادہ نہیں تو جوتی والے کے برابر سہی۔ پھر اس کو گھمنڈ کس بات کا ہے۔ ایک چیز کا یہ خواہشمند ہے یعنی جوتی کا اور دوسری چیز یعنی روپے کا دوسرا"۔[2]

حسن آرا "لیکن روپے کے بدلے ہر وقت چیز میسر آسکتی ہے"۔

محمودہ "یہ غلطی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیسے کی جگہ دو دینے کو موجود ہیں اور چیز نہیں ملتی۔ میری اماں جان کبھی غدر[3] کے حالات بیان کیا کرتی ہیں کہ سب لوگ

---

[1] قدر اور منزلت دونوں ہم معنی ہیں [2] محمودہ نے باتوں ہی باتوں میں دولت مندوں کو جوتی والے کے برابر کر دیا [3] غدر سے مراد وہ ہنگامہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں کچھ سرکاری فوج نمکحرامی کرکے سرکار سے پھر گئی تھی آخر چند مہینوں کی شورش کے بعد سرکار نے باغیوں کو خوب سزا دی ہنگامہ فرو ہو گیا۔

بھاگ کر سلطان جی[1] میں جا رہے تھے۔ روپے کا سیر بھر آٹا تلاش کرتے تھے اور نہیں ملتا تھا۔ دن بھر مردوئے روپے لئے لئے پھرتے تھے اور شام کو ہار کر خالی ہاتھ چلے آتے تھے۔ غدر کے سبب رسد کا باہر سے آنا بالکل بند تھا۔ گاؤں والوں کے پاس جو رسد بھی وہ کہتے تھے کہ روپیہ لے کر ہم کیا کریں گے، گھر میں تھوڑا بہت اناج رکھا ہے تو بال بچوں کا سہارا تو ہے"۔

حسن آرا: "البتہ اگر ایسا اتفاق پیش آجائے تو روپیہ محض نکما ہے مگر کیا روز روز غدر ہوتا پڑا ہے۔ یہ بھی خدا جانے کیا بات تھی۔ اب تو جس کے پاس دولت ہے وہی آسودہ ہے"۔

ایک غریب خاندان کی آسودہ زندگی کی مثال دیکر یہ ثابت کرنا کہ تکلفات موجب زحمت ہیں اور آرام طلبی[2] باعث کلفت[3]

محمود: "دولت سے ہرگز ہرگز آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ انّا نی جی اسی ہمسائی کا حال دکھا دکھا کر مجھ کو سمجھایا کرتی ہیں کہ دیکھو کیا آزاد آسودہ زندگی انکی ہے، ایک آپ ہیں، ایک میاں ہے، اور چار پانچ بچے ہیں تو بہت چھوٹے ہیں۔ کچھ کام کاج

---

[1] دلی کے دکھن کی طرف ۵ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے چونکہ وہاں حضرت سلطان الاولیا نظام الدین کا مزار ہے اس سے اس بستی کا نام سلطان جی پڑ گیا ہے۔ ہر سویں دن ربیع الثانیہ کی سترھویں کو بڑا بھاری عرس ہوتا ہے اور یہ عرس دلی کے مشہور میلوں میں ہے۔ [2] آرام سے ہر ایک تکلیف کا سبب [3] آرام طلب ہونا [4] موجب زحمت اور باعث کلفت ہم معنے ہیں۔

کرنے جوگ نہیں۔ میاں کہیں مہر پر مٹی ڈھویا کرتا ہے۔ آپ پسائی کا پیستی ہے۔ مکان پر جا کر دیکھو نہ تخت ہے نہ فرش۔ شاید تو ٹی پھوٹی تین چار بانوں کی چارپائیاں ہیں بے تکلف کھری چارپائیوں پر سب سوتے ہیں۔ برتنوں میں مٹی کے گھڑے مٹی کی ہنڈیاں۔ مٹی کے پیالے اور رکابیاں اور لکڑی کی ڈوئی۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔"حسن آرا: "یہی آزاد اور آسودہ زندگی ہے؟ خدا دشمن کو بھی یہ عیش نہ دکھائے! دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی۔ وہ اپنی جان سے ہلاک ہے آپ کو۔ اور استانی جی کو اُنکی آسودگی پر رشک ہے۔"

محمودہ۔ پہلے مجھ کو بھی اُستانی جی کے کہنے پر اچنبھا ہوا تھا مگر مدتوں میں ہمسائی اور اسکے بچوں کی حالت میں غور کرتی رہی۔ آخر میں نے بھی سمجھا کہ استانی جی سچ کہتی ہیں سوچنے سے یہ معلوم ہوا کہ جسمانی آرام اور جسمانی تکلیفیں سب عادت پر موقوف ہیں جس کو محنت کی عادت ہے وہ اُسی میں ایسا خوش رہتا ہے کہ ہم نکمے پڑے رہنے میں ہرگز وہ خوشی حاصل نہیں کر سکتے یہ ہی ہمسائی میں نے دیکھا ہے کہ برسات کی چپچپی[4] گرمی پڑ رہی ہے اور ہوا بند ہے کہ تنکا تک نہیں ہلتا میں باہر کے صحن میں کھڑی برابر پنکھا اپنے تئیں ہلائے جاتی ہوں اور ندیوں پسینہ نکلا چلا آتا ہے۔ دم لوہا لوہا اُٹھتا ہے اور خدا سلامت رکھے بی ہمسائی ہیں کہ دالان کے اندر اکیلی چکی پیس رہی ہیں اور میں نے کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ آپ خیر سے ایسی خوش ہیں کہ مزے میں کچھ گا بھی رہی ہیں مجھ کو پہلے تو شبہ ہوا کہ اس حالت میں اس کو کیا خاک گانا سوجھا ہوگا لیکن جب میں نے کھڑکی میں سے آواز دی تو بہت بشاش[5] بشاش ہو کر

---

۱ جیسے بچھونا نہ ہو ۲ یہ جملہ بس کے موقع پر بولتے ہیں ۳ بدن سے متعلق ۴ چپکتی ہوئی ۵ خوش و خرم۔

بولی کیا ہے. بیٹا۔ اُستانی جی سے کہو دو چار گلے[1] اور رہ گئے ہیں۔ آٹا میں اب لائی کی لائی[2] ایسی کراری آواز سے جواب دیا کہ کوئی بات تکلیف کی نہ معلوم ہوئی تھوڑی دیر بعد دیکھتی کیا ہوں کہ آپ آ ملے ہنستی چلی آتی ہیں۔ آٹے کے ساتھ باٹ ترازو لے آٹا تولا۔ چھانا مٹکے میں بھرا۔

استانی جی نے کہا "ہمسائی آٹے کا مٹکا خوب اچھی طرح ڈھک دیا یا نہیں"۔ ہمسائی:۔ ہاں بی، بڑا طباق ڈھک اوپر سے پنسیری رکھ دی ہے" استانی جی۔ "اچھا رخصت" "ہمسائی" کیا اور پیسنی[3] نہ دو گی" استانی جی نے کتاب[4] دیکھ کر کہا نہیں ابھی ضرورت نہیں، چار پانچ دن کا آٹا ہے، برسات کے دن ہیں جہاں ذرا دیر ہوئی آٹے میں سُرسُریاں[5] پیدا ہو جاتی ہیں تلخانے لگتا ہے"۔

ہمسائی:۔ "نہ بی بی پیسنی تو دے ہی دو" اُستانی جی "کم بخت ایک دن تو آرام لیا کر۔ یہ بلا کی گرمی پڑ رہی ہے نیرا جی نہیں گھبراتا"

ہمسائی:۔ "کیا کہوں کچھ ایسی عادت ہے جس دن پسینا نہیں ہوتا۔ تمام بدن دُکھا کرتا ہے اور کھانا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھاتی پر دھرا ہے. خالی بیٹھے کچھ آلکسی سی معلوم ہوتی ہے کہ جی نہیں لگتا"

محمودہ:۔ "میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ دیکھو مصیبت کی کیا کیا کچھ شکایتیں ہو رہی ہیں۔

---

[1] چکی میں ایک دفعہ جتنے دانے ڈالے جائیں انکو گلہ کہتے ہیں [2] اب لائی کی لائی یعنی ابھی لائی [3] پیسنے کے لئے جتنا اناج دیا جائے اسی کو پیسنی کہتے ہیں [4] معلوم ہوتا ہے کہ اصغری آٹے کا حساب کسی کتاب میں لکھا کرتی تھی اس سے اسکا سلیقہ خانہ داری ظاہر ہوتا ہے [5] کیڑے جو آٹے میں پیدا ہو جاتے ہیں ؛

استانی جی: "پیسنے کو تو دوں مگر ہمسائی گیہوں جھکتے ہوئے دیتی ہوں۔ آٹا اڑتا ہوا کیوں ہوتا ہے؟"

ہمسائی: "گیہوں سیلے ہوئے تھے۔ پہلے ہی گلے میں دلیا نکلنے لگا تو میں نے ذرا آنچ دکھادی تھی۔ نہیں تو میں باہر ہوا میں بھی نہیں پیستی۔ دالان کے اندر پیسا کرتی ہوں جہاں ہوا کا گذر نہیں۔"

استانی جی: "کیا بتاؤں کئی دن سے راہ دیکھتی ہوں کوئی گدھے والا گلی میں بولے تو دو بورے مٹی لے لوں۔ دالان بھی لپ جائے اور چولھے بھی ٹوٹ گئے ہیں پھر سے لیس پوت ہو جائے۔ مٹی ہوتی تو میں تم سے چولھے بنوا لیتی۔"

ہمسائی: "مٹی کا ملنا کیا مشکل ہو ہمت[لہ] باپ کے پاس تھوڑی دیر میں روٹی لے کر جائے گا اُدھر سے ایک ٹوکرا مٹی بھی بھر لائے گا۔ نہر کی مٹی چکنی اور پائدار بھی ہوتی ہے۔"

اُستانی جی: "اگر مٹی آجائے تو کل لپائی کے بدلے یہی کام کرو۔" ہمسائی دعائیں دینے لگی تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتی ہوں کہ ہمت کی چھوٹی بہن کوئی دس برس کی، ایک بڑا ٹوکرا سر پر رکھے آگے آگے۔ اور بی ہمسائی پیچھے پیچھے چلی آتی ہیں۔ نگوڑی لڑکی کو دیکھ کر تو مجھے بہت ہی ترس آیا۔ مجھکو نہیں معلوم تھا کہ یہ کیا لائی ہے۔ لیکن میں نے جلدی سے دوڑ دوڑ دروازے سے ٹوکرا اتروا لیا دیکھوں تو نہر کی گیلی مٹی ہے۔

میں نے کہا: "اری تجھ کو خدا کی سنوار، یہ تو نے کیا غضب کیا! نگوڑی اتنا بوجھ! اتنے میں ہمسائی بھی آ پہنچی اور میں اس سے لڑنے لگی کہ ہمسائی ذرا تمہارے دل میں رحم نہیں۔ اس لڑکی کی بساط دیکھو اور اتنے بوجھ کا گھر سے یہاں تک لانا دیکھو۔ لڑکی ایسی ہی دو بھر ہے تو بلا سے نگوڑی کو ایک دن زہر دے کر سلا رکھو۔ واہ، کوئی

[لہ] ہمسائی کے بیٹے کا نام ہے۔

سوتیلی ماں بھی ایسا نہ کرتی ہوگی۔ نوکرانیں نے اتروایا تھا ایسا بھاری بوجھل پتھر تھا کہ آدھی ہی دُور پر ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ بہر کیف مٹی خدا کی پناہ لوہا بھی ہلکا ہوتا ہے میرا تو اتنی ہی دیر میں دم پھول گیا۔ میں نے تو کس شد و مد[1] سے ہمسائی کو الزام دینا چاہا لیکن ہمسائی نے سرسری[2] طور پر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بیوی ہم غریب آدمی ہیں اور یہ غریب گھر کی بیٹی ہے ہم کو تو رات دن بوجھ اُٹھاتے گذرتی ہے۔ مٹی کی نوکری کی کیا حقیقت ہو یہ تو اکیلی چارپائیاں اٹھالاتی ہے۔ پرسوں رہانے[3] کے لئے چکی کا پاٹ دروازے پر خمرے[4] کو دے آئی تھی۔ ہمارے بچے امیرزادیوں کی طرح یار یک جان اور نازک بیگم اور چھین خانم ہوں تو ایک دن بھی کام نہ چلے۔ ہمسائی کی یہ بات سُن کر مجھ کو ایسی ندامت[5] ہوئی کہ پسینے پسینے ہوگئی اور جی میں سوچا کہ الٰہی کیا بات ہے۔ ان لوگوں کو پیٹ بھر کھانا تو نصیب نہیں ہوتا پھر اتنے قوی اور مضبوط کیوں ہیں ایک دن میں نے اُستانی جی سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا "یہ سب زور اور سب توانائی سارا بل محنت کا ہے۔ ہم لوگ دن رات احدیوں[6] کی طرح نکمے پڑے رہتے ہیں کھانا جیسا کھایا ویسا ہی پیٹ میں رکھا رہا، نہ ہضم درست ہے نہ کھُل کر بھوک لگتی ہے، سدا کے روگی ہمیشہ کے دُکھیا کبھی قبض کبھی بخشش۔ آئے دن آدمی حکیم کے یہاں موجود۔ علاج کی عادت، دوا کا معمول۔ ہم لوگوں کے مزاج ہیں کہ چھوئی موئی کے درخت ہیں۔ ذرا ٹھیس لگی اور کمہلا کر رہ گیا۔ کوئی موسم ہو ہم کو کچھ نہ کچھ شکایت ضرور رہتی ہے، گرمی ہے تو کہیں درد کے مارے سر پھٹا پڑتا ہے۔ آنکھیں جلتی ہیں۔

---

[1] یعنی لمبی چوڑی [2] آسانی سے روا روی کے طور پر [3] چکی کے گرد اکر کر ڈالا کہتے ہیں [4] چکی کا ساہا جالا۔ [5] شرمندگی [6] بادشاہی وقتوں میں جو لوگ بیکار تنخواہ پاتے تھے احدی کہلاتے تھے۔

ہتھیلیوں اور تلوؤں سے آگ نکلتی ہے۔ یوں ہی عمر بھر بھوک کو ترستے رہے گرمیوں میں رہی سہی اور بھی گئی گذری ہوئی۔ نہ برف اور شورے کے پانی سے تسکین ہوتی ہے نہ آم اور فالسے اور عناب اور نیلوفر کے شربتوں سے تسلی۔ برسات آئی تو بکھیوں اور مچھروں کے واسطے وہ وہ اہتمام ہو رہے ہیں کہ گویا کسی بادشاہ کے ملک پر غنیم[1] چڑھ آیا۔ بگڑوا ہوا کے سبب قوت ہاضمہ[2] بالکل معطل[3]۔ ریح[4] کا درد، صبح کو شانوں[5] میں تناؤ، دوپہر کو کمر میں۔ اور شام کو پنڈلیوں میں۔ جاڑا آیا تو زکام اور کھانسی اور نزلہ کو ساتھ لایا۔ اب سر ہے کہ کہنے[6] میں نہیں۔ ایک آرام طلبی نے ہم کو سب نعمتوں کے مزے اور سب آسائشوں کی لذت سے بے نصیب کر رکھا ہے۔ کھانے میں لاکھ لاکھ تکلف کئے مگر وہ ذائقہ نہ ملا جو غریب آدمیوں کو روکھی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی میں ہر روز میسر ہے۔ نیند سدا اچاٹ رہی۔ دن اور رات کوشش کرتے ہیں کہ گھڑی دو گھڑی کو آرام سے سو رہیں۔ مگر نیند ہے کہ ذرا کھٹکا ہوا اور کوسوں دور۔ مجھ کو اس ہمسائی کا حال دیکھ کر بڑی حیرت ہوا کرتی ہے۔ ایک دن کا مذکور ہے کہ میں گرمی کے مارے رات کے وقت کوٹھے پر گھبرائی گھبرائی پھر رہی تھی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ ہمسائی کے پانچوں بچے ایک کے اوپر ایک، نہ بچھونا ہے نہ تکیہ نہ پنکھا، کھری چارپائی پر مزے میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ چھ برس میرے بیاہ کو ہوئے، میرے منہ میں خاک میں نے تو کسی دکھ یا بیماری کی شکایت ہمسائی سے سنی نہیں۔ فصل بدلنے کو ہوتی ہے تو قاعدہ ہے کہ اچھے بھلے آدمی کو بھی بخار ہی آجاتا ہے۔ مگر ماشاءاللہ نہیں آتا تو ہمسائی اور ہمسائی کے بچوں کو۔ یہ تو غریبی ہے کہ چولھا کبھی دو وقت نہیں سلگتا مگر بچوں کو دیکھو

---

۱ دشمن ۲ کھانا ہضم کرنے کی طاقت ۳ بے کار ۴ بائی ۵ مونڈھوں ۶ قابو میں نہیں۔

جو نچال تو آنا۔ بھلا یہ چھوٹی لڑکی تمہارے عندیے میں کے برس کی ہوگی؟"
مَیں :- "کوئی دس برس کی۔"
اُستانی جی :- "میرا جو تھا چالا تھا میرے آئے پر ہوئی ہے خیر سے چھ برس پورے ہو چکے ساتویں میں لگی ہے۔ ماشاء اللہ کیا اچھا اُٹھان ہے محمودہ دیکھو تم سے بھی نکلتی ہوئی ہے۔"
حسن آرا :- "یہ بات بہت ٹھیک ہے۔ ہمارے گھر بھی لونڈیاں اور نوکروں کا یہی حال ہے۔ کھا کھا کر ایسے موٹے ہوئے ہیں کہ پہچان نہیں پڑتے۔"
محمودہ :- "بھلا کیا سبب ہے کہ آپ لوگ گھر کے مالک مختار، خدا کا دیا سب کچھ موجود سب کچھ میسر۔ اور بدن پر دیکھو تو بوٹی نہیں۔ لونڈیاں لاکھ جو ری کریں پھر بھی گھر والیوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔"
حسن آرا :- "البتہ یہی معلوم ہوتا ہے کچھ محنت کا ہی سبب ہے۔ مگر یہ تو فرمایئے جو کام لونڈیوں کے کرنے کے ہیں ہم کیونکر کرنے لگیں۔ اول تو ہو نہیں سکتے اور جو جان مار کر ایک آدھ کام کیا بھی تو اپنے ہی کینے والے حقیر سمجھنے لگیں۔"
محمودہ :- "ہو سکنے اور نہ ہو سکنے کی کچھ نہ پوچھیے آدمی کے برابر سخت نہیں اور آدمی کے برابر کوئی چیز نرم بھی نہیں۔ ہم ہی جیسی عورتیں ہیں جو چکی پیستی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو شہر کے بعضے مردوں سے نہ ہو سکیں۔ اور یہی عورتیں ہیں جن کو اپنی ہی جان دو بھر ہے۔ کام کا کیا ذکر اور محنت کا کیا مذکور، جیسی عادت ڈالو ویسی ہی پڑ جاتی ہے اور کینے والوں کو حقیر سمجھنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔ نوکر چاکر ہوتے ساتے اپنے ہاتھوں کام کرنے سے تو میرے نزدیک لوگوں کی نظروں میں اور عزت زیادہ ہونی چاہیے

کتنی خوبی کی بات ہے کہ ٹہل کو نوکر خدمت کو لونڈیاں ہوں اور اپنے ہاتھوں کام کرنا آدمی عار[1] نہ سمجھے۔ اُستانی جی کو دیکھو ماما بھی ہے اوپر کے کام کو بھی ایک عورت نوکر ہے۔ اتنی لڑکیاں مکتب میں بیٹھتی ہیں چھوٹوں کہیں تو سبھوں کام کو دوڑیں مگر پانی تک آپ اُٹھ کر پیتی ہیں، یہ بات خدا کو کیسی بھلی لگتی ہوگی کہ دیکھو ہم نے اس بندے کو کیسا بڑھایا اور ایسا نوازا کہ اسی کے ہم جنس اس کی خدمت اور تابعداری کو دئے مگر یہ کیسا نیک بندہ ہے کہ اس کو غرور چھو نہیں گیا۔ یہ اپنے تئیں اسی طرح ناچیز سمجھتا ہے۔"

حسن آرا: "بھلا جو کام اپنے سے ہو ہی نہ سکے تو آدمی کیا کرے؟"

محمودہ: "اس کا جواب میں ابھی دے چکی ہوں کہ جو کام دوسرے آدمی کرتے ہیں ہر ایک کر سکتا ہے۔ مگر خیر دنیا میں خدا جس کو دولت و ثروت[2] دے اور بڑی محنت کے کام اگر وہ نہ بھی کرے تاہم ہزاروں چھوٹے چھوٹے کام ایسے ہیں کہ بے زحمت ان کو کر سکتا ہے ایسے کاموں میں آپ نہ ہلنا اور ہمیشہ نوکروں اور خدمتگاروں کا محتاج رہنا بڑی بُری بات ہے۔ ایک تو انسان آلکس ہو جاتا ہے۔ آرام طلبی کی عادت چپکے چپکے بڑھتی جاتی ہے۔ دوسرے کیسا ہی چھوٹا کام ہو آدمی اپنی مرضی کے موافق جیسا اپنے ہاتھ سے کر سکتا ہے نوکر کتنا ہی سلیقہ مند[3] اور مزاج شناس[4] کیوں نہ ہو کبھی نہیں کر سکتا میں نے تو اپنا یہی قاعدہ رکھا ہے کہ لکھنے پڑھنے سے جتنا وقت بچتا ہے اُس میں کچھ نہ کچھ کام کیا کرتی ہوں۔ دو برس ہوئے کہ میں اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے سیتی اور قطع کر لیتی ہوں۔ پکانے میں بہت ربط[5] ہو گیا تھا۔

---

[1] عیب [2] امیری [3] شعور والا [4] مزاج کا پہچاننے والا۔ [5] مہارت

اب تین چار مہینے سے ذرا کم ہوگیا ہے، پھر بھی گوشت میں ہی بگھارتی ہوں اور گھر میں جو کوئی نئی چیز پکے تو میں ہی پکاتی ہوں؟"

حسن آرا:۔ "آپا تم کو پکانا بھی آتا ہے؟"

محمودہ:۔ "آتا کیا ہے خبر عزیبا منو بھون بھلس لیا۔ اُستانی جی کی مہربانی سے ایک آدھ چیز ذرا اچھی پکانی آگئی ہے۔ اور مجھ پر کیا منحصر ہے مکتب کی سب لڑکیاں جانتی ہیں۔ سب لڑکیوں نے ساجھا ملایا ہے۔ کل کڑھائی چڑھے گی۔ سامان آیا رکھا ہے۔ تلی تو ابھی جاتی، اُستانی جی نے کہا دن کے وقت گرمی بہت ہوتی ہے۔ سویرے تڑکے دھوپ نکلتے نکلتے تل تلا کر فراغت ہوجاؤ، سوکل پہ بھی سیر دیکھنے گا۔"

حسن آرا:۔ "سموسے بھی تلنے آتے ہیں؟"

محمودہ:۔ "انشاء اللہ ایسے سموسے تل کر کھلاؤں نرم اور خستہ پتلے پرت کہ آپ بھی پسند کریں۔ مگر یہ فرمائیے کہ میٹھے، سلونے، سادے یا قیمہ بھرے ہوئے؟"

حسن آرا:۔ "میٹھے"۔ محمودہ:۔ "میٹھے سموسے شہر بانو ایسے بناتی ہیں کہ سبحان اللہ"۔

صبح خیزی[1]

حسن آرا:۔ "مگر سویرے تڑکے تو میں نہیں آسکتی۔ میں تو کوئی پہر دن چڑھے سو کر اٹھتی ہوں۔ پہر دن چڑھے کا نام سن کر محمودہ بے اختیار ہنس پڑی"۔

محمودہ:۔ "کیا ہر روز آپ پہر دن چڑھے اٹھا کرتی ہیں؟" حسن آرا:۔ "ہر روز"۔

محمودہ:۔ "آپ سوتی کس وقت ہیں؟" حسن آرا:۔ "سرِ شام[2]"۔

---

[1] صبح کے وقت اٹھنا [2] اول شام

محمودہ: "بلا کی نیند آپ نے بڑھا رکھی ہے۔" حسن آرا: "میں نے بڑھا رکھی ہو، نیند بھی کوئی اپنے اختیار کی بات ہے۔ میری آنکھیں تو کچھ دن رہے سے بند ہونے لگتی ہیں۔ اماں جان کھانے کے واسطے مجھ کو بہلاتی رہتی ہیں جب دیکھتی ہیں کہ سوئے ہی جاتی ہے تو ناچار کھانا کھلوا دیتی ہیں۔ پہر دن چڑھے بھی میری آنکھ آپ سے نہیں کھلتی۔ سوتی کو زبردستی اٹھا بٹھاتی ہیں۔ کچی نیند[1] جو جگا دیتی ہیں تو گھنٹوں نیند کا خمار[2] رہتا ہے۔ اسی واسطے دوپہر کو پھر دو چار گھڑی کے واسطے سو رہتی ہوں۔"

دوپہر کے سونے کا نام سن کر محمودہ پھر ہنسی اور کہنے لگی کہ "اگر آپ کو جی بھر کر سونے دیا جائے تو شاید آپ رات دن سویا ہی کریں۔"

حسن آرا: "کیا کہوں نیند کمبخت ایسی ٹوٹ پڑی ہے کہ کسی طرح مجھ کو سونے سے سیری[3] ہی نہیں ہوتی۔ گھر بھر مجھ کو چھیڑا کرتا ہے اور جانے کوئی بیماری ہو۔ ابا جان ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ تمام تر سونے کا فساد[4] ہے۔ مگر کیا کروں نیند پر قابو نہیں چلتا ہر روز ارادہ کرتی ہوں کہ آج سب کے ساتھ سوؤں مگر جب وقت آتا ہے تو نیند کے غلبے سے ایسا جی خراب ہونے لگتا ہے کہ کچھ بن نہیں پڑتا۔ نیند کے آثار شروع ہوتی ہیں تو مجھ کو خیال ہوتا ہے کہ آج بڑا پکا وعدہ کر چکی ہوں، ابھی سے سو رہوں گی تو لوگ چھیڑیں گے۔ اور اس شرمندگی کے مارے جی مضبوط کر کے تھوڑی دیر سنبھلی بھی رہتی ہوں۔ مگر جب نیند آکر گھیرتی ہے تو نہیں بیٹھا جاتا۔ میں پلنگ پر جھکی اور ادھر سے اماں جان بولیں اُدھر سے آپا جان۔ لیکن ان کی بات پوری بھی نہیں ہونے پاتی کہ بندی لیٹتے کے ساتھ خراٹے لینے لگی۔ میرے لیٹے پیچھے جو کچھ یہ لوگ

---

[1] نیند جو اچھی طرح بھری نہ ہو۔ [2] نشہ [3] میری طبیعت نہیں بھرتی۔ [4] نقصان

کہتے سنتے ہوں مجکو مطلق خبر نہیں ہوتی۔"

محمودہ: "اگر آپ دل سے نیند کا گھٹانا چاہیں تو کچھ مشکل بات نہیں۔ میں آپ کو بہت سہل[1] تدبیر بتا سکتی ہوں۔

حسن آرا: "ہاں اس نظر سے کہ گھر بھر مجھ کو سونے کے واسطے چھیڑا کرتا ہے میں بھی چاہتی ہوں کہ زیادہ نہیں تو سب کے ساتھ سوؤں اور سب کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوا کروں۔"

محمودہ: "دو باتوں کا التزام[2] کیجئے۔ اول تو یہ کہ نیند کو بہلانے کے لئے کچھ مشغلہ[3] چاہئے کہ طبیعت اس میں مصروف[4] ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص سویرے اُٹھنے والا ہو اس پر تاکید کر دیجئے کہ جس طرح ممکن ہو، جھنجھوڑ کر، پانی کے چھینٹے دے کر آپ کو ہوشیار کر دیا کرے۔ اور اُٹھتے کے ساتھ آپ منہ ہاتھ دھو کر طبیعت کو سنبھال کر کسی کام میں لگ جایا کیجئے۔ اوّل اوّل آٹھ دس دن خلاف عادت سویرے اُٹھنے سے ایک خفیف سی گرانی سر میں معلوم ہوگی۔ مگر پھر عادت ہو جائے گی۔ یہ خود بخود آنکھ کھلنے لگے گی اور گرانیِ سر بھی موقوف ہو جائے گی۔ بلکہ سویرے اُٹھنے کی صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھا کر مزاج ایسا باغ باغ ہو جائے گا کہ دن بھر طبیعت بحال رہا کرے گی۔ میں بھی بلا کی سونے والی تھی مگر دوں سے شرط باندھ کر سوتی۔ ابّا جی ہر روز مجھ کو نصیحت کیا کرتیں کہ دنیا میں انسان اس واسطے نہیں آیا ہے کہ سونے اور نکمّے پڑے رہنے سے دن تیر کرے۔ خدا نے دن کام کے لئے بنایا ہے۔ رات کیا تھوڑی ہوتی ہے کہ دن کو بھی سویا کریں۔ بہت سونے سے انسان کاہل اور غبی[5] اور ذہن موٹا اور کند ہو جاتا ہے۔ آدمی کا وقت بڑی قیمتی چیز ہے۔ فرصت کا ایک ایک لمحہ

---

[1] آسان [2] اپنے اوپر لازم کیجئے [3] شغل [4] مشغول [5] کند ذہن

بس غنیمت ہے۔ اس وقت میں ہو سکے تو لگ لپٹ کر علم و ہنر حاصل کر لیں کہ جس سے دنیا اور عاقبت دونوں درست ہوں چنانچہ میں نے رفتہ رفتہ سونا کم کر دیا یہاں تک کہ اب سب کے پیچھے سوتی اور سب سے پہلے اٹھتی ہوں اور بہ نسبت سابق کے میں اپنے تئیں زیادہ تندرست بھی پاتی ہوں۔ مگر مکتب کی لڑکیاں غضب کرتی ہیں گھر بھی ان کے چار چار چھ چھ پیسے ڈولی پر ہیں اندھیرے منہ یہاں آجاتی ہیں۔ آپس میں شرط لگا رکھی ہے کہ دیکھیں سب سے پہلے کون مکتب میں پہنچتا ہے۔"

حسن آرا: "دیکھئے انشاء اللہ اب میں بھی ضرور اس کا انتظام کرونگی اور جس طرح بن پڑے گا خدا نے چاہا تو کل کڑھائی چڑھنے نہ پائے گی مجھ کو یہاں پہنچا دیکھنا:"

محمودہ اور حسن آرا آپس میں یہ باتیں کر رہی تھیں کہ اتنے میں اُستانی جی نے آواز دی: "محمودہ۔ تم تو نئی سہیلی سے اسقدر جلد بے تکلف ہوئیں کہ کون وقتوں سے باتیں کر رہی ہو، اب تک تمہاری باتیں ہو نہیں چکیں۔ پہلے ہی دن ایسا کیا مشورہ ہونے لگا؟"

محمودہ: "بیگم صاحب تو نہایت اچھی آدمی ہیں۔ دو ہی باتوں میں میرا دل ان سے مل گیا۔ میں نے اُن کو اپنی گڑیاں دکھائیں۔ مراۃ العروس، بنات النعش (مولانا نذیر احمد صاحب کی دو مشہور کتابوں کے نام)، وغیرہ سے محنت[1] شعاری اور صبح خیزی کے فائدے سنائے۔"

استانی جی: "تم نے ایسی ایسی باتیں کہہ کے حسن آرا بیگم کو کہیں ناخوش تو نہیں کیا؟"

حسن آرا: "اُستانی جی ایسی ایسی عقل اور نصیحت اور فائدے کی باتیں محمودہ بیگم نے

---

[1] محنت کشی۔

بیان کی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں سنی تھیں اور میرا جی ان کی باتوں سے نہایت خوش ہوا ان کی صرف ایک بات البتہ میں کسی قدر ناپسند کرتی ہوں کہ یہ امیروں کی بہت مذمت کرتی ہیں۔"

استانی جی:" امیروں کی یا ان کے کردار کی؟"

حُسن آرا:" کردار کی مذمت ہوئی تو امیروں کی ہوئی وہ ایک ہی بات ہے"

اُستانی جی:" نہیں۔ اِن دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ اگر مطلق امیروں کی مذمت کی جائے تو اس سے مطلق دولت کی مذمت نکلتی ہے حالانکہ دولت بڑی قدر و منزلت کی چیز ہے (یہ سن کر حسن آرا نے محمودہ کی طرف دیکھا) لیکن اگر دولت پاکر آدمی گھمنڈ اور غرور کرے اور یہ سمجھے کہ وہی سب میں بڑا ہے اور جتنے غریب ہیں حقیر اور ذلیل اور اس کی ٹہل خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تاکہ وہ آپ ہاتھ نہ ہلائے اور دوسروں کی محنت سے آرام حاصل کرے، اور دولت اس کو صرف اسی کے آرام و آسائش کے لئے دی گئی ہے اور غریبوں کو دینا اور محتاجوں کی مدد کرنا اپنا فرض نہ سمجھے تو ایسی دولت دنیا کا جنجال ہے اور عاقبت کا وبال"

حسن آرا:" مجھ کو اس میں چند شبہے ہیں" اُستانی جی" میں تمہارے سب شبہوں کو انشاء اللہ بخوبی رفع کردوں گی۔ لیکن اب وقت بہت کم ہے۔ سب لڑکیاں کہانیوں کی منتظر ہیں" کہانیوں کا نام سن کر تو حسن آرا اور بھی خوش ہوئی اور بیتاب ہوکر پوچھنے لگی" اچھی۔ کون کہانیاں کہے گا۔ آپ یا محمودہ بیگم؟"

اُستانی جی:" نہ میں اور نہ محمودہ۔ بلکہ جس کی باری ہوگی"

حُسن آرا:" کیا ان سب لڑکیوں کو کہانیاں یاد ہیں"

اُستانی جی:- یاد تو شاید کسی کو بھی نہیں۔" حسن آرا:" پھر کہیں گی کہاں سے۔"
اُستانی جی:- بہت اچھی اچھی کہانیاں کتابوں میں لکھی ہیں۔ پڑھنا ان سب کو آتا ہے اُس کی باری ہوئی وہی کتاب میں سے پڑھ پڑھ کر کہانی کہنے لگے گی۔"

پڑھنے کے فائدے سُن کر حُسن آرا کے دل میں شوق کا پیدا ہونا

حسن آرا:- جسکو پڑھنا آتا ہو وہ کہانیاں کہنے لگے؟" اُستانی جی:- بے شک۔"
حُسن آرا:- تو پڑھنا اچھی چیز ہے۔ ایک تو پڑھنا آجائے تو سینکڑوں ہزاروں کہانیاں آجائیں۔"
اُستانی جی:- پڑھنے کا یہ تو ایک ادنیٰ فائدہ ہے۔ سینکڑوں فائدے اور بڑے بڑے عمدہ ہیں جن سے پڑھا لکھا آدمی مزے لیا کرتا ہے۔ کہانیوں ہی کو دیکھو کہ بعض مرتبہ جی چاہتا ہے کہ کوئی اچھی سی نئی کہانی کہنا تو سنئے اور ایسا اتفاق پیش آجاتا ہے کہ یا تو کسی کو نئی کہانی نہیں آتی یا آتی ہے تو اس کو فرصت نہیں۔ بس دل کا شوق دل ہی میں رہ جاتا ہے۔ پڑھنا آتا ہو تو کتاب اٹھالی اور بیسیوں افسانے کھول ہاتھ جوڑ کر آموجود ہوئے۔ اور نگوڑی کہانیاں بھی کسی فائدے کی گنتی میں ہیں! اجی پڑھنا تو وہ چیز ہے کہ اس سے ہر طرح کی ہوشیاری آتی ہے جن کے منہ پر آنکھیں نہیں وہ تو ظاہر ہی کے اندھے ہیں، دل کے اندھے وہ ہیں جن کو علم نہیں۔ دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں سو علم کے بدون دنیا بھی اکارت ہے اور دین بھی خراب۔ آدمی کسی حالت میں کیوں نہ ہو علم سے اسکو فائدہ ہی ہوگا۔ اگر مصیبت میں ہے تو علم اس کی ایسی غمگساری کریگا جو کسی دردمند سے نہ ہو سکے۔ اور اگر خوشی میں ہے تو علم اس خوشی کو بے خرخشہ اور پائدار کردیگا۔ آسودگی اور قائم مزاجی اور استغنا اور

سیرچشمی جیسی علم سے حاصل ہوتی ہے نہ دولت سے ہوتی ہے نہ حکومت سے واری جائیے پڑھنے کے اور قربان کتاب کے۔ فرصت کا مشغلہ، دل کا بہلاؤ، گھر بیٹھے کی سیر۔ اُستانی کی استانی، سہیلی کی سہیلی۔ جو عورتیں پڑھنا نہیں جانتیں کیسی بُری طرح اُن کا وقت کٹتا ہے کہ معاذ اللہ[1]۔ اُس کی غیبت، اس کی بدی مجھ سے لڑ تجھ سے لڑ یا اٹھوانٹی کھٹوانٹی[2] لے پڑ رہیں۔ پڑھنا آتا ہو تو کتاب ہاتھ میں لی، جس ملک کی چاہا سیر کر آئے۔ پڑھنا حاضرات[3] کا ایک عجیب عمل ہے جس کو چاہا پکڑ بلایا۔ اور اسی سے باتیں کرنے لگے۔"

حُسن آرا: "اچھی استانی جی۔ پڑھنے سے یہ کرامت بھی حاصل ہو جاتی ہے؟"

استانی جی: "بیشک۔ دیکھو اب یہ لڑکیاں کتابیں پڑھتی ہیں گویا ان کے مصنفوں سے جنہوں نے یہ کتابیں بنائی ہیں باتیں کر رہی ہیں۔ غرضکہ علم جنت کا میوہ ہے جس نے کھایا ہے وہی اُس کی لذت خوب جانتا ہے۔ کہنے اور بیان کرنے سے اُس کی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔ ہزاروں برس پہلے کی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا آنکھوں کے سامنے سما بندھا ہوا ہے۔"

حسن آرا: "اُستانی جی مجھ کو پڑھنا آ جائیگا؟" استانی جی: "تم کو اور تمہاری لونڈیاں کو کرتے کی بات[4] یا مشہور بات ہے۔ علم کچھ کسی کی میراث نہیں۔ جو کریگا اسکو آئیگا۔"

حسن آرا: "کتنے دنوں میں؟" اُستانی جی: "لوگوں نے عمریں صرف کر دیں مگر

---

[1] خدا کی پناہ [2] منہ لپیٹ کر پڑ رہنے کو اٹوانٹی کھٹوانٹی کہتے ہیں [3] حاضرات ایک عمل ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے جنات اور ارواح اور موکل عمل پڑھنے والے کے پاس حاضر ہوتے ہیں [4] یہ ہندی کی کہاوت ہے کہ علم اس کا جو اس کو پڑھے۔

علم کی تھاہ نہ ملی۔ پڑھتے پڑھتے ایسی چاٹ بڑھتی جاتی ہے کہ انسان سے صبر نہیں ہو سکتا اور رہا نہیں جاتا۔ کوئی مزہ ہو کبھی نہ کبھی دل اس سے بھر ہی جاتا ہو اور نہیں بھرتا تو علم سے۔"

حسن آرا: "کیا کچھ بڑی محنت کرنی پڑے گی؟"

استانی جی: "ذرا بھی نہیں۔ تھوڑے دنوں جب تک تم کو عبارت پڑھنی نہ آئے البتہ طبیعت اکتائے گی۔ اور عبارت پڑھنی آئی اور چلیں۔ پھر تم کو مزہ ملنے لگے گا اور بے پڑھے تم کو ایک لحہ چین نہ پڑے گا۔"

حسن آرا: "عبارت پڑھنی کتنے دنوں میں آ سکتی ہے؟" استانی جی: "تم ماشاءاللہ ذہین ہو اگر خوب جی لگا کر سیکھو تو چار مہینے ہیں۔"

حسن آرا: "اچھی تو مجھ کو پڑھنا شروع کرا دیجئے۔" استانی جی: "پڑھنا۔ ابھی جلدی کیا ہے۔" حسن آرا: "یہ دن ناحق ضائع ہو رہے ہیں۔" استانی جی: "تم تو بہت سے برس ضائع کر چکی ہو چند دن اور سہی۔"

حسن آرا: "اچھی اُستانی جی خدا کے لئے مجھ کو پڑھنا شروع کرائیے۔" استانی جی: "ابھی جلدی کیا ہے۔ شروع کرنا چند روز اور مکتب کا رنگ ڈھنگ دیکھو۔ جب تم کو خوب یقین ہو جائے گا کہ پڑھنا فائدے کی چیز ہے تو پڑھنے کی کیا کمی ہے۔ مکتب اسی واسطے ہے اور میں اسی واسطے ہوں۔ اچھا لڑکیوں کس کی باری ہے۔ اور کونسی کہانی ہے؟"

زبیدہ: "جناب میری باری ہے اور نواب مسیح الملک کی بیٹی کی کہانی ہے۔ وہاں تک ہو چکی ہے کہ جس بدو کی قید میں یہ لڑکی تھی۔ اس کی بیٹی ضمیران کا بیاہ قرار پایا اگر ارشاد ہو تو آگے کہہ چلوں۔"

حسن آرا۔ ”اچھی اُستانی جی اللہ سرے سے۔“

اُستانی جی: ”ہاں بی زبیدہ حسن آرا بیگم کی خاطر پھر سرے سے خوب سمجھا کر کہہ چلو۔“

”زبیدہ نے کہانی شروع کی۔“

مسیح الملک[1] ایک بے رحم امیر کی حکایت کا آغاز

لال کنوئیں[2] پر جو نواب بدل بیگ خاں ایک مشہور نواب رہتے ہیں ان کے بزرگوں میں کوئی نواب مسیح الملک ہو گزرے ہیں، اسم تو ان کا بادشاہی طبیبوں میں تھا مگر بادشاہ کے مزاج میں کچھ ایسا در[3] خور ان کو ہو گیا تھا کہ سلطنت کے کل معاملات ان کے اختیار میں تھے۔ ایسا اختیار پاکر مسیح الملک کو لازم تھا کہ متوسلان[4] شاہی کی دلجوئی، غریبوں کی پرورش اور مظلوموں کی دادرسی[5] کرتے لیکن اُنہوں نے تو کچھ ایسے ہاتھ پاؤں نکالے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک دنیا کو شاکی اور ایک عالم کو فریادی بنا لیا جس سے سنو شکایت جس سے پوچھو گلہ۔ صدہا آدمی جو دس[6] دستِ پشت کے ملازم اور موروثی نمک خوار ہونے کی وجہ سے دل وجان سے خیرخواہ بادشاہ تھے، نہ خطا، نہ گناہ، موقوف کرا دئے۔ مسیح الملک کے آور[7] دوں کے سوائے کوئی شخص ایسا نہ بچا جس کی تنخواہ میں تھوڑی بہت کمی نہ ہوئی ہو۔ بڑے بڑے تنخواہ چھٹے

---

[1] بادشاہوں کی طرف سے امیروں کو خطاب ملا کرتے ہیں یعنی بادشاہ اپنی طرف سے کچھ نام رکھ دیا کرتے ہیں اسی طرح کا نام مسیح الملک ہے۔ مسیح حضرت عیسیٰ کو کہتے ہیں انکو خدا نے یہ کرامت دی تھی کہ جس بیمار کو چھو دیتے اچھا ہو جاتا اس سے بادشاہ نے مسیح الملک کو یہ خطاب دیا ہوگا کہ تم سارے ملک کے مسیح ہو [2] دلی میں ایک مشہور محلہ کا نام ہے [3] دخل [4] جو لوگ بادشاہ کی سرکار کا وسیلہ رکھتے تھے یعنی ان کے نوکر چاکر [5] انصاف کرنا حقدار کو اس کا حق دلوانا۔ [6] جو لوگ باپ دادوں سے بادشاہی نمک کھاتے چلے آتے تھے [7] متوسل سفارشی۔

جیسے ملا کرتی تھی، حکیم گردی[1] میں تو بر سوں کی نوبت پہنچنے لگی اور اس میں بھی کچھ ایسی کاٹ چھانٹ لگائی جاتی کہ دس والے کو چھ اور چھ والے کو چار بمشکل[2] پلے پڑتے۔ بیواؤں اور یتیموں اور اپاہجوں کی معافیاں[3] بے دریغ ضبط کر لیں۔ بادشاہ تک ان سب باتوں کی فریادیں پہنچی تھیں جب کبھی پوچھتے تو مسیح الملک یہ سمجھا دیتے کہ حضور والا خزانے میں تکا نہیں رہا کروڑوں کا قرضہ ہو گیا ہے میں کہتا ہوں کہ جس طرح ہو سکے قرضہ چکا دوں، دو چار برس میں سب انتظام ہوا جاتا ہے۔ عمر بھر حضور کا نمک کھاتے رہے اور اس سرکار کی بدولت ہزاروں چین کئے چند روز کے لئے اگر سب مل کر تھوڑی تکلیف جھیل لیں تو حضور بارِ قرض سے سبک دوش[4] ہوئے جاتے ہیں؟ اس پر بھی بادشاہ یہی فرماتے کہ "لوگوں کو بے دل مت کرو۔ بلا سے میرے مصارف[5] میں کمی ہو تو ہو۔ لیکن نوکروں کی تھوڑی اوقات ہے ان کو مت ستاؤ۔ قرضہ چار برس میں نہیں تو دس برس میں ادا ہو رہے گا۔ لیکن یہ تھوڑی آدفات[6] کے لوگ زیادہ سختی کرنے سے تمام ہو جائیں گے۔ خدانخواستہ اگر ان میں سے ایک بھی کھسکا تو ہزاروں روپے خرچ کرنے سے بھی ایسا آدمی ملنا دشوار ہے۔ ان میں کا ایک ایک آدمی جانا بوجھا اور آزمایا ہوا ہے اور دیکھو جو چاہنا سو کرنا خیرات کی رقموں میں خبردار جو تم نے کمی کی۔ اول تو وہ خیرات ہی کیا ہے حساب کیا جائے تو پہاڑ کے آگے رائی۔ مگر خیر جس قدر ہے نہایت ضروری ہے۔ مسیح الملک کے دل پر تو نیکی کا پرتو[7] بھی نہیں پڑا تھا۔ فیاضی اور نفع رسانی خلائق اور رحم سے وہ بالکل بے

---

[1] زمانہ کی گردش جس میں حکیم کی عملداری تھی [2] وصول ہوئے [3] جن جن میں سے بادشاہ محصول نہ لے [4] بے تامل [5] قرض کے بوجھ سے کندھا ہلکا ہو [6] خرچ مصرف کی جمع [7] تھوڑی تنخواہ تھوڑی آمدنی والا [8] سایہ

نصیب تھا بادشاہ کی باتوں کا اُس پر مطلق اثر نہ ہوتا آخر ظالم کی عمر کوتاہ تھی اجل کی شامت آئی۔۔۔۔۔

زبیدہ نے یہاں تک کہانی کو پڑھا تھا کہ اُستانی جی نے ہاتھ اُٹھا کر کہا "ذرا صبر کرو" اور لڑکیوں سے پوچھا "بھلا یہ تو بتاؤ کہ بادشاہ اور مسیح الملک تمہارے عندیے میں کیسے تھے"

رابعہ "دونوں برے۔ مسیح الملک تو بے رحم تھا ہی۔ بادشاہ اس واسطے برا تھا کہ اُس نے ایسے بے رحم کو ایسا اختیار کیوں دے رکھا تھا"

حسن آرا خفا ہو کر بولی "نوج۔ اس مکتب کی لڑکیوں کی کیا بُری زبان ہے نہ بادشاہ دیکھیں نہ وزیر، جو چاہا بک دیا" اور رابعہ کی طرف خطاب کر کے کہا "اپنا منہ دیکھو اور بادشاہ وزیر کو بُرا کہنا دیکھو۔ کچھ نہ ہوگا تو تم جیسی ہزاروں لونڈیاں ان کے آگے ہر دم ہر لحظہ ہاتھ باندھے کھڑی رہا کرتی ہوں گی"

رابعہ "پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟ بادشاہ وزیر ہوئے یا بہت سی لونڈیاں رکھنے سے آدمی کو زور ظلم معاف ہو جاتا ہے؟"

حسن آرا "زور ظلم کیسا۔ اپنے نوکروں اور اپنی رعیت پر جس طرح جی میں آیا حکم چلایا کسی کی کیا مجال تھی کہ ان کے آگے بات کر لیتا اب مرے پیچھے تم ہی ہو، ان کے ہوتے تمہارے بڑے بھی کوئی رہے ہوں گے تو حضور حضور کہتے منہ خشک ہوتا ہوگا"

رابعہ "تو آپ کے نزدیک بادشاہ وزیر نوکروں اور رعیت کو چاہیں جتنا ستائیں بلکہ جان سے بھی مار ڈالیں تو اُن کو روا ہے؟" حسن آرا "بے شک اور جس بادشاہ

کا دبدبہ نہ ہو وہ بادشاہ کیا؟"
محمودہ بیگم: "صاحب برا نہ مانیئے گا۔ اگر بادشاہ ناحق بیٹھے بٹھائے آپ کے گھر بار کا تعلیقہ[1] کر لے اور عورت مرد سب کو پکڑ کر قید کرے تو پھر بھی آپ یہی کہیئے گا۔ کہ بادشاہ نے واجب کیا"۔
حسن آرا: "ہمارا تعلیقہ کیوں کرے اور ہم کو کیوں قید کرے"۔
محمودہ: "کیوں آپ رعیت نہیں؟"
حسن آرا۔ اجی تو رعیت رعیت میں فرق ہے"۔
محمودہ: "تو آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں پر زور ظلم ہو تو مضائقہ نہیں"۔
حسن آرا: "اور کیا"۔ محمودہ: "غریبوں نے ایسا کیا قصور کیا ہے؟ کیا غریبوں کی جان نہیں؟
حسن آرا: جان تو کیوں نہیں مگر غریب سختی کی برداشت کر سکتے ہیں"۔
استانی جی: "بھلا بوا حسن آرا بیگم۔ اگر خدا نخواستہ تم غریب ہو جاؤ تو پھر تم کو ستانا درست ہو جائے"۔
حسن آرا: "نہیں"۔ استانی جی: "یہ تو غضب کی ناانصافی ہو کہ اور غریب تو ستائے جائیں اور حسن آرا بیگم اگر خدا نخواستہ غریب ہو جائیں تو معاف رہیں"۔
حسن آرا: "امیر اگر غریب ہو جائے تو بھی امیری کی بو کئی پشت نہیں جاتی"۔
استانی جی: "یہ کیونکر ثابت ہو کہ دنیا میں بالفعل[2] جتنے غریب ہیں یہ سدا کے غریب ہیں۔ دولت تو چلتی چھاؤں ہے۔ امیر غریب ہوتے رہتے ہیں۔ غریب امیر ہو جاتے ہیں۔ شہر میں کیا دنیا میں کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جو سدا کے امیر اور سدا کے نہیں

[1] ضبطی کرنا۔ [2] اب اس وقت

ہوں دو چار پشتیں امیر ہو گذری ہیں تو دو چار غریب بھی گزری ہو نگی "

بادشاہ رعیت کا خدمتگذار ہے اور اُسکے اختیارات محدود ہیں

حسن آرا:" بھلا مسیح الملک کا تو قصور تھا ہی تھا لیکن بادشاہ بیچارے نے کیا کیا تھا"

رابعہ:" میں تو پہلے ہی بیان کر چکی ہوں کہ مسیح الملک کو ایسا ذی اختیار رکھنا بادشاہ کا قصور ہے "

حسن آرا:" بادشاہ کے ساتھ تمہارے منہ سے قصور کا لفظ سن کر مجھ کو بے اختیار ہنسی آتی ہے "

رابعہ:" آتی ہو گی۔ لیکن نہ اتنی کہ جتنی مجھ کو بادشاہ کے ہوتے مسیح الملک کا اختیار سُن کر "

حسن آرا:" دنیا جہان کے بادشاہ تھے۔ ایک بات ان کے کان تک نہ پہنچی "

محمودہ:" یہی بادشاہ کا قصور تھا۔ ان کو اپنے کان ایسے کھلے رکھنے چاہیئے تھے کہ منزلوں سے نالش فریاد کی بھنک سنتے۔ اسی واسطے لوگوں نے اُن کو بادشاہ بنا رکھا تھا "

حسن آرا:" لو اور سنو۔ لوگوں نے بادشاہ بنا رکھا تھا "

استانی جی:" حسن آرا بیگم۔ افسوس ہے کہ تم نے کچھ پڑھا نہیں جب تک تم کو پڑھنا نہ آئیگا اسی طرح ہزاروں باتوں میں تم کو تعجب ہو گا جتنے بادشاہ ہیں سب لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں جب دنیا میں آدمی بہت ہو گئے تو آپس میں لڑائی جھگڑا

لہ ٹہل کرنیوالا یعنی خدمتگار۔ سلہ یعنی اس کے اختیار کی ایک حد ہے۔ یہ نہیں کہ جو جی چاہے کر گزرے سلہ صاحب اختیار سلہ یعنی کسی کئی دن کے راستے چلے بڑی دوروں سے شہ ہلکی اور پتلی آواز جیسے بھنبھناہٹ۔

بھی ہونے لگا بعض کمبخت ایسے بُرے ہتے کہ قابو پاکر آدمی کو مار ڈالتے، مال چُرا لیتے بھلے مانسوں کو بے عزت کر ڈالتے۔ تب صلاح کر کے یہ تجویز ٹھہرائی کہ آؤ آپس میں کسی شخص کو سردار بنا لیں سب اس کا حکم مانیں اور اسکی اطاعت کریں اور اس سردار کا یہ کام ہو کہ وہ لوگوں کے جھگڑے طے کر دیا کرے اور رعایا کی جان و مال و آبرو کا نگہبان رہے، اسی کا نام بادشاہ ہوا لوگوں کا کام ہے اس کی اطاعت کرنا اور بادشاہ کا کام ہے رعایا کو آرام دینا تاکہ کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے ہاں صاحب کہانی آگے چلے۔

ہاجرہ:" جناب مجھکو تو بڑی دور جانا ہے اور چھ گھڑی کی توپ اب چلی کی چلی[1]۔ پھر رستہ بند ہو جائے گا۔ مجھکو تو اجازت ہو"

استانی جی:" اچھا اب ملتوی کرو انشاء اللہ پھر دیکھا جائے گا"

حسن آرا کو کہانیاں سننے کا اسقدر شوق تھا کہ کہانی کا ملتوی کیا جانا اسکو ناپسند ہوا۔ ہاجرہ سے کہنی لگی:" اے ہے ذرا ٹھہر جاؤ کہانی تو ختم ہونے دو۔ جہاں سے چھوٹی تھی ابھی وہاں تک بھی تو نہیں ہوئی"

ہاجرہ:" نہیں بوا۔ دیر بہت ہو گئی ہے۔ میں تو نہیں ٹھہر سکتی"

حسن آرا:" اے ہے آج کی رات یہیں رہ جانا۔ نہیں ہمارے گھر چلی چلنا"

ہاجرہ:" بھلا یہ بھی کوئی موقع ہے۔ کہانی کے لالچ سے میں رہ جاؤں۔ میری اماں راہ دیکھ رہی ہونگی"

حسن آرا:" اے ہے کہانی کے ناتمام رہنے سے تمہارا جی نہیں کُڑھتا"

ہاجرہ:" جی کڑھنے کی کیا بات ہے۔ ایسا ہی مجھکو کہانی کا سننا ہو تو کیا میں آپ نہیں

---

[1] حکم برداری یعنی چلی کی چلی یہ ایک محاورہ ہے یعنی ابھی چلنا چاہئے کچھ دیر نہیں۔

پڑھ سکتی۔" غرض لڑکیاں سب رخصت ہوئیں۔

حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا

حسن آرا چلنے لگی تو اُس نے محمودہ کو الگ لے جا کر کہا کہ "محمودہ بیگم بھلا اتنا پڑھنا کہ میں کہانی کی کتاب آپ پڑھ لیا کروں کتنے دنوں میں آجائیگا؟"
محمودہ: "جی لگا کر پڑھو تو چار مہینے میں، بلکہ شاید اس سے بھی کچھ کم میں۔"
حسن آرا: "اچھی تو مجھ کو کل سے شروع کرا دو۔"
محمودہ: "استانی جی سے کہو۔" حسن آرا: "کہا تو تھا۔"
محمودہ: "پھر؟" حسن آرا: "اُستانی جی نے کہا ابھی جلدی کیا ہے۔"
محمودہ: "استانی جی کو ابھی تمہارے شوق کی طرف سے اطمینان نہ ہوا ہوگا۔"
حسن آرا: "کچھ ایسی ہی بات ہے۔"
محمودہ: "تو چند روز صبر کرو۔" حسن آرا: "نہیں میں تو کہتی ہوں آج مجھکو کہانیوں کی کتاب پڑھنی آجائے۔"
محمودہ: "پھر میں استانی جی سے کہہ دوں گی۔" حسن آرا: "اس میں کچھ قباحت ہے کہ تم چپکے سے مجھ کو پڑھا دیا کرو۔"
محمودہ: "قباحت کی کیا بات ہے۔" حسن آرا: "استانی جی خفا نہ ہوں۔"
محمودہ: "ہرگز نہیں۔ اور ایسا ہی خیال ہے تو خود اُستانی جی سے کیوں نہیں شروع کر لیتیں۔"
حسن آرا: "مجھ سے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں فرفر کتابیں پڑھتی ہیں، مجھ کو اتنی بڑی

ہو کر الف بے پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

محمودہ "بہت خوب آپ کو کوٹھے پر لیجا کر میں اس طرح چپکے سے پڑھا دیا کرونگی کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو۔"

حسن آرا "ضرور"، محمودہ "ضرور"

حسن آرا "اچھی استانی جی سے بھی نہ کہنا" محمودہ "نہیں، منوص یہ باتیں ہو ہو کر

حسن آرا چلنے لگی تو استانی جی نے دو عورتوں کو ساتھ کر دیا۔ گھر تو پاس تھا ہی بات کی بات میں جا پہنچی۔"

سلطانہ بیگم "آہا حسنا۔ میں نے تو جانا آج تم وہیں رہیں۔"

حسن آرا "نیند آتی تو رہ جاتی میں کیا تھا۔"

سلطانہ بیگم "تعجب ہے کہ تم کو اب تک نیند نہیں آئی ورنہ تمہاری ہمیشہ کی عادت ہے کہ ادہر دن ڈوبا اور اُدہر تم سوئیں۔"

حسن آرا "یہ مجھ کو آج معلوم ہوا ہے کہ بے شغلی کی وجہ سے میری نیند بڑھتی جاتی ہے دیکھئے آج ہی نہ سوئی اور نہ کچھ کسل[1] معلوم ہوا۔"

سلطانہ "آج ایسے کس کام میں تھیں؟"

حسن آرا "کام تو کچھ بھی نہیں تھا مگر وہاں کی باتوں میں ایسا جی لگتا ہے کہ بس دن رات بیٹھے سنا کیجئے۔"

سلطانہ "ہم کو بھی تو کچھ سناؤ۔"

حسن آرا "اب تو رات زیادہ ہو گئی ہے اور مجھ کو سویرے اٹھنا ہے۔ جلدی نہ سوؤ

---

[1] تھکن۔

رہونگی تو تڑکے آنکھ کا کھلنا مشکل ہوگا۔"

سلطانہ: "اب تم سویرے اُٹھ چکیں۔"

حسن آرا: "انشاء اللہ ایسے سویرے اُٹھونگی کہ آپ دیکھئے گا۔ انّا تم کہا کرتی ہو کہ میں اُٹھتی ہوں تو تارے چھٹکے ہوتے ہیں بس ضرور ضرور مجھ کو اسی وقت اُٹھا بٹھانا دیکھو خبردار بھولنا مت۔"

انّا: "جگا تو میں دوں گی۔ اٹھنا نہ اٹھنا تمہارے اختیار میں ہی۔"

حسن آرا: "اگر میں نہ اٹھوں تو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ماردینا۔"

انّا: "یہ تو مجھ سے نہ ہوگا کہ غفلت کی نیند میں تم کو حیران کروں۔"

حسن آرا: "میں کہتی ہوں کہ جگا دینا پھر تم کو میری حیرانی کا خیال ناحق ہی۔"

انّا: "بیٹی تم کہتی تو ہو لیکن میری ایسی کیا شامت ہے کہ صبح سویرے تم کو چھیڑ کر اپنا بُرا دھاڑا کراؤں۔"

حسن آرا: "نہیں بی۔ خدا کی قسم میں ہرگز بُرا نہ مانونگی، ضرور جگا دے نا۔"

سلطانہ: "آخر تم کو ایسے سویرے اُٹھنے کی ضرورت کیا ہے یہی نا کہ معمول سے ذرا پہلے اُٹھ جانا۔"

حسن آرا: "واہ میں نے شرط کرلی ہے۔ اگر میں نہ بھی اٹھوں تو سوتی کو بڑے تڑکے اندھیرے منہ مکتب میں پہنچا دینا۔ انّا: "دیکھو پھر کہے دیتی ہوں ضرور ضرور اُٹھا دینا ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔"

ل صبح سویرے ۔ ۲ اگر خدا نے چاہا ۔ ۳ بکھرے ہوئے ۔ ۴ بُرا درجہ بُرا احوال برُے گت ۔

حُسن آرا سویرے اُٹھنے لگی

انّا اپنے معمول پر اٹھی۔ سلام[1] پھیر دعا مانگ، ڈرتے ڈرتے حسن آرا کی چارپائی میں جا آواز دی۔ حسن آرا کا یا تو یہ حال تھا کہ بیسیوں آوازیں دیے جاؤ ہونکار تک نہیں۔ اور اگر نیند سے ہوشیار بھی ہو چلی تو جب آواز دی کبھی انگڑائی لے کر رہ گئی کبھی اس کروٹ سے اس کروٹ ہو لیٹی۔ یا انّا کی آواز سن جھٹ پٹ اٹھ ہی تو بیٹھی۔ بہتیرا چاہا کہ آنکھیں کھولے۔ پلکوں کو چیرا پھاڑا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے سی دی ہیں یا گوند سے جما دی ہیں۔ اور جو ٹمٹما کر ذرا ذرا سی کھولیں بھی تو ایسا دکھ معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے پلکوں میں مرچیں بھر دیں۔ مگر کل کا وعدہ اور کڑھائی کی خوشی پیش نظر تھی، ہاتھ پھیلا دئیے۔ انّا نے پیار سے گود میں اٹھا لیا اور کہا "بیٹا ابھی تو بہت سویرا ہے صدقے گئی ایک نیند ذرا اور لے لو۔"

حسن آرا۔ "نہیں بی نہیں۔ مجھ کو ابھی مکتب لے چلو۔"

انّا۔ "بیٹا منہ دھو لو۔ کچھ ناشتہ کر لو تب جانا۔"

حسن آرا۔ ٹھنک[2] کر بولی "اے ہے اللہ۔ دیکھو کمبخت دیر لگائے چلی جا رہی ہے۔ لے نہیں چلتی۔ وہاں سب لڑکیاں آ گئی ہونگی۔" غرض کہ انّا مکتب میں لائی، حسن آرا کچھ تو آنکھیں کھولتی آئی ہی تھی یہاں آ کر دیکھا کہ واقع میں بڑی چھوٹی لڑکیاں سب موجود ہیں۔ مگر کوئی کتاب کھولتی جاتی ہے کسی نے آموختہ[3] پڑھنا شروع کیا ہے۔ کوئی ابھی مطالعہ لے کر بیٹھی سب ہے۔ یہ دیکھ کر تو حسن آرا کی رہی سہی آنکھیں اور

---

[1] یعنی نماز پوری کر کے ہاں [2] رونے کی تیاری میں جو آواز ہوتی ہے اسکو ٹھنکنا کہتے ہیں [3] پڑھا ہوا۔

بھی کھل گئیں۔"

محمودہ "آہا بیگم صاحب ایسے سویرے! ماشاءاللہ خوب ہی آپ وعدے کی سچی اور ارادے کی پکی ہیں۔"

حسن آرا "کیا خاک وعدہ اور ارادہ ہے۔ آخر سب کے پیچھے ہی آئی۔"

محمودہ "گو آپ سب کے بعد آئیں مگر پہلے ہی دن آپ اتنے سویرے اُٹھ کھڑی ہوئیں بڑی مضبوطی کی بات ہو۔ اس اعتبار سے آپ ہی سب سے پہلے آئیں۔"

حسن آرا "کڑھائی کی فرمائیے۔" محمودہ "سب تیار ہے۔ آپ ہاتھ منہ دھولیں تو شروع ہو۔"

محمودہ نے لوٹا سلفچی منجن۔ آئینہ۔ کنگھی، تیل سب سامان سامنے لاکر رکھدیا۔

حسن آرا "کیا خوب یہ آپ مجھ کو ناحق ہیں کیوں گنہگار بناتی ہیں؟"

محمودہ "ہم غریب لوگ ہیں، نہ تکلف کرتے اور نہ تکلف کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ اسکو چاہو آپ بھونڈاپن سمجھیں، ہم سب طرح کا کام اپنے ہاتھوں کرلیا کرتے ہیں اور آپ دیکھیے گا کبھی ہمارے آپس میں لڑائی نہیں ہوتی۔ کوئی کام ہو اور کسی کے کرنے کا ہو سب نے مل کر کر لیا۔ ایک نے دوسرے کو سہارا لگا دیا۔ اور یہ بات کچھ بناوٹ اور دکھاوے کی غرض سے نہیں۔ حاضر و غائب[1] ہم سب لڑکیوں میں بڑی سچی محبت ہو، ایک کو ایک سگی بہن سے بڑھ کر ہے۔ ہاتھ خدا نے کام ہی کے واسطے دیئے ہیں اور لوٹا پانی لاکر رکھ دینا بھی بھلا کوئی کاموں میں کام ہے

---

[1] سامنے اور پیٹھ پیچھے۔

مکتب کی لڑکیوں نے مِل کر پکوان تَلا اور حُسن آرا کا کام کاج میں شریک ہوئی مگر کام کی عادت نہ تھی چھوٹے چھوٹے کاموں میں بڑی دِقّت اُٹھائی

غرض اِدھر تو حسن آرا ہاتھ منہ دھوتی رہی محمودہ نے پہلے تو اُستانی جی سے پوچھا کہ "اگر آپ ارشاد کریں تو کڑھائی کا سامان کئی دن سے آیا ہوا رکھا ہے، اس وقت ٹھنڈک بھی ہے سویرے کا وقت ہی ہم سب مل ملا کر تل تلا لیں۔"

اُستانی جی: "بہت خوب مگر حسن آرا بیگم کو بھی شریک رکھنا۔" محمودہ "بسر و چشم۔" اس کے بعد کوٹھڑی کھول، سب سامان نکال، باورچی خانے میں لے گئیں کسی نے بیسن گھولنا شروع کیا، کوئی ٹکیاں گھڑنے لگی، کوئی پیاز کترنے بیٹھ گئی غرض سب کی سب کام میں لگ گئیں۔

حسن آرا: "محمودہ بیگم کوئی کام مجھ کو بھی بتاؤ۔ یہ تو مناسب نہیں کہ سب کام کریں اور میں کھڑی منہ دیکھوں۔"

آمنہ: "آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں، ہم سب کام کئے لیتے ہیں، صرف آپ سیر دیکھیے۔" تماشہ

محمودہ: "نہیں اس میں کچھ قباحت کی بات نہیں۔ کوئی کام ہو۔ کرنے ہی سے آتا ہے۔ مگر کون کام بتاؤں، مصالحہ پیسنا، میدہ گوندھنا، تلنا بہتیرے کام ہیں

ان میں سے جو آپ سے ہو سکے کیجئے۔"

حسن آرا:"مصالحہ تو مجھ سے نہیں پسے گا۔ پہلے ہی رگڑے سے میرے تو گھوٹے رہجائیں گے۔ میدہ کہئے تو البتہ میں گوندھ دوں۔"

محمودہ:"میدہ گوندھنا بھی بڑے زور کا کام ہے، بلکہ مصالحہ پیسنے سے زیادہ محنت ہے۔"

حسن آرا:"بلا سے ہی، مگر مجھ کو منظور ہے۔" محمودہ:"آخر اس کا سبب۔"

حسن آرا:"کچھ ہے۔" محمودہ:"کیا کچھ پردہ کی بات ہی۔"

حسن آرا (جھینپ کے) "اجی میدہ گوندھ ہاتھ دھو دُھلا کر کھڑی ہو جاؤنگی، اور مصالحہ پیسوں تو ہلدی کا رنگ کلنگ[1] کا ٹیکا دو چار دن چھوٹتا نہیں ناحق مجھ کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔"

محمودہ:"شرم کی اس میں کیا بات ہی۔" حسن آرا:"آپ کو نہیں، مجھ کو تو ہلدی کے بھرے ہوئے ہاتھ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔"

محمودہ:"اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے، بعضوں کو کام کرنا عیب ہو۔ بعضوں کو دوسروں کا پکا پکایا رندھا۔ اور یوں اپاہجوں کی طرح کھانا عار ہو۔ غرض اتنا سمجھایا امیری کی بُو آپ کے دماغ سے نہ گئی پر نہ گئی۔"

حسن آرا:"اصیل[2] مرغے کی ایک ٹانگ۔ جان جائے پر آن[3] نہ جائے۔"

محمودہ:"پھر کچھ زبردستی ہی۔ آپ آرام سے بیٹھئے۔ جو کچھ توفیق ہوگی ہم بیٹھے بٹھائے

---

[1] منہ سے تھک کر بیکار ہو جائیں [2] سیاہی کا ٹیکہ [3] جو مرغ اصیل ہوتا ہو وہ اکثر ایک ٹانگ پر کھڑا رہتا ہے یعنی جو آدمی شریف ہوتا ہے اسکی وضع یا بات پکّی ہوتی ہے کہ وضع

آپ پر چڑھا آئیں گے۔"

حسن آرا۔" آپا کچھ تم کو بھی ضد ہے۔ تم کو اپنے کام سے کام۔ آخر میدہ کوئی گوندھے گا ہی۔ میرا ہاتھ لگ جائے گا تو کیا کیڑے پڑ جائیں گے۔"

محمودہ۔" کیڑے تو نہیں مگر لوچ توڑ تاڑ ستیاناس کر کے رکھ دو گی۔ امیری کی شیخی بگھارنے کے سوائے اور بھی کچھ تم کو آتا ہے۔"

حسن آرا۔" خیر کچھ اور کام مجھ کو دیجیے۔" محمودہ۔" کون کام دوں۔ مصالحہ تو تم پیسنا نہیں چاہتیں۔ آٹا تم کو گوندھنا نہیں آتا۔ اور کون سا کام بتاؤں۔ خیر مصالح کی سل کے نیچے ادرک گری ہوئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی دو گرہیں نکال کر کتر ڈالیے۔"

حسن آرا۔" ہاں یہ کام میرے کرنے کا آپ نے بتایا ہے۔ دیکھیے گا کیسے بار یک[1] کترتی ہوں۔" محمودہ۔" خدا راس لائے۔"

حسن آرا دوڑی دوڑی جا سل کو اٹھانے لگی۔ سل بھی بوجھل ایک بالشت بھر تک تو حسن آرا نے ہمت کر کے اٹھائی۔ آخر نہ سنبھل سکی چھوٹ گئی اور چھوٹی تو ہاتھ پر گری۔ حسن آرا تو بلبلا اٹھی۔ سب لڑکیاں دوڑی گئیں۔ جا کر دیکھیں تو حسن آرا سل کے تلے ہاتھ دیئے بیٹھی ہیں۔ چہرے کی رنگت زرد ہے اور تھر تھر کانپ رہی ہیں۔ جلدی سے سل اٹھا کر الگ کی۔ ہاتھ دیکھا تو کچل گیا تھا مگر زمین گیلی اور پولی[2] تھی۔ چوٹ نہیں لگی۔"

حلیمہ۔" واہ بیگم صاحب بڑے کچے دل کی ہو، تم تو ایسی بلبلائیں کہ ہم سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔"

---

[1] پتلی [2] نرم

حسن آرا۔ "منہ پر آنکھیں ہیں یا نہیں۔ اتنی بڑی سل تمہارے ہاتھ پر گرتی تو جاتیں"
حلیمہ۔ "گرتی ہی کیوں" حسن آرا۔ "کیا خوب۔ یک نہ شد دو شد۔ بھلا میں نے تو بالشت بھر اٹھا بھی لی تم ذرا ہلا بھی دو تو سو سلام کروں"
حلیمہ۔ "ہاں" حسن آرا۔ "ہاں"

علم جر ثقیل کا تذکرہ مختصر

حلیمہ نے وہیں چولھے کے پاس سے ایک نوک دار لکڑی اٹھا پتلا سرا سل کے نیچے اڑا۔ جوں ہی دوسرا سرا اٹھایا تھا کہ سل دوسری طرف جا پڑی"
حسن آرا۔ "بہن یہ تو کمال ہی کیا"
محمودہ۔ "کمال کی اس میں کیا بات ہے۔ علم جر ثقیل میں اسی قسم کی ہزاروں باتیں ہیں۔ حکمت بڑی چیز ہے اکیلا آدمی حکمت کے زور سے ہزاروں من کا بوجھ تنکے کی طرح اٹھا کر پھینک دے۔ سل کی کیا اصل ہے"
حسن آرا۔ "اب آپ لوگ اپنا اپنا کام کیجیے۔ میں ادرک کترتی ہوں"
محمودہ۔ "رہنے دیجیے اور کوئی لڑکی کتر لے گی آپ کا ہاتھ بھی دکھتا ہوگا"
حسن آرا۔ "نہیں میں تو اب کتر کے رہوں گی" حسن آرا نے باورچی خانہ کے چاقو سے جو ایک گرہ چھیلی تو چاقو کند معلوم ہوا۔ آپ نے کیا کیا محمودہ کے قلمدان سے راجرس کا بنا چاقو نکال۔ ادرک چھیلنا شروع کیا۔ ادرک کے عرق سے اول تو چاقو کی

ف یہ فارسی کی مثل ہے لفظی معنی یہ ہیں کہ ایک نہ ہوئی دو ہوئیں، اسکو تعجب کی جگہ بولتے ہیں سے دانائی
لکھ انگریزوں کی ولایت کے ایک مشہور لوہار کا نام جو لوہے کے اوزار لاجواب بناتا ہے۔

آب گئی گذری ہوئی دوسرے چاقو تیز، ادرک نرم، تین چار مرتبہ کچ کچ چاقو ہاتھ میں لگا اور اوپر سے پہنچا اور ادرک کا عرق خوب ہی مرچیں لگیں۔ مگر حسن آرا نے شرم کے مارے اس کو چھپایا ادرک بھی اچھی نہ کتری گئی۔

ادرک کتر کر لائی تو اس میں سرخی جھلملاتی تھی[1]، محمودہ نے دیکھ کر کہا "اے ہے کیسی لال لال ادرک ہے کہیں گل تو نہیں گئی"۔ دھویا تو خاصی سفید سفید ادرک نکل آئی۔ تب تو شبہ ہوا کہ شاید حسن آرا نے کہیں اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ گھبرا کر کہا دیکھوں ہاتھ۔ حسن آرا نے تھوڑے تامل کے بعد دکھایا تو معلوم ہوا کہ کوئی انگلی نہ تھی جس میں دو چار خراش نہ ہوں"۔

محمودہ "اے ہے، یہ کیا کیا؟ کس چاقو سے ادرک کتری؟"

حسن آرا "جس قاقو سے آپ قلم بناتی ہیں"۔

محمودہ "بھلا قلم تراش سے کوئی ترکاری بناتا ہے، اسی واسطے میں آپ کو کام دیتے ہوئے ڈرتی تھی۔ دیکھئے آپ نے ہاتھ زخمی کر ہی لیا"۔

حسن آرا "بلا سے، ہاتھ کا کیا ہے اچھا ہی ہو جائیگا مگر چاقو کیسا بد رنگ ہو گیا ہے یہ کیوں کر درست ہوگا"۔

محمودہ "قربان کیا ننھا چاقو نگوڑا اگر گیا بگڑ گیا۔ جلدی سے پانی میں بھگو کر کپڑا انگلیوں پر لپیٹ لیجیے اور خدا کے لیے مکتب میں جا کر بیٹھئے"۔

حسن آرا "واہ میں تو کام کروں گی"۔ محمودہ "کیا استانی جی کو خفا کرنے کی مرضی ہے؟ حاشا[2] میں تو اب تم کو کسی چیز کو ہاتھ لگانے دینے کی نہیں"۔

---

[1] جھلکتی تھی [2] ہر گز نہیں۔

حسن آرا: اب میں بہت احتیاط سے پوچھ پوچھ کر کروں گی۔ ابھی کچھ بتاؤ۔ حسن آرا نے اتنا اصرار کیا کہ محمودہ سے کچھ بن نہ پڑی اور مجبور ہو کر کہا خیر آپ آگ سلگا کر گھی کڑکڑا ڈالیے۔ حسن آرا نے سمجھا کہ بڑا آسان کام ملا، جلدی سے لکڑیاں کنڈی چولھے میں بھر، دیا سلائی لگا کر لگی پھونکنے۔ بہتیرا دھونکا آگ بھلا کب سلگتی ہے۔ منہ[1] بھی تمتما[2] اٹھا۔ ناک اور آنکھ دونوں سے پانی جاری ہے، دھواں غٹ کے غٹ تمام مکان میں بھرا ہوا ہے مگر لکڑیوں کو خبر بھی نہیں۔ جب لڑکیاں سامان درست کر چکیں تو محمودہ نے پوچھا "کیوں بیگم صاحب گھی کیا کہہ رہا ہے"۔

حسن آرا: "لکڑیاں کمبخت ایسی گیلی ہیں آنچ ہی نہیں ہوتی"۔

محمودہ: "کیوں دیانت[3] اتنا کہہ دیا تھا کہ برسات کے دن ہیں۔ لکڑیاں دیکھ کر سوکھی ہوئی لانا۔ آخر وہی گیلی پانی اٹھا لائیں"۔

دیانت: "بیوی لکڑیاں تو ایسی خشک ہیں کہ برسات کی ہوا تک بھی انکو نہیں لگی بیچ ڈھیر میں سے اپنے سامنے نکلوا کر لائی ہوں۔ دو دن ہوئے ان ہی لکڑیوں سے کھانا پکتا ہے۔ ایسی دھڑا دھڑ جلتی ہیں کہ پھونکنا بھی نہیں پڑتا"۔

حسن آرا نے کام تو بگاڑا آپ اور ماما پر ناحق خفا ہوئی

حسن آرا کو ایک تو پہلے ہی پہل چولھا پھونکنے کا اتفاق ہوا اور اس پر طرہ[4] یہ کہ دو گھڑی کامل حیران ہوئی اور آگ نہ سلگی۔ یونہی کھسیانی ہو کر چلی[5] بھی بیٹھی تھی۔

---

[1] منہ [2] لال لال ہو گیا [3] محمودہ کی گھر کی ماما کا نام ہے جو باہر کا سودا سلف لایا کرتی تھی۔
[4] مراد زیادتی ہے طرہ پگڑی کے کنارے کو کہتے ہیں [5] مراد خفا۔

ماما دیانت نے جو اُسکے خلاف تقریر کی اور بھی آگ بگولہ ہو کر بولی "ارے جھوٹی نامراد۔ ذرا پھوٹتے ہوئے دیدوں سے آکر سوجھ تو سہی کہ گیلی ہیں یا نہیں۔ کون وقتوں سے میں سر کھپا رہی ہوں! اِن ہی کو سوکھے چیلے کہتے ہیں؟ نہ ہوئی تو اس وقت میرے گھر کی ماما۔ نہیں ان ہی چیلوں[1] سے مارتے مارتے مردار تجھ کو فرش[2] کر دیتی "۔

ماما دیانت حسن آرا کا بیہودہ کلام سُن کر مارے غصے کے کانپ اُٹھی اور چاہتی تھی کہ جواب دنداں شکن[3] دے، استانی جی نے اشارہ[4] سے روکا۔ لڑکیوں کو بھی حسن آرا کی بات نہایت ناگوار گزری اور قریب تھا کہ سب کڑھائی چھوڑ چھاڑ الگ ہو بیٹھیں۔ محمودہ استانی جی کے اشارے کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اس نے لڑکیوں کو کنا[5] شئے سے باز رکھا اور خود چولھے کے پاس جا کر کہنے لگی "ذرا میں بھی تو دیکھوں کیسی لکڑیاں ہیں"۔ دیکھا تو اندر تک حسن آرا نے لکڑیاں ٹھونس رکھی ہیں، راکھ کا اٹم کا اٹم[6] بھرا پڑا ہے۔ محمودہ نے سب لکڑیوں کو باہر نکال پہلے تو راکھ صاف کی پھر چار لکڑیوں کو اوپر تلے آرا رکھ[7] کے تھیبنا چولھے کے باہر طرف لگا ایک مرتبہ ذرا کے ذرا پھونکا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی۔

حسن آرا: "آپ نے تو کمال ہی کیا"۔ محمودہ ہنس کر بولی "کمبخت آگ جلانے میں بھی کچھ کمال کی بات ہے مگر اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ کوئی کام ہو بے کئے نہیں آتا لکڑیاں کیا اتنی ٹھونس دیں کہ ہوا کا گذر نہ ہوا۔ آگ جلے تو کیونکر جلے۔

---

[1] محاورہ میں غضب ناک کی جگہ بولا جاتا ہے [2] لکڑی کے جبرے ہوئے کندے [3] یعنی زمین پر لٹا دیتی [4] دانت توڑ دینے والا یعنی کرا [5] اشارہ [6] ایک بار [7] جو لکڑیاں چولھے میں سمائی جائیں اس کو تھیبنا کہتے ہیں

مشہور بات ہے کہ جھینا جتنا ہلکا ہو اتنا ہی جلد جل اُٹھتا ہے۔"

حسن آرا:"مجھ کو یہ حکمت معلوم نہیں تھی۔"

محمودہ:"بے شک جو کام کبھی نہیں کیا اس میں آدمی ضرور عاجز ہوتا ہے۔ مگر آپ نے ایک بات بہت بے جا کی۔"

حسن آرا:"وہ کیا۔ کہیں میں نے کوئی کپڑا تو نہیں جلا لیا۔" یہ کہکر لگی اپنے کپڑوں کو دیکھنے۔"

محمودہ:"خیر ہے۔ اپنا کپڑا نہیں جلایا دوسرے کا دل جلایا۔"

حسن آرا:"ماما کو جو ذرا میں نے گھر کا اُس پر آپ کہتی ہونگی۔"

محمودہ:"للہ میری خطا معاف۔ اوّل تو یہ فرمایئے کہ آپکی خفگی بےجا تھی یا نہیں قصور تو اپنا آگ نک تو خیر سے اپنے تئیں سُلگانی نہ آئی اور بےچاری ماما حق میں فضیحت ہوئی۔"

حسن آرا:"البتہ اتنا قصور میرا تھا، مگر ماما کا بیچ میں بول اُٹھنا کیا ضرور تھا۔"

محمودہ:"ماما آپ سے نہیں بولی۔ میں نے پوچھا تو اُس نے جواب دیا۔"

حسن آرا:"پھر بھی میری بات کو کاٹنا[1] اُس کو مناسب نہ تھا۔"

محمودہ:"وہ ہرگز اس بات سے واقف نہ تھی کہ آپ برسرِ ناحق بھی ہوں تو آپکی تائید[2] کرنی چاہیئے۔"

حسن آرا:"کیوں کیا وہ نہیں جانتی کہ میں امیر زادی ہوں؟" محمودہ:"شاید جانتی ہو۔"

---

[1] یہاں بات کاٹنے سے اس کا رد کرنا مراد ہے۔

[2] مدد۔ تصدیق کرنا۔

خیرات دیکر احسان جتانا

حسن آرا "شاید کیا۔ میں اس کو پہچانتی ہوں۔ رمضان کے رمضان ہمارے یہاں لنگر[1] سے برابر کھانا لینے جایا کرتی تھی۔ اب چار دن سے آپ کے یہاں نوکر ہے تو اسکے مغز چل گئے ہیں[2]۔ وہ دن بھول گئی "

محمودہ "لنگر آپ کے یہاں کیوں تقسیم ہوا کرتا ہے؟" حسن آرا "نامِ خدا تقسیم ہوا کرتا ہے" محمودہ "نامِ خدا اسی کا نام ہے، جو کوئی اسمیں سے لے۔ وہ عمر بھر آپکا غلام بنا رہے اور جس طرح اور تنخواہ دار نوکر آپ کا ادب آپ کی تعظیم کرتے ہیں وہ بھی کیا کرے۔ ایسے لنگر کا خاک[3] ثواب ہوگا "

حسن آرا "تعظیم نہ کرے تو ہم کو جوتیاں مار لیا کرے" محمودہ "توبہ توبہ، جوتیوں کا یہاں کیا مذکور ہے "

حسن آرا "بوا ایسے کم حیثیت لوگوں کا ایسی بے باکی[4] سے بول اُٹھنا بھی جوتیاں ہی مارنا ہے "

محمودہ "جب لنگر خدا کے نام کا ہوا تو پھر آپ کا کچھ احسان نہیں۔ ایک خیرات کے دو دو بدلے تو ہو نہیں سکتے کہ عاقبت کا ثواب بھی لو اور دنیا میں بھی ادب اور تعظیم کی خواہاں رہو پس خیرات دے کر یہ امید پیدا کرنا کہ یہ ہمارا ادب کرے، توقع بیجا ہے۔ اور اس کو دل میں جگہ نہ دو تو آدمی آدمی سب برابر جیسی آپ ویسی وہ،

---

[1] خیرات کے طور پر جو غلہ یا کھانا تقسیم کیا جاتا ہو [2] یعنی شیخی میں آگئی ہے [3] یہ محاورہ ہے یعنی کچھ بھی ثواب نہ ہوگا [4] بے دھڑک۔

ویسی ماما۔"

حسن آرا۔" آپ کو اپنے تئیں ماما کے برابر سمجھنے کا اختیار ہو مگر میں تو خدا کے فضل سے خاصی امیرزادی ہوں اور ایسی ایسی اب بھی دس بیس تو ہمارے گھر نوکر ہوں گی۔"

حسن آرا نے ماما سے معافی مانگی

محمودہ۔" یہ نری زبردستی ہو کہ آپ امیر ہیں تو دنیا میں جو ہے آپ کا ادب کرے، اور نری ہٹ دھرمی ہو کہ آپ امیر ہیں تو جس کو جی میں آئے گالیاں دے لیا کیجیے۔"

حسن آرا۔" میں نے تو کوئی گالی نہیں دی۔"

محمودہ۔" گالی کے سر سینگ[1] ہوتے ہیں؟ آپ نے جھوٹی کہا، نامراد کہا، مردار کہا، دیدوں پھوٹی کہا اور یہ کہا کہ جیلوں کے مارے فرش کر دیتی۔"

حسن آرا۔" یہی گالی ہے تو خدا حافظ۔ اب کیا میں ان کو جناب کہتی، خداوند بناتی۔"

محمودہ۔" کہنا ضرور ہے کہ کہیئے تو جناب اور خداوند کہیے یا ایک دم سے جھوٹی نامراد۔ دیدوں پھوٹی بتائیے۔ یہی لفظ برا نہ ماننے گا اگر کوئی آپ کو کہے تو کیسا برا لگے۔"

حسن آرا۔" مجھ کو برا لگے تو لگے لیکن یہ لوگ اسی اوقات کے ہیں۔ ان کو برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔"

محمودہ۔" ہاں یہی تو غلطی ہے، یہ ماما اس اوقات کی نہیں ہے، غریب تو ہے مگر عزت دار ہے۔"

حسن آرا۔" یہ آپ ہی فرمائیے کہ غریب ہو کر عزت دار ہے۔"

---

[1] یعنی گالی کیا کسی جانور کا نام ہے جس کے سر میں سر سینگ ہوں۔ ع حیثیت۔

محمودہ "بیشک آپ کے نزدیک دولت ہی عزت ہے اور میرے نزدیک بلکہ خدا و رسول کے نزدیک دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک نیکی بڑی عزت ہے۔"

حسن آرا "بھلا میں بھی دیانت بیگم کی نیکیاں سنوں۔ کونسا لنگر تقسیم کرتی ہیں۔ کوئی سرائے مسافروں کے آرام دینے کو بنوا دی ہے، جنگل میں پیاسوں کے واسطے کوئی کنواں کھدوا دیا ہے، کسی بیوہ کی تنخواہ کر رکھی ہے، مسجد کے مسافروں کا کھانا مقرر ہے؟"

محمودہ "کیا بس یہی نیکیاں ہیں؟ یہ وہ نیکیاں ہیں جو دولتمندوں کے حصے میں ہیں۔ اب میں دیانت کی نیکیاں گنواؤں۔ دیکھیے اس قدر تو غریب ہے اور ماماگری کرتی ہیں مگر اتنی بڑی ایمان دار ہے کہ لاکھ کو خاک سمجھتی ہے چھ چپاتیاں صبح، چھ شام اس کو یہاں سے ملتی ہیں۔ پانچ کبھی چار آپ کھاتی اور ڈیڑھ ایک ضرور خدا کے نام مسجد میں دے آتی ہے۔ اس کی یہ ایک چپاتی آپ کے لنگر سے کہیں زیادہ ہے۔ دیکھیے یہ عمر ہے کہ ناکا تاگ نہیں سوجھتا، آپ جانتی ہیں کہ اب یہ بقچہ کھول کر کیوں بیٹھی ہیں؟ ہمسائی کے بچوں کے کپڑوں میں پیوند لگائیں گی۔ دونوں وقت مفت میں چھ سات گھروں کا سودا لادیا کرتی ہے۔ ہمسایوں میں کوئی بیمار ہو، خدا واسطے کو اپنے ہاتھوں قارورہ حکیم کے یہاں لیجانا عطار کی دوکان سے نسخہ بندھوانا، چھان بنا کر پلانا، اور دن میں دس دس مرتبہ جاکر پوچھنا، جھوٹ کبھی نہیں بولتی، چغلی کسی کی نہیں کھاتی، پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہیں

لے دیانت کو دیانت بیگم کہنا حسن آرا کی چھیڑ ہے۔ سے سوئی کا سوراخ سے چھوٹی سی گٹھڑی جس میں عورتیں سینے پرونے کا سامان رکھا کرتی ہیں

کہتی، کسی کے کام میں عذر نہیں، سب کو نیک صلاح نیک نصیحت، آپ اُس کو بے عزت سمجھیں۔ آپ کے بڑے حکیم صاحب جب تشریف لائے اور یہاں ملنے کو آئے ہمیشہ اس دیانت کو پوچھا اور بہت التفات کے ساتھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔"

حسن آرا "آہا تو دیانت بڑی نیک آدمی ہے۔"

محمودہ "بے شک فرشتہ آدمی ہے، اُستانی جی ماما کا اتنا ادب کرتی ہیں کہ کوئی ماں کا بھی نہ کرتا ہوگا۔"

حسن آرا "کیا سچ مچ دیانت کو میری بات بُری لگی ہوگی؟"

محمودہ "بات تو بُری لگنے ہی کی تھی۔ شاید اُس نے اپنی نیک مزاجی کی وجہ سے بُرا نہ مانا ہو۔" حسن آرا "بھلا پھر کیا ہوگا؟"

محمودہ "ہونا کیا تھا۔ کچھ اس بیچاری کے پاس لشکر ہے کہ آپ سے بدلہ لے گی۔"

حُسن آرا "اچھا اور کیا کریگی۔ بہت کریگی اماں جان سے جا کہے گی۔ سو میں اماں جان سے کچھ ڈرتی ڈراتی نہیں۔"

محمودہ "اس سے آپ اطمینان رکھئے کہ آپ کی اماں جان کیا، ماما کسی سے اس کا مذکور تک تو کرنے ہی کی نہیں۔ بڑے ضبط کی آدمی ہے۔"

حسن آرا۔ "پھر کیا خوف ہے۔ کہہ دیا کہہ دیا۔"

محمودہ "اے ہے یہی تو بڑا غضب ہے، اگر اس کا دل دُکھا ہے تو ایسا نہ ہو کہیں خدا کو بُرا لگا ہو۔ اُسکی مار بلا کی مار ہے، اُسکی لاٹھی میں آواز نہیں، دم کے دم میں جو چاہے کر گذرے، اچھے بھلے کو اندھا کوڑھی کر دے، بادشاہ سے بھیک منگوا دے۔

حسن آرا:" اچھی تو خدا کے لئے دیانت سے میرا قصور معاف کرا دو۔"

محمودہ:" میں خطا میں شریک نہ تھی تو اب معافی میں بھی شریک نہیں ہوں گی آپ ہی نے ناحق اُس کو بُرا کہا۔ آپ ہی اُس سے خطا معاف کرائیے۔"

حسن آرا:" اچھا ذرا دیانت الگ ہو تو کہوں گی۔"

محمودہ:" الگ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

حسن آرا:" ہاں۔ اب سب کے سامنے میں امیرزادی ہو کر ماما کے آگے ہاتھ جوڑوں۔"

محمودہ:" انصاف تو یہی ہے کہ سب کے سامنے اس کو ذلیل کیا تو سب کے سامنے ہی اس کو خوش بھی کیجئے۔ امیری آپ کے مغز میں ایسی سما رہی ہے کہ نہیں معلوم آپ اپنے تئیں کیا سمجھتی ہیں جب آپ کے منہ سے غرور کی بات میں سنتی ہوں لرز اٹھتی ہوں کہ دیکھئے خدا خیر کرے۔"

یہ سُن کر حسن آرا دوڑی دوڑی جا دیانت سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ دیانت کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبا آئے اور جھٹ اُس نے حسن آرا کو اُٹھا گلے سے لگا لیا اور ہزاروں دعائیں دیں۔ حسن آرا خطا معاف کرا کے پھر محمودہ کے پاس گئی:" لیجئے حضرت میں نے دیانت کو راضی کر لیا۔"

محمودہ:" بیگم صاحب سچ کہنا اب تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے۔"

حسن آرا:" میں دیکھتی ہوں کہ خطا کا اقرار کرنا کچھ بھی بے عزتی کا موجب نہیں میں نہ جانتی تو سدا کو دیانت سے آنکھ چھپتی ہی رہتی۔ آپ کے کہنے سے ایک کھٹکا سا ہو گیا تھا۔ اب تو دل میں ایک عجیب طرح کی خوشی پاتی ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی۔"

محمودہ :۔ اسمیں شک نہیں کہ بڑے حوصلے اور بڑی ریاست کی بات آپ نے کی۔ جو سنے گا خوش ہو گا اور تعریف کرے گا اور خدا کی درگاہ میں تو اس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت اسکی برابری نہیں کر سکتی۔ جتنی کتابیں آج تک میں نے پڑھی ہیں سب میں یہی لکھا ہے کہ دل آزادی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں اور دلجوئی سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ۔" محمودہ اور حسن آرا میں یہ باتیں بھی ہوا کیں اور کام بھی ہوتا رہا ادہر یہ گفتگو ختم ہوئی اُدہر کڑھائی اتری۔ ہر ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا لے بھرا چنگیر تو اللہ کے نام مسجد میں گیا۔ جو باقی رہا پہلے استانی جی کے آگے رکھا مگر استانی جی روزے سے تھیں، لڑکیوں سے کہا تم لوگ شوق سے کھاؤ پیو، غرض سب نے بلکر خوب کھایا۔

نیکی اور سچّی خیرات

سب کے برابر ایک حصہ دیانت کو بھی ملا تھا۔ دیانت پکوان گود میں لے دبے پاؤں باہر نکلی اور محمودہ نے دیکھ لیا اور چپکے چپکے حسن آرا سے کہا۔" بیگم صاحب لیجئے آیئے میں اپنے کہے کی تصدیق کرادوں ۔" اور حسن آرا کا ہاتھ پکڑ کھڑکی کی آڑ میں لیجا کر کھڑا کر دیا اتنے میں دیانت بھی ہمسائی کے گھر جا پہنچی۔ نام لے لے کر اُن کے سب بچّوں کو پیار سے بلایا اپنے پاس بٹھایا اور وہ پکوان جو یہاں ملا تھا ان کو اپنے ہاتھ سے کھلا دیا جب کھا چکے تو سب کا ہاتھ منہ دُھلا آپ چلنے کیواسطے اٹھیں اور چلتے چلتے سب پر تاکید کر آئیں کہ خبردار چکنائی پر کوئی پانی مت پی لینا۔ کھانسی ہو جائے گی ۔"

دیانت گھر آئی تو محمودہ نے پوچھا کیوں بی بی ماما پکوان کیسا تھا؟"
ماما: "سبحان اللہ! بڑے مزے کا مجھ کو تو بہت ہی بھایا" یہ سن کر محمودہ نے حسن آرا سے کہا دیکھا آپ نے کس درجے کی یہ عورت نیک ہے۔ کیسا ہی کوئی گیا گزرا ہو پھر بھی کڑھائی ہوئی، نئی چیز ہوئی، جی للچا ہی اٹھتا ہے خصوصاً بڈھیوں کو تو کھانے کا عضب کا ہوکا ہے۔ لیکن دیکھئے دیانت نے کتنا اپنے جی کو مارا ہے اور اس غریبی پر کیا استغنا ہے کہ آپ کا پکوان چکھا تک نہیں۔"
حسن آرا: "کیا دیانت اور ہمسائی سے کچھ رشتہ ناتا ہے؟"
محمودہ: "ہرگز نہیں۔ دیانت سیدانی ہے اور ہمسائی پٹھانی۔ اور یہ ہمسائی تو پانی پت کرنال کی طرف کی رہنے والی ہے۔ اکیلی آپ ہے اور یہاں کسی سے بھی رشتہ ناتا نہیں رشتے ناتے پر سلوک تو سبھی کوئی کرتا ہے، یہ بی دیانت ہی کا حوصلہ ہے کہ جان نہ پہچان اور دل و جان قربان۔ اور ذرا اس خیر خواہی کو دیکھئے کہ خبردار کوئی پانی نہ پی لینا۔ اور اس اخفا پر نظر کیجئے کہ کیسے دبے پاؤں گئی۔ اور میں نے پوچھا تو پکوان کی کیسی تعریف کی۔ کہ گویا آپ ہی کھایا ہے۔ سچی خیرات اس کو کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ دیں تو خدا کے نام اور اپنا نام و نمود چاہیں۔ بھلا لنگر بانٹنا اور ڈھول بجا کر دینا کیا ضرور ہے۔ دینا وہی ٹھیک ہے کہ کانوں کان خبر نہ ہو۔"
اتنے میں دیانت نے محمودہ سے کہا "صاحب زادی کڑھائی تو تل نکلیں وہ روپیہ جو تم نے مجھ کو دیا تھا اس میں کے کچھ پیسے بچے ہوئے میرے پلّے میں بندھے

۱؎ اللہ پاک ہے جملہ تعریف کے محل پر بولا جاتا ہے ۲؎ شدت کی حرص کو کہتے ہیں ۳؎ بے پروائی ۴؎ چھپانا ۵؎ مگر باوجود اس کے دیانت نے کوئی بات جھوٹ بھی نہیں کہی ۶؎ دکھاوا +

ہیں کہیں کھل کھلا پڑیں گے اس کا حساب کر لو تو بہتر ہے۔"

محمودہ:" یاد ہے کیا کیا چیز لائی ہو؟"

ماما:" چھ آنے کا گھی۔ دو پیسے کے تل، ڈیڑھ آنہ کا بیسن۔ تین آنہ کی کھانڈ ایک آنے کا دہی۔ دو آنے کا میدہ۔ بس یہی چیزیں تو اس روپے میں آئی ہیں۔"

محمودہ:" لو اکنیز فاطمہ۔ دیکھو تو ماما کے پلے میں آٹھ پیسے بندھے ہیں، کھول لاؤ۔"

کنیز فاطمہ نے پیسے لا محمودہ کے ہاتھ دیے۔

حسن آرا:" دیکھوں کے پیسے ہیں گنے تو آٹھ نکلے۔ تب تو حیران ہو کر محمودہ سے پوچھا۔ ابھی تم نے بے گنے کیونکر جان لیا تھا کہ آٹھ ہیں؟"

محمودہ:" حساب سے۔" حسن آرا:" حساب کیا؟"

محمودہ:" حساب یہ کہ روپے کے سولہ آنے اور آنے کے چار پیسے۔ جتنا خرچ ماما نے بتایا اس کو میں نے جوڑا تو چودہ آنے ہوئے۔ دو آنے باقی رہے جن کے چار دونی آٹھ پیسے ہوئے۔"

حسن آرا:" یہ تو عجیب چیز ہے۔ میں نے اپنے گھر میں تو ایسی بات کبھی نہیں سنی۔"

محمودہ:" عجیب اور بڑے کام کی چیز ہے، دنیا بھر کا لین دین، اُچاپت[1]، بیوپار سب حساب پر موقوف ہے۔ ممکن نہیں کہ آپ کے گھر حساب نہ ہوتا ہو۔ آپ کا گھر تو بڑا امیر گھر ہے، غریب سے غریب گھر میں بھی تھوڑا بہت حساب ضرور ہوتا ہے۔"

حسن آرا:" کیا یہ بھی کوئی پڑھنے کی چیز ہے؟"

محمودہ:" دنیا میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جو پڑھنے میں نہ ہو؟ مگر چھوٹا موٹا حساب

---

[1] بنئے سے آٹا وغیرہ ادھار منگوا لینے کو اچاپت کہتے ہیں۔

لوگ زبانی بھی سیکھ لیتے ہیں۔ بنیئے بقال حلوائی وغیرہ سب بقدر ضرورت حساب سے واقف ہوتے ہیں۔"

حسن آرا: "مکتب کی یہ لڑکیاں بھی حساب جانتی ہیں۔"

محمودہ: "بعض تو ان میں سے بہت جانتی ہیں مشکل مشکل باتیں نکال لیتی ہیں، جن کو ان پڑھ آدمی مہینوں کے سوچ بچار سے بھی نہ نکال سکے اور بعض جو مبتدی ہیں وہ بھی بازار والوں سے کہیں زیادہ جانتی ہیں۔ اگر فرمایئے تو میں آپ کے روبرو ان سے کچھ حساب کے سوالات پوچھوں، دیکھئے کیسے تڑ تڑ[1] جواب دیتی ہیں۔"

حسن آرا: "بہت خوب۔"

حساب کی دلچسپ باتیں

محمودہ: "کیوں کلثوم۔ نین اور سات اور نو مل کر کتنے ہوتے ہیں؟" کلثوم "انیس"، محمودہ: "اور بھلا آٹھ اور دو؟" کلثوم "دس۔"

محمودہ: "بھلا پچیس روپے میں سے آٹھ روپے خرچ ہو جائیں تو کے روپے بچے؟" کلثوم "سترہ"۔

محمودہ: "بھلا یہ تو بتاؤ کہ سوا سو کتنے روپے ہوتے ہیں؟" کلثوم: "سوا اور پچیس۔"

محمودہ: "بھلا پونے چار سو کتنے ہوتے ہیں؟" کلثوم "تین سو اور پچھتر یا پچیس کم چار سو۔"

محمودہ: "شاباش بوا شاباش جب جانیں ایک بات بتاؤ کہ آمنہ غدر میں سات برس کی تھی اور غدر کو اب چھ برس ہوئے تو آمنہ کی عمر اب کے برس کی

---

[1] جلد جلد۔

ہے؟" کلثوم:" تیرہ برس "
محمودہ:" ٹھیک۔ بہن ایک بات اور بتاؤ کہ آمنہ کا بھائی اُس سے چار برس بڑا ہے تو بھلا غدر سے کے برس پہلے ہوا تھا؟" کلثوم سوچ کر:" گیارہ برس "
محمودہ۔ اچھا زبیدہ تم کلثوم سے زیادہ پڑھی ہو۔ بھلا بتاؤ تو بارہ لڑکیاں اگر منہ دکھیا میں تین تین پیسے کا ساجھا ملائیں تو سب کے آنے ہونگے؟" زبیدہ:" نو آنے "
محمودہ:" ڈیڑھ سیر میوے ہیں اگر ۶ لڑکیوں کے برابر حصے لگائے جائیں تو ہر ایک لڑکی کو کتنا کتنا پہنچے گا؟" زبیدہ:" پاؤ پاؤ بھر "
محمودہ:" دو سو آم ہوں اور دس لڑکیاں تو کتنے کتنے؟" زبیدہ یہ تو بہت ہی صاف ہے بیس بیس "
حسن آرا:" یہ گلاب کا درخت جو انگنائی میں لگا ہے پندرہ پھول روز کے روز اس سے اترتے ہیں، مہینے بھر میں کتنے پھول ہونگے؟" زبیدہ ساڑھے چار سو۔ یعنی چار سو اور پچاس "
محمودہ:" کیوں صاحب سات آنے گز کے حساب سے سات گز ایک پاجامے کی دریس کے کیا دام ہوئے؟" زبیدہ:" سوچ کر تین روپیہ ایک آنہ "
محمودہ:" ڈوریئے کا آٹھ گز کا تھان تین روپے کو ٹھہرے تو کپڑا کیا گز پڑا؟" زبیدہ لکھ کر جوڑ لوں "
محمودہ:" نہیں صاحب زبانی سوچ کر کہو کچھ ایسا تو مشکل نہیں ہے "
زبیدہ:" تھوڑی دیر تامل کر کے " چھ آنے گز "
محمودہ:" بھلا ڈیڑھ آنے کا چھٹانک گھی تو آدھ سیر کتنے کا ہوا؟" زبیدہ ہتھیلی پر انگلیوں

سے کچھ لکھ کر "بارہ آنے گا"۔

محمودہ "گز میں کے گرہ"؟ زبیدہ "سولہ"[1]

محمودہ "اور من میں کے سیر؟" زبیدہ "چالیس"۔

محمودہ "خوب بہن خوب" اچھا بی رابعہ! تم تو تشریف لاؤ، بڑی حسابی ہو، بتاؤ تو نو گرہ عرض کی دریس ایک پاجامہ میں نو ہی گز لگتی ہے تو پورے گز بھر کا عرض ہو تو کتنی لگے گی؟" رابعہ "تختی پر لکھ لوں"۔

محمودہ "بہت اچھا لیکن جلدی جواب دو نہیں تو بزاز چلا جائیگا"۔

رابعہ "دو لمحہ بعد پانچ گز ایک گرہ"۔

محمودہ "بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ دالان جس میں ہم سب بیٹھے ہیں چھ گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ہے چاندنی میں کتنا مارکین خرچ ہوگا؟" رابعہ "اور مارکین کا عرض؟"

محمودہ "یہی معمولی گز بھر۔ زبیدہ "پورے پندرہ گز"۔

محمودہ "ایک سوال بتا دو تو تم کو بڑی شاباش دیں۔ یہ بڑی مسجد کا حوض چھ گز مربع ہے یعنی لمبان چوڑان برابر اور دو گز گہرا۔ اور ایک گز مربع میں تین تین مشک پانی آتا ہے اور ایک مشک میں پچیس لوٹے، اور ایک لوٹے میں پندرہ گلاس، اور ایک گلاس میں آدھ پاؤ پانی، تو سارے حوض میں کتنا پانی ہوا؟"

رابعہ "ڈیڑھ گھنٹہ بعد" "دو سو تین من پانچ سیر"۔

حسن آرا "اے ہے ان کمبخت جان ماروں کو کیسی کیسی باتیں آگئی ہیں لڑکیاں ہیں کہ بلا ہیں!"

---

[1] بیچ میں محمودہ نے یہ ایک ہنسی کی بات کہدی۔

محمودہ:" اس سے عجیب عجیب باتیں ان کو معلوم ہیں۔ میں نے آپ کے سمجھانے کو آسان آسان باتیں ان سے پوچھیں۔ کیوں ہاجرہ۔ جامع مسجد کے مینار بے گز بے رسی اور بے اوپر گئے ناپ سکتی ہو؟"

ہاجرہ:" بے شک مجھ کو وہ سایے کا حساب یاد ہے۔ کوئی دو مہینے کی بات ہو کہ ہماری کنبے سے ایک برات پلول گئی تھی، میں بھی ساتھ تھی۔ راہ میں قطب صاحب کی لاٹ کے پاس ناشتہ کرنے کو ٹھہری۔ مجھ کو تو اس قاعدہ کا بڑا اچنبھا تھا جھٹ میں نے ایک تنکا لے اور سایہ ناپ وہیں زمین پر حساب لگایا۔ ساتھ والیاں مجھ کو چھیڑنے لگیں کہ یہ دن دہاڑے کیا تنکے چننے لگیں[1]۔ بغرض میں نے وہ ناپ جو میرے حساب سے نکلی تھی یاد رکھی لوٹ کر گھر آئی تو صنادیدعجم[2] میں دیکھا۔ ٹھیک وہی لمبان تھی کوئی شاید دو گز کا بل تھا۔"

رابعہ:" اچھی بوا ہاجرہ سایے کا حساب مجھ کو بھی بتاؤ گی؟"

ہاجرہ:" اچھی۔ ایک بڑی آسان بات ہے۔ ایک تنکا لے کر اس کو ناپ لیا پھر دھوپ میں سیدھا کھڑا کر کے اُسکے سایے کو ناپ لیا، پھر لاٹ کے سائے کو ناپ ڈالا، تو اربعہ تناسبہ[3] کے قاعدے سے جو تم کو معلوم ہے لاٹ کی لمبان نکل آئے گی، اس طور پر کہ اتنے لمبے تنکے کا سایہ اس قدر لمبا پڑتا ہے، تو لاٹ جس کا سایہ اتنا لمبا ہو کتنی اونچی ہوگی۔" رابعہ تو اتنا اشارہ پاکر خوشی کے مارے اچھل پڑی لیکن حسن آرا تو اربعہ وغیرہ کچھ جانتی نہ تھی۔ وہ اس معمے[4] کو کیا سمجھتی۔ ہاجرہ کی طرف مخاطب ہو کر بولی

---

[1] کچھ خدانخواستہ باولی تو نہیں ہو گئی [2] صنادید عجم ایک کتاب ہے جسمیں دہلی اور اسکے آس پاس کی عمارتوں کا حال لکھا ہے [3] حساب کا ایک قاعدہ ہے جسمیں تین معلوم چیزوں میں کچھ عمل کر کے چوتھی نامعلوم چیز دریافت کر لیتے ہیں [4] پہیلی

"افوری جھوٹی! افوری لپاٹن! آپ خیر سے ابھی پورے چار ہاتھ کی بھی نہیں ہوئیں اور ہزاروں کوس کی اونچی لاٹ ناپنے چلیں۔ تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے"

محمودہ:- "ایں ایں بیگم صاحب آپ کا یہ کیا دستور ہے کہ باتوں ہی باتوں میں آپ ناحق بگڑ بیٹھتی ہیں؟"

حسن آرا:- "خدائے پاک کی قسم میں تو کچھ بھی نہیں بگڑی، نہ میں نے کچھ کہا"

محمودہ:- "یہ جلدی سے قسم کھا لینا اور غضب ہے"۔ حسن آرا:- "یوں بات کاٹنے پر آؤ تو بولنا ہی غضب ہے"

محمودہ:- "اگر ذرا آپ انصاف سے میری بات سنیں تو میں کچھ عرض کروں اور اگر بیجا ہو تو میں قائل ہو جاؤں گی"۔ حسن آرا:- "بھلا کچھ کہئے تو سہی"

قسم کھانے کی بُرائی

محمودہ:- "اوّل تو یہ بتائیے کہ آپ نے خدا کی قسم کیوں کھائی؟"

حسن آرا:- "تاکہ تم کو میرے کہے کا اعتبار رہو"

محمودہ:- "یہ آپکی سمجھ کا پھیر ہے جس کی بات کا اعتبار نہیں اس کی قسم کا لاکھ دفعہ اعتبار نہیں"

حسن آرا:- "خیر میں نے یوں ہی قسم کھائی تو بُرا کیا کیا؟"

محمودہ:- "بے شک بُرا کیا۔ خدا کو آپ نے لڑکیوں کی گڑیا بنایا ہے یا بچوں کا کھلونا قرار دیا ہے۔ آپ کو اس دو جہان کے مالک اور بادشاہ کا نام اس بے احتیاطی سے

لیتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔ یہ دیکھئے دنیا کی بے ایمانی کہ آدمی آدمی کا ادب کرے تو نام نہ لے، بھلا کوئی ماں باپ یا بڑے بھائی یا بڑی بہن یا کسی اور بزرگ کا بھی نام لیتا ہے۔ اور خدا کی یہ بے وقعتی اور بے وقری کہ بات بات میں اس کا نام لیا جائے جب میں کسی کو خدا کی قسم کھاتے سنتی ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حیران ہو کر منہ دیکھنے لگتی ہوں کہ کیونکر بے دھڑک یہ لفظ اسکی زبان سے نکلا۔"

حسن آرا: "خدا کا نام لینا منع ہوتا تو اذان اور نمازیں کیوں لیتے ہیں؟"

محمودہ: "عبادت میں نام لینا دوسری بات ہی اور خدا کے نام کو تکیہ کلام قرار دینا اور جا بجا بول اٹھنا بالکل خلاف ادب ہی۔"

حسن آرا: "لوگ تو بات بات میں واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔"

محمودہ: "جو بات بری ہے اگر دنیا بھر اُس کو کرنے لگے تو اچھی نہیں ہو سکتی اور اگر دنیا کے لوگوں کی مثال لیجئے تو اچھے دین دار اور نیک بندے بہت ہی کم ملیں گے۔ آپ ذرا اتنی بات پر غور کر لیجئے کہ خدا کی عظمت اور اسکی بڑائی اگر ہمارے دل میں ہی تو ممکن نہیں کہ اسکے نام پاک کے ساتھ ہم ایسی بے احتیاطی سے پیش آئیں۔ آدمی بال بال گنہگار ہے، اپنے تئیں دیکھے اور اُس خداوند عالیجاہ کی شان اور اُس کے تقدس پر نظر کرے۔" پاکیزگی

حسن آرا: "البتہ قسم کھانا تو بہت ہی بری بات ہے۔ توبہ تو پھر میرے منہ سے قسم نکلے تو بے شک میرے منہ پر طمانچہ کھینچ مارنا۔"

محمودہ: "ایسا کیوں ہونے لگا۔ آپ بھی آئندہ سے خیال رکھیں اور جو کبھی آپ کی ذہن سے بات اتر جائیگی تو میں یاد دلادوں گی۔"

ہمجولیوں میں پاسِ ادب

خیر یہ تو ہو چکا اب میں پوچھتی ہوں کہ آپ نے بیچاری زبیدہ کی دل شکنی کیوں کی؟"

حسن آرا: "بوا میں نے تو زبیدہ کو کچھ بھی نہیں کہا۔ تم ناحق بیچاری کو مجھ سے لڑواتی ہو۔"

محمودہ: "جھوٹی لپاٹن کہا اور کچھ بھی نہیں کہا! یہ وہی دیانت کی سی بات پھر آئی آپ نہیں جانتیں کہ جھوٹ بولنا بڑے عیب کی بات ہے اور بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں جھوٹ نہیں بولا کرتیں کسی کو جھوٹی کہہ دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو چوری لگا دینا۔"

حسن آرا: "بوا میں نے تو ہنسی ہنسی میں کہہ دیا تھا۔ آپس کی بے تکلفی میں ایسی بات بے ساختہ منہ سے نکل جاتی ہے۔ اگر رات دن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں سے ایسا تکلف کریں تو زندگی دشوار ہو جائے۔"

محمودہ: "یہ تو کچھ ہنسی اور بے تکلفی کی بات نہیں، بلکہ لڑائی اور بگاڑ کی بات ہے۔ اگر ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں میں ایسی باتوں کا لحاظ نہ رہے گا تو پھر عادت بڑھ جائے گی اور شاید یہی سبب ہوا ہو کہ آپ اس دن دیانت کے ساتھ ایسی بے تکلفی کر بیٹھیں۔"

حسن آرا: "بھلا میرا ہی قصور تھا یا زبیدہ کا بھی تھا کہ وہ زمین اور آسمان کے قلابے ملانے چلی تھی۔"

محمودہ: "زبیدہ بے چاری کی تو کچھ بھی خطا نہ تھی۔ وہ تو ایک واہی بات کہہ رہی تھی۔"

حسن آرا: "واہی؟ اگر یہی واہی ہے تو ایسی واہی کو سلام ہے۔"

---

[1] بلا قصد۔ بے ارادہ [2] زمین و آسمان کے قلابے ملانا بے تک بے جوڑ اَن ہونی بات کہنا۔

محمودہ "آپ نے ابھی کچھ پڑھا نہیں۔ آپ کو دنیا جہان کی خبر ہو تو کیوں کر ہو۔ آپ کے نزدیک تو زبیدہ کی بات غیر واجبی ہونی ہی چاہیے، مگر جب زبیدہ کو آپ نے چھوٹی لپاٹن کہا نہیں معلوم مجھ کو کیا خطاب ملے۔ اس ڈر کے مارے کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

حسن آرا "برائے خدا جو کچھ جی میں ہے کہہ ڈالئے، میں ہرگز بُرا نہ مانوں گی۔"

محمودہ "بیگم صاحب۔ امیر زادی ہونا اور بات ہے اور علم و عقل دوسری بات ہے۔ آپ اتنا تو جانتی ہیں نہیں کہ کوس کس جانور کا نام ہے۔"

حسن آرا "کیوں؟ میں تو کوس کو خاصی طرح جانتی ہوں۔ بتا جلوں[1] قدم شریف ایک۔ ہمایوں[2] کی بھول بھلیاں تین کوس۔ قطب صاحب سات کوس۔ اور آپ کبھی گئی ہیں، میرٹھ پچیس کوس، پانی پت چار منزل۔ میں تو بڑی بڑی دور ہو آئی ہوں۔"

محمودہ "درست۔ تب ہی قطب صاحب کی لاٹ کو آپ نے ہزاروں کوس کی لمبی بتایا۔"

حسن آرا "کیوں ہزاروں کوس کی لمبی نہیں ہے؟ کبھی آپ نے نیچے کھڑے ہو کر بھی لاٹ کو دیکھا ہے۔ لقا کبوتر کی طرح آدمی اُلٹا ہی تو گر پڑتا ہے۔ کبھی اوپر جانے کا اتفاق ہوا ہے؟ اچھے مردوں کا دم ہی تو چڑھ جاتا ہے۔"

محمودہ "کیا ضرور ہے کہ اوپر اگر جانے میں اچھے مردوں کا دم چڑھ جائے تو لاٹ

---

[1] دلی کے باہر چھوٹی سی بستی ہے وہاں پیغمبر صاحب کے قدم کا نشان رکھا ہوا ہے۔ [2] ہمایوں بادشاہ کے مقبرے میں بھول بھلیاں بنی ہیں کہ آدمی اسمیں جا کر بھول جاتا ہے کہ کدھر سے آیا تھا۔

ہزاروں کوس لمبی ہو؟"
حسن آرا "بہن تو اس سے قیاس کرتی ہوں کہ ضرور ہزاروں کوس کی لمبی ہوگی سنا ہو کہ بعضے مرد وے پندرہ پندرہ بیس بیس کوس چل جانا کچھ بات نہیں سمجھتے اور لاٹ پر چڑھنے میں ہانپنے لگتے ہیں اور دم پھول جاتا ہی، تو ضرور لاٹ کچھ بہت ہی اونچی ہوگی"، محمود "اس کا سبب میں آپ کو سمجھاؤں"

زمین کی کشش[1]

"جتنی چیزیں ہیں سب کو زمین اپنی طرف کھینچتی ہی - جو چیز اوپر کو پھینکتے ہیں کچھ دور تک تو پھینکنے والے کے زور اور زبردستی سے اوپر کو چلی جاتی ہے، پھر آخر کو زمین کی کشش اس کو نیچے کھینچ لاتی ہی - پتھر کو اوپر پھینکو اور دیکھتی رہو تو ایسا معلوم ہوگا - کہ جوں جوں اوپر جاتا ہی اسکی چال سست اور دھیمی ہوتی جاتی ہی اور پھر جو الٹتا ہی تو تیر کی طرح زمین کی طرف دوڑتا ہی - اس سے صاف ثابت ہی کہ چیزیں زمین کی کشش کے مارے اوپر کو نہیں جانا چاہتیں - اور جاتی بھی ہیں تو بڑی زبردستی اور مشکل سے - اسی طرح جب آدمی لاٹ کے اوپر جانے لگا تو اس کے بدن کا بوجھ اس کو روکتا ہی اور یہ زبردستی تمام اپنا بوجھ اچکا اچکا کر اوپر کی طرف لئے جاتا ہی - اسی واسطے اوپر جانے میں بڑا زور پڑتا ہی اور آدمی جلدی تھک جاتا ہی - پھر جو اوپر سے نیچے اترنے لگتا ہی تو دیکھو کیسے وہم وہم جلدی جلدی نیچے اتر آتا ہی، کیونکہ ایک تو خود اسکا

---

[1] آئزک نیوٹن ایک بڑا دانشمند انگریز ہو گزرا ہو اُس نے علم کے زور سے پہلے ہی پہل اس بات کو دریافت کیا۔

اپنا زور دوسرے بدن کے بوجھ کے جھکاؤ ۔ دُہرا ابل ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی ہمارا بالاخانہ کچھ ایسا بہت تو اُونچا نہیں صرف اٹھارہ سیڑھیاں ہیں، پھر بھی جس کو عادت نہیں اس کو چڑھنا کتنا مشکل پڑتا ہے۔ اماں جان جب کبھی ضرور تاً اوپر جاتی ہیں تو کوٹھے پر پہنچتے ہی دم لینے کو بیٹھ جاتی ہیں اور کہا کرتی ہیں لے ہی کوٹھا ہے کہ ایک آفت ہے۔ ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں مگر اترنے میں ہرگز یہ دقت نہیں ہوتی۔ غرضکہ لاٹ کے اوپر جانے میں دم کا چڑھ جانا اسکی ہزاروں کوس کی بلندی کی دلیل نہیں ہو سکتا جیسا کہ آپ نے کہا۔"

حسن آرا: "خوب صاحب خوب! یہ تو آج ہی نے بالکل ایک نئی بات سنی کہ زمین چیزوں کو کھینچتی ہے۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ لڑکے جو کنکوے لڑاتے ہیں یہ خود بخود زمین سے کیوں دور ہوتے جاتے ہیں؟ ایک مرتبہ احمد[1] نے تکل کو ایسا بڑھایا کہ آسمان میں ملا دیا تھا۔"

محمودہ: "کنکوا ہو یا تکل، زمین کی کشش سب پر اثر کرتی ہے اور اگر پتنگ کو بڑھا کر رہنے دیا جائے تو گو ہوا کے جھکولوں سے دیر میں گرے مگر گریگا ضرور۔"

وزن مخصوص

اُس میں بھید یہ ہے کہ کوئی چیز ہلکی ہے کوئی بھاری جتنی ہلکی چیزیں ہیں خود بخود اُوپر آجاتی ہیں۔ مثلاً گلاس میں اول تیل ڈال دیجئے۔ اسکے اُوپر پانی تو چونکہ تیل پانی کی نسبت ہلکا ہے خود بخود اُوپر آجائے گا۔ یا ایک طسلے میں جھاڑو

---

[1] حسن آرا کے چھوٹے بھائی کا نام ہے۔

کے تنکے رکھ کر اس کو پانی سے بھر دیجئے تنکے آپ سے آپ اوپر آ جائینگے۔ اور اُسی بنیاد پر دریاؤں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں کیونکہ لکڑی پانی کی نسبت ہلکی ہوتی ہے اور اس کے نیچے بیٹھ نہیں سکتی بلکہ اُس کو پانی کے نیچے رہنے سے اتنی نفرت ہے کہ تھوڑا بوجھ بھی ہو تاہم وہ اُس کو سہارے رہتی ہے۔"

حسن آرا: "کشتیاں ڈوب بھی جاتی ہیں۔"

محمودہ: "جب بے اندازہ بوجھ لاد دیتے ہیں تو ناؤ ڈوبا ہی چاہیئے۔ مگر لکڑی اپنی ذات سے کبھی پانی کے نیچے نہیں ٹھہر سکتی۔ بوجھ سے پانی کی تہ میں بیٹھ گئی تو کیا ہوا؟ بوجھ الگ ہوا اور لکڑی تیر کر اوپر آئی۔ غرض کہ کنکوا ایسے پتلے کاغذ کا بناتے ہیں کہ اگر گولی بنا کر اس کاغذ کو تولیں تو ایک یا دو ماشہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ مگر اتنا پھیلا دیتے ہیں کہ ڈاک کا کاغذ جس پر خط لکھتے ہیں آدھا دستہ یعنی بارہ تختے مشکل سے ایک تولے کے ہوتے ہیں۔ بس ایک تختہ کاغذ نے گز بھر تو جگہ گھیر لی مگر اتنی جگہ میں جو ہوا بھری ہے اگر تختے کے وزن کو اس پر تقسیم کر کے دیکھو تو سیر بھر ہوا پر کوئی خشخاش کے دانے سے بھی کم بوجھ ہوا۔ لیکن تختے کی گولی بنا لو تو کاغذ کا سارا بوجھ اکٹھا ہو گیا اور گولی کی کیا بساط، اتنی جگہ میں ہوا کتنی۔ اس سبب سے کنکوا اوپر جاتا ہے اور اُسی کے برابر گولی نیچے گر پڑتی ہے۔ دانش مندوں نے زمین کی کشش پر جو بہت غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ فاصلے اور جسامت پر اس کا مدار ہے۔ یعنی چیز جتنی ٹھس ہوگی اُسی قدر اس پر زمین کی کشش بہت ہوگی۔ اور جتنی زمین سے پاس ہوگی اُس پر کشش کا اثر زیادہ ہوگا۔ کوٹھے پر سے اگر ایک پتھر نیچے کو لڑھکا دو تو جتنا وہ زمین

سے قریب ہوتا جائیگا اسکی رفتار تیز ہوتی جائے گی۔ اسی طرح ایک پیسہ اور پیسہ بھر

کاغذ کی گولی باندھ کر ایک ساتھ دونوں کو اوپر سے گراؤ تو ظاہر میں کاغذ کی گولی پیسے کی نسبت قد و قامت میں بڑی ہوگی مگر چونکہ ٹھس نہیں ہے پیسہ ہمیشہ پہلے ہی گرے گا۔ دھواں بھی اسی قاعدے کے مطابق ہمیشہ اوپر کو جاتا ہے، اس واسطے لکڑی وغیرہ کے اجزائے لطیف جو آگ کی گرمی کے سبب سے باہر نکلتے ہیں ان ہی کا نام دھواں ہے اور چونکہ ہوا سے ہلکے ہوتے ہیں اس واسطے اوپر کو چڑھتے ہیں۔"

حسن آرا: کیا ہی خوب بات آپ نے مجھ کو بتائی! مگر آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہوا کو بھی وزنی سمجھتی ہیں۔"

محمودہ۔ضرور اور بیشک ہوا میں بھی بوجھ ہے۔"

ہوا کا داب

حسن آرا: "ہوا نگوڑی بالکل پھول ہے، اس میں بوجھ کہاں سے آیا۔"

محمودہ: "اس میں تو اتنا بوجھ ہے کہ تم سنو تو حیران ہو جاؤ۔ روپیہ بھر جگہ میں پانچ سیر سے کم ہوا کا بوجھ نہیں ہوتا۔ اس حساب سے تمہارے بدن پر کئی ہزار من کا بوجھ ہوگا۔"

حسن آرا: اے ہے نوج۔ خدا نہ کرے کہ اتنا بوجھ ہو میرا تو دب کر بھرکس ہو جائے گا۔"

محمودہ: "یہ بات غلط نہیں ہے۔ عقلمندوں نے ہوا کو تولا ہے اور تول کر دریافت کیا ہے۔"

حسن آرا: "جو بات آپ کہتی ہیں ایسی ہی کہتی ہیں کہ کسی کی عقل میں نہ سما سکے۔"

محمودہ: "البتہ بے علم لوگوں کی عقل میں یہ باتیں نہیں آسکتیں۔ مگر یہ انکی عقل کا

قصور ہے۔"

حسن آرا۔"بھلا ہوا بھی کسی کے تولے تولی جاتی ہے۔"

محمودہ۔"اس کی تدبیر سنئے کہ ایک خالی بوتل لی اور اس کو تولا۔ وہ بوتل خالی تو ہے مگر پھر بھی اسمیں ہوا ہے۔ اس تولنے سے جو وزن ٹھہرا بہت بوجھ تو اس میں بوتل کا ہے اور کچھ یونہی سا ہوا کا۔ پھر بوتل سے ہوا نکال کر تولا تو دیکھا کہ وزن گھٹ گیا۔ آخر اسکا سبب کیا ہے؟"

حسن آرا۔"بوتل سے ہوا کیونکر نکالی جائے۔"

محمودہ۔"ہوا کے نکالنے کی ایک کل ہوتی ہے جس کو پمپ کہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے چاہو تو پلک کے پھر۔۔۔ میں سارے مکان کو ہوا سے خالی کر دو۔ اور یوں بوتل کی ہوا تو منہ سے بھی چوس لی جاسکتی ہے مگر شرط یہ ہو کہ بوتل کے منہ سے منہ نہ ہٹنے پاوے۔"

حسن آرا۔"تو بوتل کو تو لیں کیسے اور ہمیں کیونکر یقین آئے کہ بوتل میں ہوا نہیں رہی؟"

محمودہ۔"یقین کرا دینا تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ اچھا ایک بوتل کو لبالب پانی سے بھر دو۔ اب تو بوتل میں ہوا نہیں یا ابھی ہے؟"

حسن آرا۔"میں تو سمجھتی ہوں کہ ہوا نہیں۔" محمودہ۔"اب کیوں؟" حسن آرا۔"یہ تو خبر نہیں۔"

محمودہ۔"اس کا سبب میں بتاؤں کہ ہوا پانی سے ہوتی ہے ہلکی، جوں جوں پانی بوتل میں بھرتا گیا ہوا نکلتی گئی۔ خیر بوتل کو لبالب پانی سے بھر کر اوپر سے اچھی طرح بچی کر کے ڈاٹ لگا دو۔ پھر ایک پتیلی میں پانی بھر کر بوتل کو اس میں الٹی کھڑی کر دو اور اندر ہی اندر ڈاٹ نکال لو۔ بوتل کے پیندے کی طرف سے پانی نیچے اتر کر کچھ

جگہ خالی ہو جائے گی۔ اب اس جگہ میں یقیناً ہوا نہیں۔ کیونکہ ہم نے کسی طرف سے ہوا کو اندر جانے کا رستہ نہیں دیا۔ یا اتنا بکھیڑا بھی کیوں کرو۔ ربڑ کا پھکنا جس سے لڑکے کھیلا کرتے ہیں پہلے اسکو توس موس کر تول لیا۔ اب تو اس میں ہوا نہیں پھر پھونک کر ہوا بھر دی۔ جب خوب تن گیا تو سرا باندھ دیا اور پھر تولا۔ ضرور تول میں کچھ فرق ہوگا۔ اور اچھا کانٹا ہوگا تو صاف معلوم ہو جائیگا جب چاہو آزما لو۔"

حسن آرا۔ "مگر ہوا کا جتنا بوجھ آپ بتاتی ہیں وہ تو بالکل خلاف قیاس ہے۔"

محمودہ۔ "ہوا کا بوجھ جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا اس کا بھی سبب ہے وہ یہ کہ ہر جگہ اور ہر چیز میں ہوا ہے۔ اندر کی ہوا باہر کی ہوا کی روک کرتی ہے۔ اگر باہر ہوا نہو تو بدن پھٹ پڑے۔ اور بعض دفعہ لوگ جو غباروں میں بہت اونچے چڑھ گئے ہیں ان کو بخوبی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کیونکہ زمین کے آس پاس جو ہوا ہے وہ بہت وزنی ہے اور جسقدر اوپر چڑھتے جاؤ ہوا ہلکی ہوتی جاتی ہے۔ یہ بات تم کو میں ایک بہت موٹی مثال میں سمجھا دوں۔ اگر روئی کا بڑا انبار لگا دیا جائے تو اوپر کی روئی ضرور ہلکی ہوگی اور نیچے کی دب کر ٹھس ہو جائیگی۔ بعینہ یہی حال ہوا کا ہے۔ ہم لوگ زمین پر رہتے ہیں جیسی ٹھس ہوا ہمارے اوپر اور آس پاس ہے ویسی ہی ہمارے بدن میں بھی بھری ہوئی ہے اور باہر کی ہوا کا دباؤ اور اندر کی ہوا کا زور برابر ہے۔ جب بہت اونچے جاؤ تو اندر وہی ٹھس ہوا ہے مگر باہر کی ہوا ہلکی ہے جس کا دباؤ اندر کی ہوا کے زور کی نسبت بہت کم ہے اسی وجہ سے بدن پھٹنے لگتا ہے۔ تاکہ تم اس بات کو بخوبی سمجھ لو۔ میں دو مثالیں اور بیان کرتی ہوں۔ یہ تو مانتی ہو کہ پانی وزنی چیز ہے یا اس میں بھی کچھ کلام ہے؟"

حسن آرا: "پانی کے وزنی ہونے میں کس کو کلام ہے؟ مجھ سے دھیلے والی ٹھلیا بھی نہ اُٹھائی جائے" محمودہ "خیر کبھی حوض میں نہائی ہو؟"

حسن آرا: "سینکڑوں دفعہ۔ ہمارے گھر خود زنان خانے میں بڑا لمبا چوڑا حوض ہے لوہے کا جال پڑا ہے۔ رنگ رنگ کی مچھلیاں پلی ہیں"

محمودہ "پانی کے اندر کچھ پانی کا بوجھ بدن پر معلوم ہوتا ہے"

حسن آرا: "نہیں تو" محمودہ "کیا سبب؟" حسن آرا: "کچھ سمجھ میں نہیں آتا"

محمودہ "سبب یہ ہے کہ اوپر کا پانی داب کرتا ہے اور نیچے کا پانی اوپر کو اُچھالتا ہے اس واسطے کہ آدمی کا بدن پانی سے ہلکا ہے۔ بس اوپر کا داب اور نیچے کا اُچھال برابر سرابر کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ اسی پر ہوا کو قیاس کر لو۔ اور دوسری مثال یہ ہے کہ آئینہ تو بڑی نازک چیز ہے۔ اُستانی جی کے سنگار دان کا آئینہ دیکھا ہے؟"

حسن آرا "وہی نا جس کے بیچوں بیچ باریک سی دراڑ پڑی ہے"

محمودہ "ہاں وہ دراڑ مجھ ہی سے پڑ گئی ہے۔ میں ایک دن سر میں کنگھی کر رہی تھی، بال کی لٹ جو اُلجھی میں جھٹک کر لگی سلجھانے۔ کنگھی ہاتھ سے چھوٹ تڑ دیسی آئینہ میں جا لگی۔ دیکھوں تو آئینے میں بال آگیا اور بھلا اُسی آئینے پر تم کھڑی ہو جاؤ اور خبر نہ ہو"

حسن آرا: "عجب ہے" محمودہ "الماری کھول آئینہ نکال لائی اور برابر جگہ میں رکھ حسن آرا سے کہا کہ "لو اس پر بسم اللہ کر کے دونوں پاؤں سے کھڑی تو ہو جاؤ"

حسن آرا: "نہ بوا۔ کہیں ٹوٹ ٹاٹ جائے تو آئینہ کا آئینہ غارت ہو، اُستانی جی خفا ہوں اور کہیں خدا نہ کرے پاؤں میں کرچ لگ جائے تو اور آفت"

محمودہ "احتیاط کی بات تو یہی ہو مگر اس وقت علم کا ایک مسئلہ حل ہوتا ہو۔ لاؤ میں ہی سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہو جاؤں"، یہ کہہ کر بے تکلف آئینے پر جا کھڑی ہوئی اور آئینے پر ذرا آنچ نہ آئی۔ حسن آرا تو دیکھ کر حیران رہ گئی اور بار بار آئینے کو ہاتھ میں اُٹھا اُٹھا کر غور سے دیکھا کی۔

محمودہ "خوب دیکھ لیجیے۔ ٹوٹنا کیسا بال تک بھی نہیں آیا اور کیوں آنے لگا تھا جیسا اوپر سے میرا بوجھ ویسا ہی نیچے سے زمین کا سہارا آئینے پر گزند کیا تھا۔

حسن آرا "اب تو مجھ کو بھی یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کہ زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے"

کششِ اتّصال

محمودہ "زمین پر کیا منحصر ہو، کل چیزیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں"

حسن آرا "زمین کا کھینچنا تو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پھینکو زمین پر گرتی ہو مگر یہ کیونکر دریافت ہوا کہ کل چیزیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں؟"

محمودہ "کئی باتوں سے اسکی شناخت ہوتی ہو۔ اول تو یہ کہ پانی میں اُنگلی ڈبوؤ تو پانی کی بوند انگلی کے سرے میں لٹکتی رہتی ہے، اگر انگلی کی کشش نہیں ہی تو بوند گر کیوں نہیں پڑتی۔ اس کے سوائے ایک اولا تھوڑے پانی میں ڈالیے تو دیکھیے گا کہ پانی نیچے سے اولے کے اوپر تک پیوستہ ہو جاتا ہی۔ اگر اولا پانی کو نہیں کھینچتا تو پانی اُلٹا کیوں چڑھتا ہی۔ ایک بات اور بتاؤں کہ کوٹھے پر چلیے اور میں کچی سوت

ے یہ ایک مثل ہو ایسے مقام پر بولتے ہیں کہ بڑا آدمی بچوں کی سی حرکت کرے۔ ے زد۔ ضرب۔

کا ایک باریک سا دھاگا لٹکاؤں اور اس کو تانے رہوں چاہئے کہ سیدھا رہے مگر دیوار کی کشش سے ضرور نیچ لچکا ہوا معلوم ہوگا۔ غرضکہ کشش کی قوت خدا تعالیٰ نے ہر چیز میں پیدا کی ہے اور اس خاصیت پر غور کرتے کرتے دانشمندان فرنگ نے ہزاروں باتیں ایسی عجیب عجیب نکالیں کہ جن کے پڑھنے سے عقل کو تیزی اور

حسن آرا۔ "بھلا اگر سب چیزیں ایک دوسرے کو کھینچ رہی ہیں تو سب مل جلکر ایک ڈھیر کیوں نہیں بن جاتیں۔"

محمودہ۔ "کھینچ تو رہی ہیں مگر وہ کشش ایسی زور کی نہیں ہے جیسی مقناطیس میں ہوتی ہے۔"

مقناطیس

حسن آرا۔ "مقناطیس کیا؟" محمودہ۔ "کیا تم مقناطیس بھی نہیں جانتیں؟ مقناطیس ایک قسم کا لوہا ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس کو غلطی سے پتھر جانتے ہیں اور چنبک پتھر کہتے ہیں۔ خدا نے تعالیٰ نے اس لوہے میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ دوسرے لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس سے بڑھکر ایک اور عمدہ اور مفید خاصیت اس میں یہ ہے کہ اگر مقناطیسی لوہے کی سوئی بنائی جائے تو ایک سرا اس سوئی کا ہمیشہ اتر کو رہیگا اور دوسرا دکھن کو۔"

حسن آرا۔ "یہ سب باتیں آپ سنی ہوئی کہتی ہیں یا دیکھی ہوئی؟"

محمودہ۔ "اپنی آنکھوں دیکھی اور اپنے ہاتھوں آزمائی ہوئی۔ بوا آمنہ وہ تمہاری لوہے کی مچھلی کہاں ہے جو پانی میں تیرتی ہے اور بچے کو لینے دوڑتی ہے۔"

آمنہ: یہ ہے تو سہی ، میرے جزدان میں ہے۔ نکال لاؤں ؟ " آمنہ دوڑی دوڑی جا وہ مچھلی اور بچّہ نکال لائی اور محمودہ نے مچھلی حسن آرا کے ہاتھ میں دی کہ آپ اس کو بخوبی غور سے دیکھ لیجئے نہ کہیں تار ہے نہ کوئی کل لگی ہے " حسن آرا نے مچھلی کو اوپر تلے سے خوب دیکھا۔ پھر آمنہ نے کہا " اب مچھلی کو الگ رکھ دو لو اس کے بچّے کو دیکھو "

حسن آرا: " ابھی مچھلی کو الگ کیوں رکھ دوں ؟ "

آمنہ: " لو[1] بچّہ ماں کو دیکھے گا تو پیار کے مارے ماں سے لپٹ جائے گا اور پھر چھڑانا چاہو گی تو رونے لگے گا "

محمودہ: " اچھا آمنہ اماں کو اس کے تیرنے کی سیر تو دکھاؤ " آمنہ۔ چینی کے ایک پیالہ میں پانی بھر لائی اور مچھلی کو پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ مزے میں تیرنے لگی جب اسکا بچہ دکھاتی وہ اسکی طرف دوڑتی۔ حسن آرا کی عقل دنگ تھی کہ کیا ماجرا ہے اور بار بار پوچھتی " بھی اس میں ہے کیا ؟ " محمودہ " کچھ بھی نہیں ، مچھلی لوہے کی ہے اور بچہ مقناطیس کا ہے جب بچے کو پاس لائے دوڑی آئی۔ ابھی دونوں کو ملا دو ایک دوسرے کو جمٹ جائیں گے "

حسن آرا: " یہ تو بڑے اچنبھے کی چیز ہے "

محمودہ: " اب دوسرا اچنبھا دیکھئے۔ ہاجرہ۔ دیکھنا بوا وہ کھونٹی میں سامنے استانی جی کی تسبیح[2] لٹک رہی ہے۔ ابھی ذرا تمہارا ہاتھ لمبا ہے اتار تو لینا " ہاجرہ تسبیح اتار لائی۔

---

[1] آمنہ نے یہ ایک بات ہنسی کے طور پر کہی تھی مگر تھی سچی [2] کسی قسم کے منکے ایک دھاگے میں پرو کر ان پر خدا کا نام پڑھتے ہیں اس کو تسبیح کہتے ہیں

امام[1] کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیری[2] کا عطردان تھا اسی میں قبلہ نما لگا تھا محمودہ نے ڈبیا کھول حسن آرا کو دکھایا کہ دیکھیے لال مرغ جو آپ دیکھتی ہیں اس کا یہ خاصہ ہے کہ پچھم کو منہ پورب کو دم اور داہنا بازو اُتر کو اور بایاں دکھن کو رکھتا ہو جب چاہیے اس کا رخ پھیر دیجیے۔ حسن آرا نے بہتیرا ڈبیا کو گھمایا، الٹا سیدھا کیا۔ اصیل مرغے کی ایک ٹانگ جب ذرا ڈبیا سیدھی ہوئی مرغا جھٹ پچھم کو منہ پھیر کھڑا ہو گیا۔

حسن آرا۔ "اسے ہی کمبخت کیسا ضدی مرغا ہے کسی ڈھب ماننا ہی نہیں، موئے کے حلق پر چھری پھیر دو۔ کیوں بوا محمودہ بیگم۔ آخر یہ سب کھلونے ہی ہیں۔"

محمودہ۔ "وہ مچھلی تو کھلونا ہے مگر قبلہ نما[3] کھلونا نہیں ہے، بڑے کام کی چیز ہے جنگل ہو، نئی جگہ ہو۔ رات ہو، برسات ہو، اس کے ذریعے سے سمت معلوم ہو جاتی ہے۔ سمندر میں جب جہاز چلتے ہیں تو چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ نہ سڑک، نہ راہ، نہ کوئی درخت، نہ پہاڑ۔ کچھ معلوم نہیں ہوتا کدھر جاتے ہیں کہاں ہیں۔ تو اگلے زمانہ میں ناخدا[4] ستاروں کی شناخت سے کام نکالتے تھے۔ لیکن جب کبھی رات کو بادل ہوا تارے نظر نہ آتے، بڑی دقت ہوتی تھی جہاز سینکڑوں کوس کہیں سے کہیں چلے جاتے تھے اور آخر تباہ ہو جاتے تھے جب سے مقناطیس کا خاصہ دریافت ہوا۔ بڑا اطمینان ہو گیا ہے۔ ہے تو ذرا سی سوئی مگر لاکھوں روپے کا کام دیتی ہے، کروڑوں روپے کا کام دیتی ہے، کروڑوں روپے کا مال

---

[1] تسبیح کے دانوں میں اگلا اور سرے کا لمبا دانہ امام ہوتا ہے [2] کچے آم کی شکل کا بنا ہوا [3] جدھر کو منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس کو قبلہ کہتے ہیں قبلہ نما قبلہ کی سمت بتلانے والا [4] ملاح۔

تجارت[1] جو سمندر کی راہ انگریزوں کی ولایت سے آنا جانا ہے اس سوئی کی بدولت ڈوبنے سے بچتا اور لاکھوں آدمی جو سمندر پر سفر کرتے ہیں، بےخوف و خطر آتے جاتے ہیں ہاں تو زمین کا چیزوں کو کھینچنا یا چیزوں کا آپس میں ایک دوسرے کو کھینچنا ایسے زور سے نہیں ہوتا جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔

زمین گول ہے اور آفتاب کے گرد گھومتی ہے

مگر کیا خدا کی قدرت ہے کہ اسی کشش کی وجہ سے زمین گیند کی طرح لڑھکیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے۔"

حسن آرا:" زمین گیند کی طرح لڑھکیاں کھاتی ہوئی اور آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے؟"

محمودہ:" جی ہاں، گیند کی طرح لڑھکیاں کھاتی ہوئی اور آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے۔"

حسن آرا:" تم لگیں غضب ڈھانے اور دنیا جہان اندھا بنانے۔"

محمودہ:" کیوں؟ کیا غلط کہتی ہوں؟" حسن آرا:" اب کہوں گی تو برا مانو گی، ایک زبان کا ڈنڈا خدا نے حوالے کر دیا ہے۔ چاہو زمین کو گیند بناؤ، لڑھکاؤ، گھماؤ، جو چاہو سو کرو۔ اور جو کہیں سچ مچ زمین گیند بن کر لڑھکنے لگے تو ایک ہی پلٹے میں بیوی صاحب کا جھوٹ سچ سب نکل جائے۔"

محمودہ:" بھلا اگر زمین کا گول ہونا اور لڑھکنا اور آفتاب کے گرد چکر کھانا ثابت ہو جائے تب تو مانیے گا؟"

حسن آرا:" میں تو کچھ باولی نہیں ہوئی۔ تمام زمانہ اس کا قائل ہو جائے تو بندی

---

[1] سوداگری۔

ملنے والی نہیں۔ مجھ سے تو آنکھوں پر ٹھیکری نہیں رکھی جاتی۔ صریحًا دیکھ رہی ہوں کہ اچھی خاصی طرح زمین چوڑی چکلی نظر آرہی ہے، پھر ناحق کیوں کر گول سمجھ لوں ؟"

محمودہ"۔ بس اسی واسطے آپ زمین کو گول نہیں سمجھتیں؟ کہ آنکھ سے چوڑی چکلی نظر آتی ہے ؟"

حسن آرا"۔ دنیا میں آنکھوں دیکھی بات کا سب سے بڑھ کر اعتبار ہے، مگر آپ اس کو بھی جھٹلا دیجئے۔ دو چار باتوں میں آپ نے مجھ کو قائل کر دیا تو کیا اب مجھ کو ایسی بے وقوف بنا لیا ہے کہ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتی"۔

محمودہ"۔ بھلا اگر آنکھ غلطی کرتی ہو؟" حسن آرا"۔ میری یا سب کی؟" محمودہ"۔ سب کی"

حسن آرا"۔ ہاں تو مجھ کو اُس سرمہ کا نسخہ نہیں معلوم کہ لگاتے ہی زمین گول نظر آنے لگے"۔

محمودہ"۔ وہ نسخہ میں آپ کو بتاؤں گی۔ بُوا زبیدہ۔ ذرا وہ خوردبین[1] شیشہ نواستانی جی سے میرا نام لے کر مانگ لاؤ۔ دیکھنا ذرا سنبھال کر لانا"۔

خوردبین

زبیدہ خوردبین لے آئی۔ محمودہ"۔ یہ لیجیے۔ ذرا اس شیشہ کو تو دیکھیے"۔

حسن آرا"۔ یہی شیشہ ہے جس میں زمین گول دکھائی دیتی ہے ؟"

محمودہ"۔ نہیں زمین تو گول نہیں دکھائی دیتی مگر اور بہت سے تماشے نظر آتے ہیں"۔ حسن آرا نے دیکھا تو بولی"۔ اے ہے آپا یہ سر کے بال ایسے لاؤ کی برابر موٹے اچھی

---

[1] ایک قسم کا شیشہ ہوتا ہے جس میں ننھی ننھی چیزیں بڑی دکھائی دیتی ہیں

دیکھنا ایسا معلوم ہوتا ہی کہ بال بیچ میں سے نلے کی طرح سے کھوکھلا کھوکھلا ہی۔"

محمودہ" ہاں ہیں نے دیکھا ہی اندر سے بال کھوکھلا ہوتا ہے۔"

حسن آرا" یہ اور سبز دیکھو! بدن کے رونگٹے رونگٹے ہیں چھید۔ مکھی کو دیکھو ہزاروں لاکھوں آنکھیں اور پروں ہیں کتنے رنگ! ادفو! ہوا ہیں اتنے بھنگے! اللّٰہ اکبر! پانی میں یہ بلا کے کیڑے! شیشہ تو عجیب طلسمات کا شیشہ ہی۔"

محمودہ" اسی شیشہ میں تو آنکھ کی کوتاہی ثابت ہوتی ہے۔"

حسن آرا۔ آنکھ کی کوتاہی کیا ثابت ہوتی ہی۔ خدا جانے اس میں کیا بلا بھری ہے۔ کچھ جادو کا شیشہ معلوم ہوتا ہی۔ ایک سفید شیشہ کا سہ پہل ٹکڑا میرے پاس بھی ہے، اس میں اور ہی خواص ہیں۔ جس چیز کو دیکھو ہے تو سفید مگر اس میں دیکھنے سے گوٹ کی طرح نیلی، ہری، لال دھاریاں نظر آتی ہیں۔"

محمودہ" وہ تمہارا سہ پہل شیشہ بھی سچا ہے۔ ایک کتاب میں میں نے رنگوں کا تھوڑا سا بیان پڑھا ہے۔

رنگ

اس میں لکھا ہی کہ دنیا میں بہت سے رنگ ہیں مگر اصلی رنگ تین ہیں زرد، سیاہ، سرخ اور باقی سب رنگ ان ہی رنگوں سے بنتے ہیں۔ اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ کوئی رنگ نہ ہو تو سفید کہا جاتا ہی۔ لیکن عقلمندوں نے جو چھان بین کی تو دریافت ہوا کہ سب رنگ مل کر سفید رنگ ہوتا ہی۔ اور اگرچہ اس بات کی اور بہت

لہ نلکی ٹہ اللّٰہ بہت بڑا ہے تعجب کی جگہ بولتے ہیں ٹہ جادو کیطرح جس کا بھید سمجھ میں نہ آتا ہو۔

دلیلیں ہیں مگر سہ پہل شیشہ میں آنکھوں سے دیکھ لیا برسات میں جو ایک رنگین کمان آسمان میں نکلا کرتی ہے اُس کی اصل حقیقت یہی ہے کہ ہوا میں جو پانی کی ننھی ننھی بوندیں رہ جاتی ہیں جب آفتاب سامنے آیا اُسکی شعاع بوندوں میں رنگین نظر آنے لگی۔ ایک مرتبہ میں سر دھو کر اُٹھی، بال نم تھے، میں نے ہاتھ سے جھٹکے، بوندیں جو اُڑیں تو عجیب عجیب رنگ دکھائی دینے لگے۔ میں اس تماشے میں ایسی محو ہوئی کہ جب تک بالوں میں ذرا نمی رہی میں بالوں کو برابر جھٹکتی رہی۔ کہیں اُستانی جی کی نظر جو پڑ گئی تو بولیں "اے محمودہ۔ آج کیا ہے کہ برابر نگوڑے بالوں کو جھٹکے جاتی ہو۔ رُوکھے بال ہیں نوکیں ٹوٹ جائینگی"۔ تب میں نے استانی جی سے بیان کیا کہ "میں یہ نئی سیر دیکھ رہی ہوں، اس کا سبب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا"۔ استانی جی نے الماری میں سے ایک کتاب نکال مجھ کو رنگوں کا بیان دکھایا اسکو پڑھ لو اور جہاں سمجھ میں نہ آئے پوچھ لو۔"

حسن آرا: "کیا بتاؤں۔ میری تو سدھ بُدھ یہاں آکر کچھ جاتی سی رہی۔ جو بات سنتی ہوں مجھ کو اچنبھا ہوتا ہے اور اپنے جی ہی جی میں کہتی ہوں کہ میں نے دنیا میں آکر کیا دیکھا اور کیا سیکھا۔ خیر زمین کا گول ہونا تو ثابت کیجئے، وہ بات ہی رہی جاتی ہے"۔

محمودہ: "ہاں خوردبین سے ہم کو اپنی نظر کا نقصان معلوم ہوتا ہے۔ دو باتیں میں اور بھی کہونگی، ایک یہ کہ تم تو اپنے تئیں بڑی جہانیاں جہاں گشت جانتی ہو سلطان جی، قطب صاحب، میرٹھ، پانی پت نہیں معلوم کہاں کہاں کہتی تھیں کہ گئی ہو"۔

۱؎ کرن ۲؎ گیلے ۳؎ ایک بڑے مشہور ولی اللہ نے ملکوں ملکوں پھر کر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھا ان کا یہی نام پڑ گیا یعنی ساری دنیا میں گشت لگانیوالا۔

حسن آرا "ہاں، خدا رکھے جہانیاں جہاں گشت تو ہوں تھوڑا ملک میں نے دیکھا ہے۔ باہر میدان میں صاف نظر آتا تھا کہ تھوڑی دور چل کر زمین آسمان کے کنارے سے مل گئی ہے۔ مجھ کو کیا سب کو ایسا ہی دکھائی دیا کہ آسمان سرپوش کی طرح زمین پر ڈھکا ہوا ہے۔ میں تو جانتی ہوں کہ کوئی شہر میرے دیکھنے سے نہیں چھوٹا۔"

۲ محمودہ "کیوں جھوٹ بولتی ہو۔ بھلا جھجر اپنی سسرال گئی ہو؟" حسن آرا نے جھجر کا نام سن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بولی کہ نگوڑے گاؤں نہ جاڑے دھوپ نہ گرمی چھاؤں کا کیا نام لینا تھا۔ تو جی میں وہاں کیوں جانے لگی تھی۔"

محمودہ "بھلا تم پانی پت۔ میرٹھ کس سواری میں گئی تھیں؟"

۳ حسن آرا "پالکی گاڑی کی ڈاک تھی" محمودہ "راہ میں تم نے ادھر ادھر تو ضرور دیکھا ہوگا۔"

حسن آرا۔ دیکھتی تو سہی مگر ذرا کی ذرا پیک[1] تھوکنے کو منہ نکالا تھا دیکھتی کیا ہوں کہ سرسر[2] زمین پاؤں کے تلے سے نکلی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ کو ایک چکر سا آنے لگا۔
۴ جھٹ میں نے منہ اندر کر لیا۔"

متحرک چیزوں میں آنکھ کا غلطی کرنا

محمودہ "یاد رکھئے کہ یہ آنکھ کی دوسری غلطی ہے چلتے تو گاڑی اور نظر آئے کہ زمین چل رہی ہے۔ بھلا دوسری بات اور پوچھوں کہ کبھی پھٹے ہوئے بادل میں چاند کو بھی بھاگتے ہوئے دیکھا ہے؟"

---

[1] پان کا عرق [2] چلتی ہوئی۔

حسن آرا: "سینکڑوں دفعہ۔ ہم تو ہمیشہ چاندنی رات میں چندا ماموں[1] کھیلا کرتے ہیں۔"
محمودہ: "تم کیا سمجھتی ہو کہ چاند اتنی جلدی بھاگتا ہے؟" حسن آرا: "اور کیا؟"
محمودہ: "بھلا جب بادل نہیں ہوتا تب چاند اس طرح بھاگتا ہوا کیوں نہیں نظر آتا۔ اگر حقیقت میں چاند چلتا ہوتا تو کھلی راتوں میں اس کا چلنا اور بھی صاف دکھائی دیتا۔" حسن آرا: "کچھ سبب سمجھ میں نہیں آتا۔"
محمودہ: "میں بتا دوں، یہ بھی آنکھ کی ایک غلطی ہے۔ ہوا بادل کو اڑائے لئے چلی جاتی ہے اور بادل چل رہا ہے ہم کو ایسا نظر آتا ہے کہ گویا چاند بھاگ رہا ہے۔"

زمین کے گول ہونے کی دلیل

حسن آرا: "بھلا پھر ان باتوں سے زمین کا گول ہونا ثابت ہو گیا۔"
محمودہ: "ابھی نہیں۔ ذرا صبر کرو۔ ایک بات اور بتاؤ کہ جب تم قطب صاحب گئی تھیں تو لاٹ تم کو کتنی دور سے نظر آنی شروع ہوئی تھی؟"
حسن آرا: "اجی ہمایوں کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھو اور لاٹ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اگر درختوں اور مکانوں کی آڑ نہ ہو تو لاٹ اللہ اکبر اتنی اونچی ہے کہ شاید اس کی چوٹی یہاں سے بھی دکھائی دے تو کچھ اچنبھا نہیں۔"
محمودہ: "صرف چوٹی؟" حسن آرا: "اور اب آپ چاہتی ہیں کہ گھر بیٹھے ساری لاٹ دیکھ لوں؟"

---

[1] سرِ شام چاندنی راتوں میں چھوٹے چھوٹے بچے جمع ہو کر آپس میں کھیلتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں چندا ماموں دور کے۔ بڑھی پکائے بور کے۔ آپ کھائے پیالی میں۔ ہم کو دے تھالی میں۔ تھالی ہے پھوٹ گئی۔ چندا ماموں روٹھ گئے۔

محمودہ: "نہ دیکھ لینے کا کیا سبب؟"

حسن آرا: "سبب یہی دوری، اور کیا۔" محمودہ: "دوری کی وجہ سے لاٹ بلا سے چھوٹی دکھائی دے مگر ساری دکھائی دے۔ اس کا کیا سبب کہ پہلے صرف چوٹی دکھائی دیتی ہے۔ اس کا نیچے کا دھڑ کہاں غائب ہو جاتا ہے؟"

حسن آرا: "کچھ کسی چیز درخت وغیرہ کی آڑ پڑتی ہوگی۔"

محمودہ: "مگر درخت کی آڑ ہوتی تو درخت تو نظر آتا۔ میں بھی تو قطب صاحب چھ سات مرتبہ سے کم نہیں گئی۔ ہمایوں کے مقبرہ سے آگے اچھا خاصہ کف دست میدان پڑا ہے اور سڑک ناک کی سیدھ عین لاٹھ کی جڑ میں لگی ہے۔ اور لاٹ پر کیا موقوف ہے۔ یوں سڑک پر دور کے بہت سے درخت صاف سامنے نظر آتے ہیں جن کے بیچ میں کچھ بھی آڑ نہیں۔ مگر پھر بھی پہلے ہی اوپر کی ٹہنیاں نظر آتی ہیں اور جوں جوں پاس ہوتے جاؤ رفتہ رفتہ نگاہ نیچے تک پہنچتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سارا درخت چوٹی سے جڑ تک سموچا[1] نظر آنے لگتا ہے۔"

حسن آرا اور محمودہ کا یہ اعتراض سن کر بغلیں جھانکنے لگی[2]۔ محمودہ: "اس کا سبب میں عرض کروں؟" حسن آرا: "فرمائیے۔"

محمودہ: "وہی زمین کی گولائی کی آڑ۔" یہ کہہ کر محمودہ نے حسن آرا کو پانی کے مٹکے کے پاس لیجا گولائی کا آڑ کرنا اور لوگوں کا زمین کے گرداگرد گھوم آنا بخوبی ثابت کر دیا۔

حسن آرا: "زمین کے گول ہونے پر یہی ایک دلیل ہے؟"

محمودہ: "نہیں اور بہت دلیلیں ہیں، لیکن ابھی آپ کو انکا سمجھنا مشکل ہے۔ مگر

---

[1] سالم۔ سارا [2] حیران اور لاجواب رہ گئی۔

جب آپ کی معلومات زیادہ ہو جائیں گی تو میں زمین کے گول ہونے کی سب دلیلیں ضرور آپ سے بیان کروں گی۔"

حسن آرا:" اچھا اگر زمین گول ہے تو ہم لوگ اس پر سے پھسل کیوں نہیں پڑتے؟"

محمودہ:" گول تو ضرور ہے مگر اس کو بھی تو سمجھ لیجیے کہ گول جس قدر چھوٹی اسی قدر اس میں گولائی زیادہ مثلاً رائی کا دانہ، جیسے کا دانہ، بیر، آڑو، انڈا، آبخورہ، پھٹلیا، مٹکا، گنبد، گول تو سب ہیں مگر چھوٹی چیز کی گولائی فوراً ظاہر ہو جاتی ہے۔ بیر میں سے ناخن برابر بھی چھلکا لو تو گول ہوگا اور بڑے مٹکے میں سے آپ کے ایک بالشت کی برابر ٹھیکرا توڑ لیا جائے تو سپاٹ ٹھیکرا معلوم ہوگا۔ بھلا ایک اچھا گول بیر انڈے پر رکھنا چاہو تو لاکھ حکمت کرو، ہٹ ہٹ جاتا اور گر پڑتا لیکن مٹکے پر جس جگہ چاہو دس پندرہ بیر رکھ دو۔ جب مٹکے کا یہ حال ہے تو گنبد کا اس سے زیادہ اور زمین تو ان گنبدوں اور مٹکوں کے آگے خدا جانے کے کروڑ کے لاکھ دفعہ بڑی ہے۔ اور جب کششِ زمین ... ہم کو تھام ہی رہی ہے تو ہم گر کر جائیں تو کدھر جائیں۔ زمین کی بڑائی کی اٹکل کرا دینا آسان نہیں ہے مگر یوں سمجھئے کہ یہ ہمارے گھر کی انگنائی آپ دیکھتی ہیں کیسی لمبی چوڑی ہے؟"

حسن آرا:" انگنائی ہے کہ شیطان کی آنت ہے! کمبخت اس سرے سے اس سرے تک جاؤ تو ٹانگیں ٹوٹ پڑیں۔ بھلا اتنا میدان کیوں چھوڑ رکھا ہوگا؟ صحن کیا ہے جنگل معلوم ہوتا ہے۔"

محمودہ:" بیچ میں بارہ دری بننے والی ہے اسی کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ بھلا خیر اس دالان سے ڈیوڑھی تک کتنا فاصلہ ہوگا؟"

حسن آرا:" مجھ کو تو نہیں معلوم۔" محمودہ:" اٹکل سے۔"

حسن آرا: "کوئی بیس اور بیس۔ اے ہے خدا جانے کے بیسی گز کا ہوگا"
محمودہ: "پورا پچاس گز ہے" حسن آرا: "پچاس کتنے ہوتے ہیں بوا"
محمودہ: "بیس اور بیس اور دس" حسن آرا: "اُو بڑا لمبا صحن ہے!"
محمودہ: "بھلا کتنے پھیرے آپ صحن کے اس سرے سے اُس سرے تک کر سکتی ہیں؟"
حسن آرا: "کتنے پھیرے! اجی ایک بھی ہو جائے تو بہت ہے"
محمودہ: "بس اتنا ہی زور ہے"
حسن آرا: "ہاں میری ٹانگوں میں تو اتنا ہی بوتا ہے۔ کچھ خدا نہ کرے میں کہاری ٹھوڑی ہی ہوں، میں خاصی امیر زادی ہوں۔ امیر زادیاں بس اپنے پاؤں سے اتنا ہی چلا پھرا کرتی ہیں جس دن اُستانی جی میں سامنے بیٹھی ہوتی ہیں لحاظ کے مارے چبوترہ کے پاس دوا کی گود سے اتر پڑتی ہوں مگر دالان تک پہنچتے پہنچتے دم ہی تو چڑھ جاتا ہے۔ اور جو کبھی اُستانی جی سامنے نہیں ہوتیں یا نیچی آنکھیں کیے ہوئے کسی کو پڑھاتی ہوتی ہیں تو میں دوا کو بیچ دالان میں اپنی جگہ لا کر چھوڑتی ہوں"
محمودہ: "اگر اپاہج ہونا بھی امیری کا ہنر ہے تو شاباش آپ بہت اچھا کام کرتی ہیں۔ مگر میں انشاء اللہ ایک دم سے سو پھیرے تو کر جاؤں اور نہ دم چڑھے اور نہ ٹانگیں دُکھیں"
حسن آرا: "منہ سے یا ٹانگوں سے؟" محمودہ: "اجی ان ہی ٹانگوں سے۔ اور آپ کو یقین نہ ہو تو چلئے استانی جی سے پوچھوا دوں"

جسمانی ریاضت[1] اور ایّام غدر کی ایک حکایت میں اُس کے فائدوں کا بیان

اُستانی جی کا تو بارہوں مہینہ کا معمول ہے کہ کوئی چار گھڑی رات رہے اُٹھیں تہجد کی نماز پڑہی اسمیں کوئی دو گھڑی کا تڑکا ہو آیا۔ اس وقت سے برابر اسی صحن میں ٹہلا کرتی ہیں اور منزل پڑہتی جاتی ہیں یہاں تک کہ جھُٹ پٹا[2] ہونے آیا۔ نماز پڑہی معمولی وظیفہ کبھی پڑھ چکیتی ہیں کبھی پڑہتی ہوتی ہیں کہ میں جاگتی ہوں۔ پچھلی گرمیوں میں ایک رات یونہی میری آنکھ کھل گئی، دیکھا تو استانی جی ٹہل رہی ہیں میرا جاگ اُٹھنا جو اُن کو معلوم ہوگیا تو کہا محمودہ اب سویرا ہی مت سو طبیعت خراب ہوجائیگی۔ آؤ دیکھو تو آخر شب چاندنی میں کیا لطف[3] ہی۔ ستارے اسطرح ٹمٹما رہی ہیں کہ گویا رات بھر کے جاگے ہیں۔ اور اب صبح ہوتے اونگھتے ہیں کیسی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے کہ طبیعت باغ باغ ہوئی جاتی ہی پھول جو کھلے ہیں تو بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے۔ جانور میٹھی میٹھی آوازوں میں خدا کی حمد[4] گا رہی ہیں۔ نور ظہور کی گھڑی اور برکت کا وقت ہی۔ پورب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ صبح کا نور کیسا دل کو لبھاتا ہی۔ میں جھٹ پٹ اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ منہ دُہو استانی جی کے ساتھ ٹہلنے لگی۔ میں نے اس دن خوب دھیان لگا کر گنا تھا تو اتنی یا تم یوں سمجھو کہ چار بیسی پھیرے میرے انگنائی میں ہوئے تھے۔ میں نے اُستانی جی سے پوچھا کہ "آپ اسقدر

---

[1] ہاتھ پاوں بدن کی محنت [2] اندھیرے میں کچھ یونہی سا جاندنا [3] مزہ [4] تعریف

سویرے اُٹھ کر کیوں ٹہلا کرتی ہیں"، تو یہ فرمایا کہ "دن رات میں اس سے بہتر فرحت کا کوئی وقت نہیں اور ٹہلنے سے میرا اصلی مطلب یہ ہے کہ انسان کو حفظ صحت[1] کیلئے تھوڑی بہت بدنی محنت اور جسمانی ریاضت بھی چاہیے۔ تم دیکھتی ہو کہ خدا کے فضل سے میں کم تر بیمار پڑتی ہوں اس کا ظاہری سامان میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ ہر روز صبح کو اتنا ٹہل لیتی ہوں کہ خاصی طرح بدن میں عرق[2] آجاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس عادت کا ایک خاص فائدہ بھی میں دیکھ چکی ہوں۔ غدر میں جب سارا شہر بھاگ نکلا تھا ہم لوگ اس امید پر پڑے رہ گئے تھے کہ ابا جان جس رئیس کے نوکر ہیں وہ سرکار کا بڑا خیر خواہ تھا۔ خود اس کے اپنے بیٹے پوتے سرکاری فوج کے ساتھ لڑائی پر تھے۔ رئیس کی معرفت ابا جان نے سرکار سے یہ اقرار کرالیا تھا کہ جب دہلی فتح ہو تو سرکاری فوج کا کوئی آدمی ہم لوگوں کو نہ ستائے جب شہر میں بھاگڑ[3] مچی۔ محلے والوں نے بہتیرا ہم لوگوں سے کہا کہ شہر میں رہ کر کیوں مفت میں جان گنواتے[4] ہو۔ مگر ہم لوگ اس وعدے کے آسرے پر گھر سے نہ نکلے۔ لوگوں سے تو ڈر کے مارے[5] یہ حال ظاہر نہیں کیا مگر جی ہی جی میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ کس دن دہلی فتح ہو اور ہم لوگ آرام سے بیٹھیں خدا کا کرنا جس دن دہلی پر پہلا دھاوا ہوا، لے ہے خدا دشمن کو بھی وہ دن نہ دکھائے ایک قیامت برپا تھی۔ دن بھر گولیوں کا مینھ برستا رہا اور گولے خدا کی پناہ کان بہرے ہو ہو جاتے تھے، زمین دہل[6] دہل پڑتی تھی۔ شام ہوتے[7] آئی تو نہر[8] کے پرلے پار تک انگریز آگئے تھے اور عین ہمارے اس دیوار کے نیچے گلی

---

۱ تندرستی کا بچاؤ ۲ پسینہ ۳ لوگ شہر چھوڑ بھاگنے لگے ۴ کھوتے ہو ۵ منع کرتے ہو ۶ خوف ۷ لرز لرز ۸ دہلی میں سعادت خاں کی نہر تھی جہاں اب سڑک بن گئی ہے۔

کے کھڑے ہوئے تلنگوں نے توپ لگا رکھی تھی کس کو امید تھی کہ زندوں کو صبح ہوگی جان سے ہاتھ دھو کر تہ خانوں میں چھپ بیٹھے، اللہ اللہ کر رہے تھے کس کا کھانا اور کس کا پکانا۔ ایک ایک کا منہ تکتا تھا۔ کوئی پہر رات گئے کسی مردوے کی آواز آئی۔ ابا جان کا نام لے لے کر پکارتا تھا۔ ڈر کے مارے جواب کون دے۔ آخر میں نے بھائی جان سے کہا خدا کے لئے انگنائی میں نکل کر خبر تو لو۔ کون وقت ہوا یہ آدمی برابر چلا رہا ہے۔ شاید سرکاری فوج کا کوئی آدمی ہو اور ہماری حفاظت کے لئے آیا ہو۔ غرض بھائی جان باہر نکلے اور کوٹھے پر چڑھ کر آواز کی آہٹ لی۔ اُس وقت لڑائی بھی بند تھی۔ وہ مردوا سڑک میں تھا، بھائی جان نے اس کو کوٹھے کے نیچے بلایا اور حال پوچھا۔ اُس نے کہا کہ مجھ کو کپتان صاحب نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم نے ہر چند چاہا کہ آپ کے مکان کی حفاظت ہو مگر کوئی تدبیر نہیں بن پڑتی۔ باغیوں نے شہر خالی نہیں کیا۔ نہر کے اُدھر وہ لوگ ہیں اور نہر تک ہماری عملداری ہے۔ رات کے دو بجے ہم لوگ باغیوں پر حملہ کریں گے آپ کا مکان عین زد میں ہے حملے کے وقت سے پہلے تم لوگ اپنی جانیں لے کر نکل جاؤ۔ جب سلطنت بیٹھے گی دیکھا جائیگا۔ اس خبر کے سنتے ہی سب کو سناٹا ہو گیا۔ کسی نے کہا جہاں پڑے ہو پڑے رہو۔ آخر یوں بھی مرنا ووں بھی مرنا بے فائدہ عورتوں کو بازار میں لئے لئے پھرنا کیا حاصل۔ ایک آدھ احمق یہ بھی کہنے لگے کہ آؤ عورتوں پر ہم ہی ہاتھ صاف کریں۔ پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا۔"

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس گفت وشنود میں آدھی رات گذری بھائی

۱؎ محمد عاقل ۲؎ دھاوا ۳؎ کہا سُنی۔

جان نے دیکھا کہ وقت نکلا جاتا ہے اور لڑائی شروع ہونے میں کچھ دیر نہیں، تب تو وہ ذرا اکڑے ہو کر بولے کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں اور نرے نامردی کے خیالات ہیں۔ جان کا بچانا فرض ہے، کہ جہاں تک ہو سکے بھاگنا چاہیے اور یوں قضا کا تو کچھ علاج نہیں یہ کہہ کر مجھ سے کہا اُٹھ لڑکی تو تو چل، یہ لوگ جانیں اور ان کا کام جانے میں پہلے ہی سے بھاگنا بھاگنا کر رہی تھی چلنے کا نام سنتے ہی میں نے اپنا تمام زیور اپنے ہاتھوں نکال انگنائی میں پھینکا اور دالان کی چاندنی میں سے دو پاٹ پھاڑ دوپٹہ بنایا اور کہا لو صاحب میں تو یہ چلی میرا چلنا تھا کہ بھیڑوں کی طرح سارا کنبہ پیچھے ہو لیا۔ اس رات تم ہوتیں تو ان کم بخت عورتوں کی سیر دیکھتیں کہ ایک صاحب ہیں کہ تمام دھن دولت تو گھر چھوڑا پان کھانے کی پٹاری لادے لئے چلی جاتی ہیں کسی کی جوتی پاؤں سے نکل نکل پڑتی تھی کسی کا ازار بند پاؤں میں الجھتا ہے۔ اُن دنوں جس کے جتنے بڑے پائینچے تھے اسی کو چلنے کی بڑی مصیبت تھی۔ بھاں جان اس وقت بھی چھبڑتے کہ کم بختوں اور نین سکھ کے تھان کے دو پاجامے بناؤ، لاہور کے ریشمی ازاربندوں میں پٹیاں لگا لگا کر اور بٹوا کر و بہنسی کی ہنسی مصیبت کی مصیبت۔ ان بیچاریوں کو بازاروں میں چلنے کا کاہے کو اتفاق ہوا تھا۔ گو رات تھی اور یوں بھی رستہ نہیں چلنا تھا مگر من من[1] بھر کے پاؤں تھے، دو قدم چلیں اور گریں۔ خدا خدا کر کے صبح ہوتے ہوتے کا غذی[2] محلے تک پہنچے۔ یہاں کیا ٹھکانا انگریز کہتے تھے کہ قلعہ لیں تو آج لیں۔ جوں ہی بن چکیوں کے برابر آئے دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں

---

[1] یعنی اس قدر بھاری ہو گئے تھے کہ اُٹھائے نہیں اٹھتے تھے ۱۲ [2] اب اس محلے کا نام و نشان تک نہیں ریل کی سڑک میں آگیا ۱۲

گورے اور سکھ قطار باندھے چلے آتے ہیں۔ دیکھنے کے ساتھ دم ہی تو فنا ہو گیا، کوڑیا پل کی طرف بھر بھاگے۔ بیچاری عورتوں کا بڑا حال تھا۔ ایک بیوی تو سڑک پر لیٹ گئیں کہ مجھ سے تو آگے نہیں چلا جاتا خدا کے لئے مجھ کو یہیں رہنے دو۔ تھوڑی دور میں نے ان کو چڈھی چڑھایا اتنے میں دو تین اور گریں اب کس کو کندھے پر چڑھائے۔ اپنی ہی جان بھاری تھی۔ بھائی جان نے کہا کہ لوگو! خدا کے لئے دل مضبوط کر کے ذرا پھول کی منڈی تک تو چلو۔ وہاں ممکن ہوگا تو کچھ سواری کا بندوبست کیا جائیگا۔ بہ ہزار وقت کوئی پہر دن چڑھے تک پھول کی منڈی پہنچے۔ سواری یہاں کیا رکھی تھی۔ باہر سے گدھوں پر اناج آیا تھا گدھے والا اپنے گدھے لئے باہر جاتا تھا۔ بھائی جان نے اس سے پوچھا کہاں کے گدھے ہیں۔ اُس نے کہا سلطان جی کے۔ بھائی جان نے اس سے بہت گڑ گڑا کر کہا کہ بھائی میاں ذرا شہر کے دروازے تک ان عورتوں کو بٹھا لو اور جو کہو سو دیں۔

گدھے والا "اجی میاں جی، کیسا کرایہ۔ دیکھتے ہو انگریز قلعہ میں پہنچ گئے ہیں کم بختی کا مارا رات کو نہ جا سکا اب دیکھئے کیسے بچتا ہوں۔ گدھے لو اور جسقدر چاہو لد لو اور ہانک لاؤ مجھ کو دروازے کے باہر گدھے حوالے کر دینا"۔ غرضکہ چار گدھے بھائی جان نے روک لئے اور کہا کہ لو صاحب جو تھک گیا ہو اُس پر بیٹھ لے، اور دیر کرنا غضب ہے پہلے تو گدھے کی سواری کا نام سن کر سب نے تامل کیا۔ مگر کرتیں کیا۔ مجبوراً گدھوں پر سوار ہونا پڑا مجھ سے بھی بھائی جان نے کہا لڑکی تو بہت تھک گئی ہے۔ بیٹھ لے، مصیبت کو کیا کریں۔ میں نے کہا "میں ابھی . . . . .

مطلق نہیں تھکی اور ایسے ایسے دس حصے پا پیادہ اور چل سکتی ہوں۔"
بھائی جان۔ "آخر چڑھنا پڑیگا۔ تم جانتی ہو کہ شاید شہر میں چل کر ٹھہریں گے۔ ہرگز نہیں۔ عرب سرائے سے ادھر کہیں ٹھکانا نہیں" میں نے کہا۔ انشاء اللہ میں سرائے تک بہ خوبی چلی جاؤنگی۔ غرض خدا نے مجکو تو اس فضیحت سے بچالیا اور بیویاں چڑہی ہی چڑھیں۔ آج تک ان کی ہنسی ہوتی ہے اور میں خدا کے فضل سے اس چہل قدمی کی بدولت برابر چلی گئی۔ نہ تھکی نہ ماندی ہوئی۔"

حسن آرا۔ "اجی غدر بھی ایک آفت ناگہانی تھی۔ سو بیت گئی۔ کہیں خدانخواستہ ہر روز غدر ہوتا پڑا ہے کہ کم بخت عورتیں اس کے واسطے دوڑنے کی عادت اور بھاگنے کی مہارت کریں۔"

محمودہ۔ "بات میں بات میں نے بیان کی۔ میرا بھی یہ مطلب نہیں کہ عورتیں گھروں میں گھوڑ دوڑ کیا کریں۔ مگر اتنی آلکسی بھی ٹھیک نہیں کہ ڈیوڑھی تک جائیں تو ہانپنے لگیں، کوٹھے پر چڑھیں تو سانس پیٹ میں نہ سمائے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں تو پھرتی رکھنی چاہیے۔"

حسن آرا۔ "خیر اب وہ زمین کا گول ہونا تو ثابت کیجئے۔ کیا آپ اُس بات کو ٹالنا چاہتی ہیں؟"

محمودہ۔ "ہاں یہ تو انگنائی پچاس گز لمبی ہے۔ اس سرے سے اُس سرے تک پینتیس ۳۵ یعنی پانچ کم دو بیسی پھیرے کرو تو ایک میل ہو۔ اور دو میل کا ایک کوس ہوتا ہے۔"

حسن آرا۔ "افوہ اتنا بڑا میل اور اتنا بڑا کوس ہوتا ہے!"

محمودہ "اب قطب صاحب کی لاٹ کو فرمایئے کہ کے ہزار کوس لمبی ہے"
حسن آرا "ہیں تو جانتی ہوں کہ اس حساب سے پوری میل بھر بھی نہ ہوگی"
محمودہ "بیشک میل کیسا میل کا دسواں حصہ بھی نہیں"

زمین کی جسامت[۱] اور ہیأت[۲] اور تقسیم[۳]

اور زمین بتاؤں میلوں کے حساب سے کتنی بڑی ہے۔ چوبیس ہزار میل اس کا دورہ ہے۔ مردوں میں بارہ کوس کی منزل مقرر ہے یعنی مرد لوگ جو سفر کرتے ہیں تو بارہ کوس روز چلے جاتے ہیں اور واقع میں آرام کے ساتھ سفر کیا جائے تو بارہ کوس دن بھر کے چلنے کو بہت ہے۔ اس حساب سے اگر کوئی آدمی ناک کی سیدھ چلنا شروع کرے تو پانچ برس میں جہاں سے چلا تھا وہیں آکھڑا ہوگا۔ اور زمین کے گرداگرد اس کا صرف ایک پھیرا پورا ہوگا۔
حسن آرا "اللہ اکبر! اب جو میں خیال کرتی ہوں تو زمین بہت بڑی ہے۔ بھلا تم نے کیوں کر جانا کہ چوبیس ہزار میل کا دورہ ہے"
محمودہ "کتابوں سے جانا۔ ہمت والے لوگوں نے محنت اُٹھا کر برسوں سفر کیا اور تمام دور ناپ ڈالا۔ خشکی کی راہ تو سیدھا چلنا مشکل ہے کہیں بڑے بڑے دو دو تین تین کوس کے اونچے پہاڑوں کی چڑھائی کے دشوار گزار[۴] پہاڑ ہیں۔ کہیں سینکڑوں کوس کے جنگل ہیں جن میں نہ کہیں ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے نہ پانی کا آسرا، نہ سڑک۔ مگر سمندر میں جہازوں پر لوگوں نے سفر کیا ہے اور

[۱] مٹائی [۲] صورت [۳] بانٹ [۴] جس میں سے ہو کر گزرنا مشکل ہے۔

قطب نما کے سہارے سے سیدھ لگائے چلے گئے اور آخر کو وہیں موجود ہوئے جہاں سے چلے تھے۔ کیا اب بھی زمین کے گول ہونے میں کچھ شک وشبہ ہے؟"

حسن آرا: "دو دو تین تین کوس اونچے مہینوں کی چڑھائی کے پہاڑ ہیں تو زمین گول کہاں رہی؟"

محمودہ: "ہاں زمین ایسی گول نہیں ہے۔ جیسی ڈھلی ہوئی گولی ہوتی ہے۔ ٹھیک نارنگی کی طرح گول ہے۔ اتر دکھن دونوں سر سے پچکے ہوئے اور جیسے نارنگی کے چھلکے پر دانے ڈانے سے اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں اِسی طرح زمین پر یہ پہاڑ ہیں جو شخص پہاڑوں کو دیکھ کر زمین کے گول ہونے میں شک کرے اُس کو زمین کی بڑائی کا ٹھیک تصور نہیں۔ ایک مٹکی پر ایک رائی کا دانہ رکھ دو تو اس کی گولائی میں کیا فرق آجائے گا؟"

حسن آرا: "زمین کو تو میں پہلے سے بڑی نہیں جانتی تھی مگر ٹھیک اندازہ معلوم نہ تھا۔"

محمودہ: "تم تو خاک بھی بڑی نہیں جانتی تھیں۔ ایک میرٹھ اور ریاستی ہیت آپ کیا گئیں کہ آپ نے سمجھا تمام روئے زمین کی سیر کرلی۔"

حسن آرا۔ زمین اتنی بڑی ہے تو ہزاروں لاکھوں شہر اس پر بسے ہوں گے۔

محمودہ: بے شک۔ مگر اس سے یہ مت سمجھو کہ تمام روئے زمین پر آبادی ہے تین حصے میں تو سمندر ہے، ایک حصہ جو کھلا ہے اُسی میں کُل نوسے کروڑ آدمی بھی جا بجا بسے ہیں اور جنگل اور پہاڑ اور دریا بھی ہیں۔"

تمدّن کی وجہ

حسن آرا: "سب لوگ مل کر ایک جگہ کیوں نہیں رہتے؟ ایک بڑا شہر بسالیں اور سب اُسی میں رہیں تو بڑا مزہ ہو۔"

محمودہ: "مزا کیا خاک ہو۔ سب بھوکے مرنے لگیں۔" حسن آرا: "کیوں؟"

محمودہ: "کھانے کو اناج میدان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سبب سے لوگ دنیا میں الگ الگ بسے ہیں۔ ہر ایک بستی کے آس پاس کچھ میدان جوتنے اور بونے اور اناج پیدا کرنے کے واسطے لگا رکھتے ہیں۔ سب ایک جگہ بسیں تو ہزاروں کوس کا لمبا چوڑا شہر ہو جائے۔ جوتنے بونے کہاں جائیں۔ مگر آدمی زندگی کی ضروریات اکیلا بہم نہیں پہنچا سکتا اس واسطے ہمیشہ تھوڑے بہت ۔۔۔۔ آدمی مل کر رہتے ہیں۔ جہاں تھوڑے آدمی بسے ہوں وہ گاؤں ہے۔ اس سے بڑھ کر قصبہ اس سے بڑھ کر شہر اس سے بڑھکر ملک اور ولایت۔ بعضے گاؤں صرف چار چار پانچ پانچ گھر کے بھی ہوتے ہیں اور بڑے شہروں میں تو لاکھوں آدمی ہوتے ہیں۔"

حسن آرا: "جہاں صرف چار چار پانچ پانچ گھر ہیں وہ لوگ کیونکر گزر کرتے ہونگے؟"

محمودہ: "ہم سب سے بہتر طور پر گزر کرتے ہیں۔"

حسن آرا: "کیا خاک گزر کرتے ہونگے۔ نہ حلوائی، نہ عطّار، نہ گندھی، نہ منہیار، نہ بزاز، نہ کوئی نہ کوئی۔"

محمودہ: "یہ چیزیں امیرانہ زندگی کے لایعنی تکلفات اور شیخی اور نمود اور ڈینگ کے بیہودہ سامان ہیں۔ ان کو داخل ضروریات زندگی کون کہتا ہے۔ خوب غور کر دیکھا

پیٹ بھر لینے کو دال دلیا کچھ غذا چاہئے، اور تن بدن ڈھک لینے کو موٹا جھوٹا کپڑا بس اتنا تو ضروری اور اسکے علاوہ سب انسان کی خود بینی[1] اور تن پروری[2] اور آرام طلبی کے ڈھکوسلے ہیں۔ سو جو چیزیں حقیقت میں ضروری ہیں گاؤں والے اپنے ہاتھوں پیدا کر لیتے ہیں۔ کھانے کا غلہ اور میوے اور ترکاریاں، روئی، تنباکو، کسم، نیل سب ہی کچھ تو کھیتوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ کھانے پینے کی چیزیں جیسی عمدہ اور صاف گاؤں میں میسر آتی ہیں ہم شہر والے خواب میں بھی نہیں دیکھتے ؟"

حسن آرا: "بھلا اگر گاؤں میں آدمی بیمار پڑے تو دوا کہاں سے ملے، علاج کس سے کرلیتے ؟۔

محمودہ: "گاؤں والے خدا کے فضل سے دوا اور علاج کے محتاج ہی نہیں ہوتے"۔

حسن آرا: اسکا سبب ؟" محمودہ: "سبب صفائی۔ آب و ہوا کی عمدگی اور روز کی محنت"۔

آبِ و ہوائے شہر و دیہات کا مقابلہ

حسن آرا: آب و ہوا تو ساری دنیا میں ایک ہی ہوگی ؟"

محمودہ: "ایک تو ہی مگر جہاں بکثرت آدمی رہتے ہیں وہاں غلاظت[3] بھی جمع ہوتی ہے اور عفونت[4] کی وجہ سے آب و ہوا بگڑ جاتی ہی۔ آئے دن وبا آتی رہتی ہے اور وبا نہیں بھی ہوتی تو بھی شہر کے لوگ اکثر بیمار رہتے ہیں"۔

حسن آرا: "گاؤں والے بیمار نہیں ہوتے تو مرتے کیوں کر ہیں ؟"

لہ۔ شیخی ۲ہ۔ اپنے بدن کو پالنا ۳ہ۔ گندگی ۴ہ۔ بدبو سڑاہند ۱۲

محمودہ "مرنا اور بات ہے۔ گاؤں والے زندگی کا لطف تو پاتے ہیں، نہ شہر والوں کی طرح دائم المریض اور یوں کبھی کبھار دکھ درد ہوتا ہو تو گاؤں والے ہیچ سا علاج بھی کیوں نہیں کرتے جنگل کی بوٹی۔ درختوں کی چھال اور پتے گھسے رگڑے پی گئے۔ اچھے ہو گئے۔ یہ نہیں کہ ہفتوں منضجیںؔ پیا کریں، مہینوں مارالجبنؔ میں پڑے گھلتے رہیں۔ لاکھ دوا کی ایک دوا تو تازی ہوا ہے جو شہر والوں کو عمر بھر نصیب نہیں ہوتی اور گاؤں والوں کو ہر وقت میسر ہے۔"

حسن آرا "سب کچھ تو ہے مگر گاؤں میں جی کیسا گھبراتا ہوگا۔ نہ محلہ، نہ ہمسایہ کس سے بات کیجئے۔ کس کے پاس جائیے۔"

محمودہ "شہر میں روز کے روز کون کس کے پاس جاتا ہے جس طرح شہر والے گھر کے کام کاج میں لگے رہتے ہیں گاؤں والوں کو کھیتی باڑی اور مویشیوں کی خبر گیری کیا کم ہے۔ اس سے فرصت ہوئی تو وہ لوگ بھی گھروں میں کام کرتے اور آپس میں جی بہلاتے ہیں۔"

حسن آرا "یہ گاؤں والے نرے اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ کیوں ہوتے ہیں؟"

محمودہ "لو اخیرالنساء دیکھو حسن آرا بیگم گاؤں والوں کو اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ کہتی ہیں۔ تم بھی باہر والی ہو، جواب دو۔"

خیرالنساء "بیگم صاحب کو گاؤں والوں کا حال معلوم نہیں۔ سنے سنائے برا کہہ اٹھیں اسکا کیا جواب دوں۔"

لہ ہمیشہ بیمار ۲ۃ جلاب سے پہلے جو دوائی پی جاتی ہو اسکو منضج کہتے ہیں ۳ۃ ایک طرح کا جلاب ہے جو چالیس دن میں جا کر پورا ہوتا ہو ۴ۃ گاسنے منبس بکری کی قسم کے جانور ۱۲ منہ

حسن آرا۔ "خیر النسا، تم کہاں کی رہنے والی ہو؟"

خیر النسا۔ "مراد آباد کے ضلع میں شریف پور نام ایک گاؤں ہے۔ وہیں میرا غریب خانہ ہے۔"

حسن آرا۔ "شہر میں کب سے ہو؟" خیر النسا۔ "کوئی ڈیڑھ برس سے۔"

حسن آرا۔ "تمہارے گھر میں کیا کام ہوتا ہے؟"

خیر النسا۔ "کوٹنا، پیسنا، پکانا، ریندھنا، کاتنا، سینا، پرونا، گھر کی جھاڑو بہارو، بال بچوں کا نہلانا دھلانا۔"

حسن آرا۔ "میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمہارے گھر کے مرد کیا کیا کرتے ہیں؟"

خیر النسا۔ "جو لڑکے ہیں پڑھتے ہیں، جو جوان ہیں کمائی کرتے ہیں، جو بڈھے ہیں گھر کے لڑکے لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور نماز روزے میں مصروف رہتے ہیں۔"

حسن آرا۔ "اے ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمہارے گھر ہوتا کیا ہے؟"

خیر النسا۔ "دن کو دن رات کو رات۔"

حسن آرا۔ "پتھر پڑیں ایسی موٹی سمجھ پر کوئی معقول جواب نہیں۔"

خیر النسا۔ "آگ لگے ایسی بھونڈی تقریر کو، کوئی بات ٹھکانے کی نہیں۔"

حسن آرا۔ "نگوڑی گنواری شامت ماری! کوئی تیری کم بختی آئی ہے۔ بے تمیز! زبان سنبھال کر نہیں بولتی۔ ابھی مارتے مارتے کچلا کر ڈالوں گی۔"

خیر النسا۔ "چل چل شہری سبے تھری[1]۔ امیر بیگم ہو گی تو اپنے واسطے۔ ہم کیا خدا نہ کرے

---

[1] بے نصیب۔

کسی کی لونڈی باندی ہیں۔ ایک کہے گی تو دس سنے گی اور ماریگی تو مار کھائیگی بھی بوصاحب کیا مجھ کو بھی شہر کی لڑکی بنایا ہے کہ دھمکا لے گی۔"

حسن آرا نے عمر بھر کبھی جواب پایا نہ تھا اور جواب بھی ایسا سخت خیر النسا کی بات سنتے ہی بے اختیار ہوگئی۔ مارنا اور کچلا کرنا تو نری دھمکی ہی دھمکی تھی مگر سیدھی اٹھ اُستانی جی سے جا فریاد کی اور رونے لگی۔ اتنا روئی کہ گھگی بندھ گئی جب تک روتی رہی استانی جی چپ بیٹھی رہیں اور اگر کہیں دل جوئی کی ایک بات بھی ان کے منہ سے نکلتی تو حسن آرا بندی شام تک بھی نہ سنبھلتی۔ آخر کو سسکیاں لے کر خود بخود تھم گئی۔ اس درمیان میں محمودہ چند بار آئی اور قصداً حسن آرا کے پاس سے ہو کر نکلی مگر حسن آرا نے منہ پھیر لیا یہ دیکھ کر محمودہ کو جرأت نہ ہوئی کہ حسن آرا سے بات کرے۔ ورنہ وہ سنج ملالؔ کر بھی دیتی۔ اب شام قریب تھی، اُستانی جی نے کہا۔ لڑکیو! وہ سیج الملک کی کہانی کن مدتوں سے ناتمام پڑی ہے اُسے تو ختم کر لیتیں کس کی باری ہے؟"

محمودہ۔ "خیر النسا کی باری ہے۔"

استانی جی۔ "کیوں بوا حسن آرا بیگم، خیر النسا کہانی کہیں تم سنو گی؟"

حسن آرا۔ آنکھیں نیچی کر کے مسکرانے لگی اور بولی "کیوں سننے کو کیا ہوا۔ یہی نہ کہ بیچ بیچ میں نہ بولوں گی۔"

محمودہ۔ "کیوں نہ بولو گی جب بیچ بیچ میں بات ہی نہ ہوئی تو کہانی کیا وہ تو خاصہ سبق ہو گیا۔ مزہ خاک ملا۔ شوق سے بولو، بات کرو۔"

حسن آرا۔ "واہ آپ بھی بڑی حضرت ہیں۔ اب پھر لڑائی دیکھنے کو جی چاہا ہوگا؟"

لہ رنج کو مٹا دیتی۔

محمودہ "ایسی بھی کوئی کم بخت ہوگی جس کو دو آدمیوں کی لڑائی میں مزہ ملتا ہوگا۔ آدمی تو آدمی جانوروں کا لڑانا بھی بڑا گناہ لکھا ہے"۔

حسن آرا "آپا کیوں مکرتی ہو، تم نے ہی خیر النسا کو مجھ سے بھڑایا"۔

محمودہ "میں نے بھڑایا یا گفتگو کی تقریب کی۔ آپ شروع سے دیہاتیوں کی مذمت اتار رہی تھیں، لمحہ دو لمحہ بھی ضبط نہ ہو سکا لڑ پڑیں"۔

حسن آرا "میں لڑی؟" محمودہ "آپ تو منصف مزاج ہیں، آپ ہی فرمایئے سخت کلامی پہلے کس نے شروع کی"۔

حسن آرا "جو جیسا ہوتا ہے کہنے میں آتا ہے۔ دیہاتیوں کو کیا میں اکیلی اجڈ و اکھڑ اور بد سلیقہ کہتی ہوں، شہر بھر کہتا ہے۔ خیر النسا کس کس کا منہ بند کرتی پھریں گی"۔

خیر النسا "آپ اپنی تعریف کرنے سے کوئی اچھا نہیں بن جاتا اور کسی کے برا کہنے سے کوئی برا نہیں ہو جاتا۔ شہر والے دیہاتیوں کو اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ کہتے ہیں۔ دیہات والے شہریوں کو اَحدی[1] نکمے۔ کم محنت۔ پست ہمت، ظاہر پرست[2] جانتے ہیں"۔

استانی جی "جب تم دونوں اس امر پر بحث کر رہی تھیں پس دوسروں کی لڑائی کا فیصلہ کرتے کرتے آپس میں کیوں لڑنے لگیں؟"

خیر النسا "جناب بیگم صاحب نے چھوٹتے ہی دیہاتیوں کو اجڈ۔ اکھڑ بے سلیقہ کہا مجھ کو برا تو بہت لگا مگر میں چپ ہو رہی اور ..."

استانی جی "حسن آرا بیگم نے تم کو تو اجڈ۔ اکھڑ بے سلیقہ نہیں کہا۔ ان کا مطلب تھا کہ شہر والے دیہاتیوں کو ایسا سمجھتے ہیں"۔

---

[1] سست کاہل [2] ظاہر دار۔

خیر النساء: "کیا ہوا، پھر بھی ایسے کریہہ الفاظ بیگم صاحب کو زیبا نہ تھے اور میں اس بات پر تو کچھ بولی ہی نہیں۔"

استانی جی: "کیا اس سے زیادہ کوئی اور سخت بات حسن آرا بیگم نے خاص تم کو کہی تھی؟ انکی ایسی عادت تو معلوم نہیں ہوتی۔"

خیر النساء: "خیر اب اسکا اعادہ[2] آپ کے رُوبرُو کرتے ہوئے مجھ کو شرم آتی ہے۔ میرا ہی قصور تھا، آخر میں بے تمیز گنواری ہی تو ہوں اور سلیقہ آئے تو کہاں سے آئے۔ اس میں شک نہیں کہ جواب میں نے بھی سخت دیا۔ پیچھے میرا دل بہت کڑھا۔"

استانی جی: "اگر تمہارا قصور تھا تو تم نے معذرت کیوں نہ کی؟"

خیر النساء: "میں سَو مرتبہ معذرت کرنے کو موجود ہوں، ہاتھ جوڑنے اور پاؤں پڑنے میں مجھ کو عذر نہیں۔ مگر ذرا اتنا بیگم صاحب کو بھی سمجھا دیجئے کہ بات بات میں لڑکیوں سے نہ اُلجھا کریں۔ ان کی شان کو یہ بات ہرگز زیبا نہیں۔"

حسن آرا: "تم یہ چاہو کہ میں سب کے برابر ہو کر رہوں تو یہ بات نہ مجھ سے ہوئی اور نہ ہو۔ تم لوگوں کو بھی تو کچھ خیال کرنا چاہیئے کہ میں امیر زادی ہوں اور مجھ کو خدا نے بڑا کیا ہے۔"

استانی جی: "یہ بات تمہاری بغیر واجب ہی۔ مکتب کی لڑکیاں کچھ تمہاری لونڈیاں نوکر ہیں؟ یا تم اپنی دولت اِن کو بانٹ دیتی ہو؟" حسن آرا: "نوکر نہ سہی غریب تو ہیں۔"

اُستانی جی: "غریب ہیں تو ہونے دو۔ تمہاری دولت کی تو کچھ پروا نہیں کرتیں۔"

حسن آرا: "ہم کب ان کی پروا کرتے ہیں۔"

---

[1] سخت مکروہ [2] دوہرانا۔

استانی جی: "چلو نہ تم کو ان کی پروا نہ ان کو تمہاری، برابر سرابر۔"
حسن آرا: "کیا ہوا پھر بھی ان کو میری تعظیم کرنی لازم ہے۔"
استانی جی: "بے ضرورت بے غرض کیوں لازم ہے۔ اور نہ کریں تو انکا کیا نقصان؟"
حسن آرا: "لازم نہیں مناسب ہی اور نقصان آپس کا رنج۔"
استانی جی: "اس اعتبار سے تم پر بھی لازم ہی۔"
حسن آرا: "کیا؟" استانی جی: "ان کی تعظیم۔"
حسن آرا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اُسکے ساتھ سب ہنسے۔ استانی جی: "سنو لو! حسن آرا بیگم ہم عمری میں تعظیم تکریم کا کیا مذکور، تم سب کو آپس میں محبت رکھنی چاہیے آپس میں اور ہر ایک لڑکی کو اسکا اہتمام رہی کہ آپس میں دُبگاڑ کی کوئی بات نہ ہو۔"
حسن آرا: "کیا خدا نہ کرے مجھ سے خیر النسا سے کچھ بگاڑ ہے؟ نہیں نہیں، آپس میں لڑ بڑ لوگوں نے جانا بیر پڑ گئے۔" یہ کہہ کر حسن آرا خیر النسا کے گلے سے جا لپٹی۔

اہل شہر اور دیہاتیوں کا محاکمہ جسمیں دونوں کی طرز زندگی کا مذکور ہے اور ہر ایک کو اُسکے عیب پر متنبہ کر دیا ہی اور گفتگو اور وضع اور حالت اور ذہانت اور ہنر پر بحث کر کے نصیحت کی بہت باتیں نکالی ہیں!

استانی جی: "بھلا تم لوگوں میں تکرار شروع کس بات پر ہوئی تھی؟"
حسن آرا: "بات تو اتنی تھی کہ میں نے خیر النسا سے پوچھا تمہارے گھر ہوا کیا کرتا ہے یہ

بیوی صاحب لگیں بوتوں کے کام گنوانے بہن نے دہرا کر پوچھا تو مردوں کا قصہ نکال بیٹھیں تیسری بار پوچھا تو ذرا آپ بھی دیکھئے کہتی کیا ہیں دن کو دن رات کو رات۔"

انا نانی جی سُن کر مسکرانے لگیں اور کہا "سنو بُوا۔ خدا جانے تم کی بڑی کی دیا تم کو یوں پوچھنا تھا کہ وجہ معاش کیا ہے یا تمہارے باپ بھائی کیا پیشہ کرتے ہیں۔"

خیر النساء: "آپکا مطلب میں سمجھ گئی تھی مگر ان کو اپنی گفتگو پر اترانا تھا ان کے قائل کرنے کو میں بھی بات پہ اڑ بیٹھی تھی۔"

حسن آرا: "خیر اب فرمائیے آپ کی وجہ معاش کیا ہے؟"

خیر النساء: "زمینداری اور کھیتی اور غدر کے بعد سے کنبے کے دو چار آدمی نوکری بھی کرنے لگے ہیں۔"

حسن آرا: "بھلا سچ کہنا تم کو شہر میں رہنا بھلا معلوم ہوتا ہے یا گاؤں میں؟"

خیر النساء: "سچ تو یہ ہے کہ شہر میں میرا جی خوب نہیں لگتا اگر اس مکتب کا سہارا نہ ہوتا تو مجھ سے شہر میں ایک دن بھی نہ ٹھہرا جاتا۔"

حسن آرا: "آخر تم کو شہر میں تکلیف کس بات کی ہے؟ کیا کھیلنے اور بات کرنے کو محلے میں لڑکیاں نہیں؟"

خیر النساء: "لڑکیاں تو اتنی ہیں کہ شاید شہر بھر میں اتنی لڑکیاں نہ ہونگی جتنی اکیلی شاہ تارا کی گلی میں ہیں۔ صبح سے شام تک ایک تانتا لگا رہتا ہے۔ یہ آئی وہ آئی۔"

حسن آرا: "پھر تو گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں؟"

خیر النساء: "ان لڑکیوں سے میری طبیعت میل نہیں کھاتی۔ شہر کے لوگوں میں ظاہرداری اور منہ دیکھے کی محبت بہت ہے مگر کام پڑے پر طوطے کی طرح آنکھ پھیر

بدل ہی تو جاتے ہیں گویا کبھی کی جان پہچان نہ تھی، بادشاہ بیگم کو تو تم بھی خوب جانتی ہوگی ہمارے مکان سے اُنکا مکان ملا ہے۔ وزیر بیگم اُن کی چھوٹی بیٹی نے مجھ سے ایسا پیار اخلاص بڑھایا کہ رات دن میں ایک دم کو الگ نہ ہوتیں۔ خانم کے بازار میں داروغہ مصائب السلطان کے گھر شادی تھی۔ ہم لوگوں کو بھی بلاوا آیا اور بادشاہ بیگم تو داروغہ کی سگی پھوپھی کی بہن ہیں، اِن کا تو گھر بھر ہفتوں پہلے سے مہمان تھا۔ وزیر بیگم جب جانے لگیں تو زبردستی مجھ کو ساتھ لیے جاتی تھیں۔ پالکی پر سوار ہوتے ہوئے ہاتھ پکڑ لیا کہ میرے ساتھ چلو مگر بڑی مشکل سے میں نے اُن کو سمجھایا کہ ہم لوگوں سے اور داروغہ جی سے دور کا واسطہ ہے بن بلائے جانا مناسب نہیں جب شادی کے تین دن رہے تو میں بھی گئی۔ وزیر بیگم اپنی سہیلیوں کو لیے بیٹھی تھیں۔ مجھے اُترتی کو اُنہوں نے دیکھا بھی مگر جگہ سے ہلیں تک نہیں۔ میں نے سمجھا کھیل میں [illegible] ہے نہ خیال کیا ہوگا۔ اترنے کے ساتھ میں گھر والوں کے پاس تک بھی نہ گئی سیدھی وزیر بیگم کی طرف چلی۔ گھڑیوں پاس کھڑی رہی اس خدا کی بندی نے آنکھ اُٹھا کر بھی تو نہ دیکھا اپنا سا منہ لے کر میں سامنے کے دالان میں جہاں ہمارے ساتھ کے نوکر چاکر تھے جا بیٹھی۔ چھوٹی آپا نے مجھ کو چھیڑا بھی کہ اترتے کے ساتھ تیر کی طرح گئی تھیں [illegible] لے بیٹھے سے منہ اُس نے بات بھی نہ پوچھی۔ یہ سُن کر اس قدر مجھ کو شرمندگی ہوئی کہ پسینے پسینے ہو گئی اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ یہ وہی وزیر بیگم ہیں کیا ان کو کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد مجھ کو پیاس سی معلوم ہوئی۔ شہ نشین[1] میں ایک کوری صراحی رکھی تھی میں نے جانا کہ گھر والوں نے مہمانوں کے واسطے رکھوا دی ہے [illegible]

---

[1] مکان میں جو طاق دار جگہ بنی ہوتی ہے اس کو شہ نشین کہتے ہیں یعنی بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ ہو۔

سے اٹھا اس میں سے پانی پی لیا تو وزیر بیگم لال پیلی ہو کر کیا کہتی ہیں: "کیوں تو نے ہمارے پینے کی صراحی سے پانی بے پوچھے پیا" یہ کہکر صراحی کو فرش پر پٹاک دیا۔ تمام مہمان دیکھنے لگے اور بھرے مجمع میں مجھکو فضیحت کیا"۔

اُستانی جی: "وزیر بیگم کے ناحق بگڑ بیٹھنے کا سبب بھی کچھ تم نے دریافت کیا؟"

خیر النسأ: "بہتیرا سوچا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کوئی بات ہوئی ہو تو سمجھ میں آئے"۔

محمودہ: "میں اس کا سبب بتاؤں۔ میں بھی وزیر بیگم کے مزاج سے خوب واقف ہوں۔ اُن کو محلے میں اپنے میل کی لڑکیاں کھیلنے اور بات کرنے کو نہیں ملتیں۔ اس ضرورت سے اُنہوں نے تم سے ملاپ کیا۔ وہاں شادی میں اُن کو اپنے جیسی امیرزادیاں مل گئیں، تم سے ملنا عار سمجھیں"۔

خیر النسأ: "اُن کو مجھ سے صرف شادی میں ملنا عار تھا اور مجھ کو اُن سے ملنا انشاءاللہ عمر بھر عار رہیگا"۔

اُستانی جی: "کچھ عجب طرح کا معاملہ ہے، اکثر امیر مغرور ہوتے ہیں اور سب کو اپنے سامنے ہیچ سمجھا کرتے ہیں۔ دولت بھی بہت بری چیز ہے۔ آدمی کو شیطان بنا دیتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر:-

نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

حسن آرا: "بھلا خیر وزیر بیگم اگر تمہارے ساتھ بُری طرح پیش آئیں تو اُنہوں نے بڑی نالائقی کی بات کی۔ محبت ملاپ میں امیری غریبی سے کیا بحث باقی رہی مگر یوں تو شادی کا مجمع، مہمان داری کے سامان۔ مہمانوں کی شان، جہیز کی آرائش،

رسموں کی خوبی یہ باتیں تو تم نے ضرور ہی پسند کی ہوں گی۔"
خیر النساء:۔ اسمیں شک نہیں کہ کبھی شہر والوں کی شادی میں مجھکو شریک ہونیکا اتفاق نہیں ہوا تھا اور یہی شوق مجھکو لے بھی گیا تھا۔ مگر انجام کار کچھ دل کو فرحت حاصل نہ ہوئی خدا جھوٹ نہ بلوائے ہزاروں ہی عورتیں جمع تھیں مگر غور سے دیکھا تو سب ایک رنگ میں تھیں جسکو دیکھا شیخی اور نمود کی تصویر پایا۔ اتنے مہمان گھر میں بھرے تھے۔ سب تو امیر تھے ہی نہیں۔ جس کو خود مقدور نہ تھا کرایے کے کپڑے مانگے کے زیور پہنائے ہوئے نوکر ساتھ لایا تھا اور اسی پر اترا رہا تھا۔ ایک بیوی ریشمی موزے دکھانے کی غرض سے گھٹنوں تک پائینچے اٹھائے چلی آرہی ہیں۔ دوسری گرمی کے بہانے گلا کھول کھول کر زیور دکہا رہی ہیں، تیسری بے تکلف سر کھولے بیٹھی ہیں تاکہ چوٹی کی بندش، موباف کی قطع پر لوگوں کی نظر پڑے۔ ایک صاحبہ نے بازیب کی آواز سنانے کو گھڑی بھر میں خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی پچاس بیٹھکیں بدلی ہونگی۔ یہ تو اُن بیویوں کا حال تھا جن کے پاس کوئی چیز اپنی یا مانگے کی تھی اور اسکو جان جان کر دکہاتی تہیں۔ اور بعضیاں خالی خولی بھی اترا تیاں تھیں۔ ایک بیوی موٹی ململ کا دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھیں، آپ ہی آپ کوئی پوچھے نہ گچھے کیا کہتی ہیں اے دیکھنا بُوا بنارس کے سیاہ کامدار دوپٹے کا بھی رنگ کٹنا ہے بوندا کی ذرا کندھے پر ڈالا تھا تمام کپڑوں میں دھبے پڑ گئے، جلدی سے میں نے اتار پھینک دیا۔ ایک بیوی زیور میں لدی بیٹھی ہیں۔ اور ایک بے چاری غریب ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ بیوی جن کو میں بے چاری سمجھتی تھی کہتی کیا ہیں کہ دیکھا میرے کانوں کا کچھ ایسا جیسا گوشت خدا نے بنایا ہو کہ مطلق زیور کو نہیں سہار سکتے جڑاؤ

بالی پتے، مگر مرکیاں ہیں نے ذرا کی ذرا ڈالی تھیں کہ دُکھنے لگے، ایسا معلوم ہوا کہ اب کٹ پڑیں گے ناچار سادی بالیاں پہنیں۔ ان سے بھی سوچ سوچ کر کتنا ہوئے بیر نے کہا "پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان"ۓ کہیں ایسا نہ ہو بٹیا ٹ پڑ جائیں۔ اتار رکھے۔ غرض جس کو دیکھا شیخی کے مرض میں مبتلا پایا۔ آپس میں جو بیویاں باتیں کر رہی تھیں کسی کی غیبت، کسی کی شکایت، اس کے سوائے کچھ مذکور نہ تھا۔ جتنی تھیں کپڑوں کے رنگ اور خراش تراش اور وضع داری بس اسی میں محو تھیں۔ شادی کی خبر سُن کر بے چارے غریب غربا بھی مانگنے چلے آئے تھے۔ اتنا سامان تھا کہ دن رات دیگیں کھڑکتی تھیں مگر شاید ایک چاول خدا کے نام کسی غریب کو نہیں ملا۔ منوں کھانا ضائع ہوا، چوری گیا، رکھا رکھا سڑ گیا مگر نہ دیا تو محتاج کو۔ دینے کی جگہ غریبوں کو دھکے اور گالیاں دی جاتی تھیں۔ ایک بیچاری بڑھیا بھیک مانگنے نہیں معلوم کس طرح اندر محل میں چلی آئی تھی نیچے کا دھڑ رہ گیا تھا۔ خدا جانے بے چاری کس مصیبت سے گھسٹتی گھسٹتی آئی ہوگی۔ گھنٹوں انگنائی میں پڑی چلاّیا کی، مگر کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ سب اپنے اپنے کھانے میں لگے رہے اور میرا یہ بُرا حال کہ بڑھیا کی آواز کان میں چلی آئے اور لقمہ حلق سے نہ اترے۔ پہلے تو میں دیکھتی رہی کہ اب بھی کوئی گھر والی اس بڑھیا کی کچھ خبر لے جب بہت دیر ہوگئی اور کسی نے بات تک نہ پوچھی تو ایک خمیری روٹی میں ایک مٹھی چاول رکھ اپنے چھوٹے بھائی احمد کو دیئے کہ جاؤ وہ بڑھیا انگنائی میں بیٹھی ہے اسکو دے آؤ۔ جوں ہی احمد روٹی لیکر اٹھا

ۓ: ایک مثل ہو یعنی بھاڑ میں جائے وہ سونا جس سے کان ٹوٹیں۔

ان بیوی کی نظر پڑی جو ہم لوگوں کو کھانا کھلا رہی تھی۔ خدا جانے وہ کون بیوی تھیں مگر گھر والوں کے پاس کے رشتے کی ہونگی، اُنہوں نے دوڑ احمدؔ کے ہاتھ سے جھپٹا مارا۔ روٹی چھین لی اور بولیں "کچھ خدا کا بھی خوف ہے؟ دسترخوان پر آنکھوں دیکھتے یہ غضب؟"

میں بولی "خدا ہی کا خوف کھا کر میں نے یہ روٹی اس فقیرنی کو دینے بھیجی تھی" تب وہ بیوی کیا کہتی ہیں "حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ" بیوی تمہارا ایسا ہی خدا کا خوف ہے تو گھر جا کر لنگر بانٹنا"

مجھ کو جو ایسی سخت بات کہی تھی اس کا تو مجھ کو کچھ بھی رنج نہیں مگر میرے سبب سے بڑھیا غریب کی جو شامت آئی اس کا مجھ کو ابتک صدمہ ہے۔ ان بیوی نے جو بیچاری فقیرنی کو دیکھا۔ لونڈیوں پر اسقدر خفا ہوئیں کہ خدا کی پناہ، اور چلائیں نکالو نکالو اس مردار بڑھیا کو، کس نے اسکو یہاں آنے دیا۔ لونڈیوں نے بے تامل بڑھیا کو گھسیٹا دروازے کے باہر ڈال دیا۔ میری یہ کیفیت تھی کہ جی چاہتا تھا اس بیوی کا منہ نوچ لوں مگر کیا کر سکتی تھی۔ دسترخوان پر سے تو میں اسی وقت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ منہ بندھائی[1] میں دینے کے لئے ایک چونی میرے پاس تھی، وہی چونی میں نے احمدؔ کے ہاتھ بڑھیا کو بھیج دی اور اس کو اپنے مکان کا پتہ بتا دیا اور فوراً ڈولی منگا اپنے گھر چلی آئی"

استانی جی "کیا اتنے مہمانوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اس کو بڑھیا کی حالت پر رحم آیا ہو"

---

[1] مسلمانوں میں شادی کی ایک رسم۔

خیر النسأ:۔ جناب رحم کیسا۔ جب لونڈیاں اس کو گھسیٹنے لگیں سب کے سب ٹھٹھے مار مار کر ہنس رہے تھے۔ کھانے کے بعد لڑکیوں نے بڑھیا کی نقل کا کھیل بنایا۔

حسن آرا:۔ فقیرنیاں اکثر مکار بھی ہوتی ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اندھی بن جائیں۔ لنگڑی، لولی، اپاہج ہو جائیں۔"

استانی جی:۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ کیا کریں تو اصلی محتاج بھی محروم رہ جائیں۔ اور خیرات کا سلسلہ منقطع[1] ہو جائے۔ دینے والے کو اتنی تفتیش[2] سے کیا مطلب اور مانگنا تو بڑے شرم کی بات ہے۔ کوئی آدمی بے ضرورت سوال نہیں کرتا، آخر کو جو مکر کر کے مانگتے ہیں ان کو بھی حاجت نے مجبور کر رکھا ہے۔"

حسن آرا:۔ کیوں؟ بعضے بے حاجت بھی مانگتے پھرتے ہیں۔ غیرت باقی نہیں رہی، کمانے کیلئے بھیک سے زیادہ کوئی سہل تدبیر نہیں۔ ہمارے محلے میں چند روز ہوئے ایک فقیرنی مری تھی، نہیں معلوم کتنی اشرفیاں، کے منڈے روپے اسکی کوٹھری میں سے نکلے۔ پس کیا حاجت اُس سے بھیک منگوانی تھی؟ نہیں۔ بلکہ طمع۔"

استانی جی:۔ بھلا طمع سے کوئی فرد بشر خالی ہے؟"

حسن آرا:۔ طمع تو سب کو ہے، مگر طمع[3] والوں کی مدد کرنا کچھ ضرور نہیں۔"

استانی جی:۔ ایسا نہ ہو کہ خداوند کریم جو سب کو دیتا ہے اس قاعدے کا برتاؤ کرے۔ البتہ حاجت مند کا حق مقدم ہے۔ بہتر ہے کہ جن کو واقع میں حاجت ہو ان ہی کو دیا جائے مگر نہ دینے کیلئے خواہ مخواہ ہر ایک پر بے وجہ شبہ بھی مت کرو بے تحقیق دینے کی

---

[1] خیرات کا تانتا ٹوٹ جائے یعنی خیرات بند ہو جائے [2] تلاش [3] لالچ والوں

یہی نا کہ بعض بے استحقاق لئے جائیں گے مگر اس زمرے میں سینکڑوں مستحق بھی تو پا جائیں گے۔ اکثر اس قسم کی حجتیں وہ لوگ نکالا کرتے ہیں جنکو خدا کے نام دینا منظور نہیں ہوتا۔"

حسن آرا "کیوں بوا خیر النسا یہ عیب جو تم شہر والوں میں بتاتی ہو کیا گاؤں میں نہیں ہوتے؟ دیہات میں سب اللہ کے ولی ہی تو بستے ہیں۔"

خیر النسا "نہیں اچھے بُرے سب ہی جگہ ہوتے ہیں، گاؤں شہر پر کیا موقوف ہے۔ مگر اتنا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ گاؤں والوں میں اتنی شیخی، اتنی نمود اتنی ظاہرداری ہرگز ہرگز نہیں ہوتی۔"

حسن آرا "بھلا شہر والوں کے مزاج خراب سہی مگر شہر والونکی وضع کیا ہی مطبوع[2] وضع ہے۔"

خیر النسا "کچھ آپ ہی کے نزدیک شہر والونکی وضع مطبوع ہوگی۔ پردہ داری تو بالکل نہیں۔ یہ احمد میرا چھوٹا بھائی نہیں ہے۔ اس نے شہر کے لڑکوں کے دیکھا دیکھی سر پر بال رکھے تھے۔ اب یہ بلا کا اہتمام ہے کہ دوسرے دن آنولوں سے سر دھویا جاتا ہے۔ دن میں دس دس مرتبہ کنگھی ہو رہی ہے۔ صبح و شام تیل ڈالا جاتا ہے جب تک بال چھوٹے رہے کہیں شلجموں کے پانی سے سر دھلتا ہے کہیں ماش کی دال ملی جاتی ہے۔ اماں کہتی بھی تھیں کہ جس دن تیرا باپ آیا کھڑے کھڑے تیرا سر منڈا کر ریگا۔ جتنا بناؤ سنگار تجھ سے کرتے بن پڑے کر لے، آخر تو یہ بال نائی کے گھر جائیں ہی گے اگر جانتے ہوئے خدا کا کرنا ابا بھی آموجود ہوئے۔ میاں احمد کو دیکھو تو ہر دم عمامہ[3] سر پر

---

[1] گروہ [2] عمدہ پسندیدہ [3] یہ محاورہ ہے مطلب یہ ہے کہ احمد جو میرا چھوٹا بھائی ہے [4] دوپٹہ۔ پگڑی

بندھا ہو کہ کہیں بال نہ دیکھ لیں۔ مگر بانکپن تو سر پر سوار تھا، چھپے کیونکہ ابا نے دیکھ ہی لئے بہت خفا ہوئے کہ مردود شہر والوں کی طرح تو بھی زنخہ بنے گا۔ کیسا حجام، کس کا نائی۔ قلمدان سے مقراض نکال اپنے ہاتھوں سے بالوں کا ڈھیر لگا دیا اب میاں احمد ہیں کہ گنجا سر لئے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اماں سے کہا کہ پڑھوانے کے لالچ سے تم لڑکوں کو یہاں لائی تو ہو مگر ایسا نہ ہو کہ ان کو شہری عنڈہ بنا کر لے جاؤ۔ دیکھو خبردار خیرن[1] کو شہر کی لڑکیوں میں مت بیٹھنے دینا، شہر کے مردوں کی وضع تو خیر عورتوں کی وضع نعوذ باللہ[2] بالکل خلاف شرع اور خلاف حیا ہے۔"

استانی جی:" تمہارے ابا نے بہت ٹھیک کہا۔ مگر دیکھو بوا خیر النسا مجھکو شہر والیاں چھیڑتی بھی ہیں لیکن میں ان کی وضع کی تقلید[3] نہیں کرتی۔"

خیر النسا:" جناب آپ اپنے تئیں ناحق شہر والوں میں گنتی ہیں نہ شہر والوں کا سا آپ کا مزاج، نہ شہر والوں کی سی آپ کی عادت۔ آپ تو دیہاتیوں سے بھی زیادہ پردہ دار کپڑا پہنتی ہیں۔ آپ کی دیکھا دیکھی تو میری اماں بڑی آستینوں کی کرتی پہننے لگیں ہیں۔"

اُستانی جی:" لو حسن آرا بیگم! یہ تو بڑی بے حیا بات ہے کہ خیر النسا شہر والوں میں عیب پر عیب نکالتی جاتی ہیں۔"

حسن آرا:" کیا بتاؤں مجھ کو دیہاتیوں کے حال سے خوب واقفیت نہیں ورنہ

---

[1] یعنی خیر النسا [2] ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں حقارت اور نفرت کی جگہ بولتے ہیں [3] نقل پیروی

ابھی ہفت ہفتاد پشت تک اکھاڑ کر رکھ دیتی۔ اور ذرا آپ ان شہر کی لڑکیوں کو دیکھیے یہ جو کچھ بوچھاڑ ہو رہی ہے، کوئی ہوں بھی کرتی ہے؟ کیسی دم بخود[1] بیٹھی سن رہی ہیں"۔
محمودہ "بھلا بوا خیر النساء! شہر والو ذرا خیر النسا کو میری ایک بات کا پہلے جواب دے لینے دیجیے۔ کیوں بوا خیر النسا گفتگو شہر والوں کی بہتر ہوتی ہے یا دیہات والوں کی؟"
خیر النسأ "تم سب شہر والیاں ایک طرف ہو جاؤ گی تو مجھ اکیلی کو قائل کر دینا کون بڑی بات ہے مگر کوئی مجھ کو تو یہ سمجھا دے کہ گفتگو کی بھلائی برائی ہے کیا چیز؟"
محمودہ "گفتگو کی خوبی یہ ہے کہ اس میں سختی نہ ہو، بولنے والے کی زبان سے لفظ آسانی کے ساتھ ادا ہوں، سننے والے کو گراں نہ گزریں"۔
خیر النسأ "گاؤں والوں کو بھی اپنی بولی ہرگز سخت نہیں معلوم ہوتی"۔
محمودہ "معلوم کیوں کر ہو وہ شہر کی بولی کی نرمی سے واقف نہیں۔ تم بولو کہ دونوں بولیوں میں تم کو کہاں کی بولی بھلی معلوم ہوتی ہے"۔
خیر النسا "بھلی بُری تو میں کچھ جانتی نہیں مگر شہر والے جو اپنی نرم اور نازک بولی سے کام لیتے ہیں۔ وہی کام گاؤں والے اپنی کرخت بولی سے نکالتے ہیں۔ کوئی مطلب ان کا اٹکا نہیں رہتا"۔
حسن آرا "بس یہی تو گنوار پن ہے کہ بھلے بُرے میں امتیاز نہیں۔ مجھ کو تو دیہات کی بولی ایسی بُری معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے پتھر کھینچ مارا۔ سیدھے بول کی بھی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دیتے ہیں"۔

---

[1] چپ چاپ۔ دم بخود۔

شہر بانو: "اس میں تو شک نہیں کہ دیہات والے لفظوں کی بڑی شامت لاتے ہیں کوئی لفظ تشدید سے خالی نہیں، لونن کو جب بولیں گے ڑوں ہانی کو پانڑی، گاڑی کو گاڈی۔ خیر النسا کی بولی شہر میں رہنے سے بہت سنبھل گئی ہے پھر بھی زبان کی اینٹھن نہیں گئی۔ کچھ عجیب طرح سے لفظوں کو مڑوڑ تڑوڑ کر بولتی ہیں۔ کیوں آپا محمودہ یاد ہے جب خیر النسا نئی نئی آئی تھیں تو کس طرح کی بولی بولتی تھیں۔"

محمودہ: "خیر النسا ایسی احسان فراموش نہیں ہے۔ شہر والوں کا یہ سلوک تو ضرور یاد رکھیں گی کہ انکی بدولت اِن کی زبان درست ہو گئی۔"

خیر النسا: "ایک زبان کا درست ہونا میرا تو رُواں رُواں شہر والوں کا احسان مند ہے۔ تھوڑا بہت لکھنا، پڑھنا، سینا، پرونا، پکانا، رہن سہنا جو کچھ مجھ کو آتا ہو سب کچھ شہر ہی کی بدولت ہے۔ مگر میں تو کہتی ہوں کہ شہر والوں نے میری بولی خراب کر دی۔"

حسن آرا: "لو اور سنو۔ وہی کہاوت ہے۔ گدھے کو نون دیا اُس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔"

خیر النسا: "یہ بڑی شہر والی ہیں اور ان کو اپنی گفتگو پر بڑا ناز ہے۔ نہ سمجھیں نہ بوجھیں کہہ دینے سے کام۔"

حسن آرا: "سیدھی تو بات ہی۔ پہیلی نہیں چیستان نہیں، سمجھنے کو کیا ہوا۔ تم نے ہی ہی کہا نہ کہ شہر والوں نے میری بولی کو بگاڑ دیا۔"

خیر النسا: "ہاں ہاں بگاڑ دیا۔ اب خدا کریگا میں پھر اپنے گھر جاؤں گی۔

تو وہاں والے میری باتوں پر ہنسیں گے اور میری نقلیں کریں گے۔"

استانی جی: "خیر النساء سچ کہتی ہیں۔ بڑی خرابی کی بات ہے شہر کی بولی بولو تو گاؤں والے ہنسیں اور دیہات کی بولی بولو تو شہر والے چھیڑیں۔"

حسن آرا: "دس نکٹوں میں ایک ناک والا نکو۔ اب کیا نکٹوں کے ڈر سے آدمی ناک کٹا ڈالے۔ خیر النساء شوق سے تم یہی بولی بولنا۔"

خیر النساء: "نہیں بوا میں تو جیسا دیس ویسا بھیس۔ شہر میں آئی کتابی بولی کرنے لگی۔ گھر گئی، پھر وہی اٹا روٹی۔"

حسن آرا: "گاؤں میں تم جاؤ گی تو سہی مگر ممکن نہیں کہ وہاں تمہارا جی لگے۔ انشاء اللہ اگلے ہی مہینے اُلٹے پاؤں پھر کر نہ آؤ تب ہی کہنا۔"

خیر النساء: "ہم گاؤں والیوں کا خدا ایسا دیدہ ہوائی نہ کرے کہ گھر دل میں جی نہ لگے۔ اس مکتب کے سوا اور بھی کوئی چیز ہے جس کو میں گاؤں میں جاکر یاد کروں گی۔"

حسن آرا: "ہزاروں لاکھوں چیزیں یاد کرنے کی ہیں، ایک بات ہو تو کہوں۔ بڑے سویرے بچھونے سے نہیں اٹھے کہ چنے بیل والوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں اور دن بھر۔"

خیر النساء: "اے لاحول ولا قوۃ! چنے بھی کوئی آدمیوں کا کھانا ہے یا جانوروں کا دانہ۔ بس دیکھی شہر والوں کی نزاکت۔"

مله یہ بھی مثل ہے یعنی یہاں کتا اور بلی پر نثر ریا۔ پوچھنا چاہیے اس واسطے کہ خیر النساء کا یہ شہر والوں کی تعجیب یا اعتراض کرنا منظور ہے۔ دونوں کو مشدد پڑھا جائے جیسا کہ دیہات میں بولتے ہیں۔

ٹه گناہ سے بچنا اور بھلائی پر قدرت پانا بے خدا کی مدد کے نہیں ہوتا یہ جملہ بھی نفرت و حقارت کے موقع پر بولا جاتا ہے۔

حسن آرا: وہ دیہاتی چنے ہیں جن کا تم مذکور کرتی ہو۔ شہر کے چنے سبحان اللہ[1] بھلتے ہوئے گرما گرم، سوندھے خستہ اٹھنڈی[2] کا نام نہیں، نرم ایسے کہ بے تکلف نوپلی[3] کھائی ہیں شہر بانو! اور لطف یہ ہے کہ کوڑیوں اور لوہے کی کیل، پرانے ٹاٹ اور گودڑ کے بدلے چنے لے لیجیے۔"

حسن آرا: اور چنے والا ابھی گلی سے باہر نہیں نکلا کہ خوانچے والا آموجود ہوا، تازہ حلوا پوری تازی خستہ کچوریاں۔ تازہ مٹھائی ہمہ نعمت موجود، ایک گیا ایک آیا۔ ایک گیا ایک آیا۔ پہر رات گئے تک یہ ہی تار لگا رہتا ہے۔ برتن کپڑا، گوٹا کناری، برف میوہ پھول ترکاری جو چیز چاہیے گھر بیٹھے لے لیجیے۔ کتنے بڑے آرام کی بات ہے۔ کباب ایک سے ایک چٹپٹے مزیدار مٹھائیاں۔ ایک سے ایک تحفہ خوشگوار۔ چھ کوڑی کا سودا لو تو بھی دو نے میں دیں گے یہ نہیں کہ سودا لینے جاؤ تو بھیک کا پیالہ گھر سے لے کر نکلو۔ سودے والوں کی صدائیں سننے والوں کے دلوں کو لبھائیں۔ حق تو یہ ہے کہ دنیا کی بہشت شہر ہے خدا رکھے تو شہر میں ورنہ گاؤں کے جینے سے مجھ کو تو مرنا قبول ہے۔"

خیر النساء: اللہ ری چٹوری، منہ سوئی پیٹ کوئی۔ بس کھانے پر مرتی ہیں۔ ہم دیہاتیوں میں بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں بازار کی چیز زبان پر کبھی نہ رکھیں۔ ہم لوگوں میں تو اس کا بڑا عیب گنا جاتا ہے۔"

حسن آرا: آہا۔ آپ بڑی بھلی مانس۔ بڑی اشراف، کیوں نہ ہو شریف پور میں نا آپ رہتی ہیں، اور ہم شہر والے کمینے رذالے۔"

خیر النساء: کیوں کیا باہر والوں کی شرافت میں بھی کچھ کلام ہے؟ ہم لوگ ٹکسالی اشراف

---

[1] پاک ہے اللہ [2] بھربھرے [3] جو دانہ بھننے سے رہ گیا ہو [4] جس کے دانت ٹوٹ کر گر گئے ہوں۔

ہیں" حسن آرا: "تمہاری ذات کیا ہے؟"
خیر النساء: "بے چارے پتلی دال کے کھانے والے شیخ۔"
حسن آرا: "میں تو مغلانی ہوں۔ کیوں بُوا۔ کیا اس مکتب میں کوئی اور شیخ نہیں"
حلیمہ: "میں ہوں" کلثوم: "میں بھی شیخ ہوں" زبیدہ: "ہم بھی شیخوں ہی کے نام لیوا ہیں۔"
خیر النساء: "حلیمہ اور کلثوم کا حال تو میں کچھ جانتی نہیں۔ زبیدہ جیسی شیخوں کے نام لیوا مجھ کو خوب معلوم ہے۔ اور زبیدہ نے کہا بھی ٹھیک اپنے تئیں شیخ نہیں کہا شیخوں کی نام لیوا کہا۔ زبیدہ! تم شیخوں میں کون شیخ ہو؟"
زبیدہ: "کون شیخ تو میں جانتی نہیں شیخ البتہ سنا کرتی ہوں۔"
خیر النساء: "اجی قریشی ہو۔ عثمانی ہو صدیقی ہو (ہنس کر) ڈفالی ہو؟"
زبیدہ: "یہ مجھ کو نہیں معلوم مگر ڈفالی تم ہو۔"
خیر النساء: "تمہارے ماموں کا کیا نام ہے؟" زبیدہ: "مرزا یاور علی بیگ۔"
خیر النساء: "اور خالو؟" زبیدہ: "میر تقی" خیر النساء: "بہنوئی؟" زبیدہ: "دلاور خاں۔"
خیر النساء: "بوا تم خاصی سنت نجی شیخ معجونی ہو۔ ایک گھر میں چاروں ذات بیگم صاحب شہر کے شیخوں کو آپ نے دیکھا؟"
حسن آرا: "دوسری ذات میں رشتہ ناتا کرنا کیا کچھ منع ہے؟"
خیر النساء: "شریعت میں تو منع نہیں مگر باہر کے اشراف منع سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ شہر کا یہ قاعدہ ہے کہ ذات جماعت کچھ نہیں دیکھتے۔ صورت شکل اور روپیہ پیسہ دیکھ لیا۔ پھر نہ بیٹی لینے کا مضائقہ نہ بیٹی دینے میں عار اور دیہات والوں میں استخوان (ہڈی) پونی

اچھی چاہیئے۔ دولت ہو یا نہ ہو۔"

محمودہ۔ "بھلا اس سے حاصل؟ جب خدا رسول کے نزدیک منع نہیں تو ذات کوئی چیز نہیں۔"

خیر النساء۔ "حاصل حصول تو میں کچھ جانتی نہیں۔ بزرگوں سے ایک بات ہوتی چلی آتی ہے۔"

استانی جی۔ "دنیا میں بے وجہ کوئی رسم جاری نہیں ہوئی۔ ذات سے بھی بڑے بڑے فائدے تھے اور ہیں۔ دنیا میں ذات سے زیادہ پرانی کوئی رسم نہیں اور کچھ نہ کچھ تو فائدہ اس رسم سے ہے کہ آج تک یہ رسم موقوف نہیں ہوئی۔ شروع پیدائش دنیا سے کئی ہزار برس تک بادشاہت کا انتظام ٹھیک نہیں پایا چاروں طرف لوٹ کھسوٹ مچی رہتی تھی آئے دن ڈاکے پڑا کرتے تھے اور ہمیشہ آپس میں مار کٹائی ہوا کرتی تھی۔ ان دنوں جان و مال دونوں غیر محفوظ تھے۔ اس واسطے پہلے لوگ جتھے باندھا کرتے تھے اور ایک دادا پردادا کی اولاد ایک گروہ بن جاتی تھی جس گروہ میں آدمی زیادہ ہوتے تھے وہی گروہ زبردست گنا جاتا تھا۔ اس واسطے ہر گروہ میں یہ عہد و پیمان ہوتا تھا کہ آپس ہی میں شادی بیاہ ہو اور اس گروہ کی طاقت کو گھٹنے نہ دیں۔ یوں ذات برادری کی رسم دنیا میں پھیلی جو آج تک چلی جاتی ہے کچھ ذاتیں پیشوں کے اعتبار سے بھی الگ ہوئیں مثلاً جولاہے، موچی، لہار، بڑھئی وغیرہ اور اس سے یہ فائدہ تھا کہ اس ذات کے لوگ اپنے تئیں اس پیشے کا ٹھیکہ دار سمجھ کر اطمینان کے ساتھ کام کریں اور غیر آدمی اس کام کو ہاتھ نہ لگائیں چنانچہ یہی دستور اب تک پایا جاتا ہے۔ ہوتے ہوتے بادشاہت کا انتظام بہ خوبی بیٹھ گیا، جان و مال کی حفاظت کے لئے اب نہ جتھا درکار ہے نہ گروہ، ویسی ذات برادری کا بچار (خیال) کم رہ گیا ہے اور شہر والوں سے تو اب بالکل اُٹھ ہی گیا۔

پیشوں کے اعتبار سے جو ذات کا امتیاز تھا اُس میں بھی کمی ہے۔"

خیر النساء:"تو ذات کوئی فخر کی بات نہیں ہے؟"

استانی جی:"آدمی آدمی سب برابر، فخر کی بات اگر ہی تو ہنر ہے"

خیر النساء:"مگر ذات پہلے سے چلی آتی ہے تو ذات پر فخر بھی پہلے سے چلا آتا ہے۔"

استانی جی:"جن لوگوں سے ذاتیں چلیں وہ بڑے نمود کے لوگ تھے اور اپنے گروہ میں سردار تھے۔ اگر فخر کریں تو وہ لوگ۔ اور یوں تو ذات پر برابر فخر ہوتا چلا آیا ہے کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ اسمیں لوگ شیخی خورے نہ رہے ہوں جب لیاقت والے بزرگ مر گئے جن کا نام تھا۔ انکی اولاد میں کوئی نام و نمود والا ہوا نہیں۔ اب یہ فخر کریں تو کس بات پر۔ بے چارے مُردوں ہی کی ہڈیوں کو پڑے چھچوڑ رہے ہیں۔"

خیر النساء:"کچھ ہو مگر دُھنے جولاہوں کی برابری تو نہیں ہو سکتی۔"

استانی جی:"پھر حسن آرا بیگم کی امیری پر ناحق کا اعتراض ہے۔ ان کو امیری کا گھمنڈ تو کسی قدر جا سے بھی ہے اِن کو خدا نے دولت تو دے رکھی ہے تمہارے پاس نری شیخی کے سوائے اور کیا ہے، اور خدا کے یہاں سے تو اس کی پرسش ہی نہیں۔ دیکھو اس زمانہ کی سیدانیاں اپنے تئیں کتنا دور کھینچتی[۱] ہیں اور پیغمبر صاحب نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو جن سے سیدوں کی جڑ بنیاد ہے بلا کر فرمایا کہ اے فاطمہؓ اس دھوکے میں مت رہنا کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں بلکہ قیامت کے لئے سامان کرو، جب خود حضرت فاطمہؓ کا یہ حال ہے تو آب اور کس گنتی میں ہیں۔ ہندی کا ایک دوہا کیا ہی اچھا ہے۔ دوہا:۔

---

[۱] یعنی کس قدر اپنے تئیں دوسروں سے اونچی سمجھتی ہیں۔

ذات[1] پات پوچھے نہیں کوئی ÷ ہر کا بھجے سو ہر کا ہوئی!

حسن آرا: "کیوں خیر النساء، اب تو کبھی ذات کا نام نہ لوگی؟"

خیر النساء: "تم تو بات بات میں امیری نہ جتاؤ گی۔"

استانی جی: "ذات اور امیری پر کیا موقوف ہے، غرور تو کسی بات پر کرنا ہی نہیں چاہیئے۔"

حسن آرا: "دیہات والے چاہے ٹکسالی اشراف ہوں مگر عجب روڈبی بھدی اور بے ہنگم صورتیں ان کی ہوتی ہیں کہ بے اختیار ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔ نزاکت تو کسی کو چھو نہیں گئی۔ اچھی بھلی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں۔"

خیر النساء: "شہر والوں کی وضع اور تراش خراش کا جواب تو میں پہلے ہی دے چکی ہوں۔ اگر وضع داری بے پردگی کا نام ہے تو ایسی وضع داری کو سلام ہے اور ذرا مجھ کو نزاکت کے معنی سمجھا دیجئے۔"

حسن آرا: "مجھ کو تو ایسی ہندی کی چندی نہیں آتی۔"

محمودہ: "نزاکت یہ کہ دبلا ڈیل، سوکھے ہوئے ہاتھ پاؤں، کم خوراک، محنت اور تکلیف کی برداشت نہ کر سکے۔"

خیر النساء: "کیوں بیگم صاحب نزاکت کے یہی معنی ہیں نا جو محمودہ نے بیان کئے۔"

حسن آرا: "بیشک" خیر النساء: "بس ہاری اور تم جیتیں۔ خدا ہم دیہات والوں کو روگی اور اپاہج نہ کرے۔ کیا الٹی سمجھ ہے، معذوری پر فخر اور مرض پر ناز۔" اس کے بعد سب نے سکوت کیا تو خیر النسا بولی: "اور بھی کسی کو دیہات والیوں پر اعتراض کرنے کا حوصلہ ہو تو کہہ گزرو۔"

حسن آرا: "ابھی تو میرے ہی اعتراض باقی ہیں۔ دیہات والیوں کے لیے سلیقہ

---

[1] یعنی ذات پات کچھ پوچھی نہیں جاتی جو خدا کی یادگاری کرے وہی خدا کا مقبول ہو۔

ہونے میں بھی کچھ کلام ہے؟"

خیر النساء: "میں شہر والیوں کے لغت[1] کم سمجھتی ہوں۔ پہلے تو یہ فرمایئے کہ سلیقہ کس کو کہتے ہیں؟"

حسن آرا: "نشست و برخاست بات چیت کا دستور سلیقہ بولا جاتا ہے۔"

خیر النساء: "یہ واللہ باللہ اور قبلہ و کعبہ[2] اور مجرا[3] اور کورنش اور مزاج مقدس[4] یہی تھا۔"

حسن آرا: "ہاں یہ بھی داخل سلیقہ ہے۔ دیہات والیوں کی طرح یہ نہیں بو بو سلام بو بو سلام۔" حسن آرا نے اس طرح دیہات والیوں کی بولی کی نقل کی کہ سب لڑکیاں ہنس پڑیں اور خود خیر النسا بھی ہنسی کو ضبط نہ کر سکی۔

خیر النساء: "یہ تو وہی بولی کا طعنہ ہوا۔ جھوٹے تپاک[5]۔ ظاہر داری کے اشتیاق بناوٹ کی لگاوٹ۔ منہ دیکھے کی محبت۔ دکھاوے کے پیار کس کام کے۔ ہم باہر والے سیدھے سادے، منہ پر کم اور دل میں بہت۔ میں وزیر بیگم کے ہاتھوں اسی ظاہر داری کے دھوکے میں تو ماری پڑی۔ میٹھی چھری زہر کی بجھی۔ منہ در منہ خالہ نانی پیٹھ پیچھے دشمن جانی۔ چلو مکّارو۔ دیکھے تمہارے سلیقے۔ اونچی دکان پھیکا پکوان، میں تمہارے رگ و ریشہ سے واقف ہوں۔ بس بہت منہ مت کھلواؤ۔ ابھی تکلف کا لفافہ ادھیڑ کر رکھ دوں گی۔"

محمودہ: "بیگم صاحب اب بس کیجئے۔ ان کو وزیر بیگم کی بے وفائی پر غصہ آگیا ہے۔"

خیر النساء: "ہرگز مجھ کو غصہ نہیں ہے بے شک ان کو اعتراض کرنے دیجیے۔ میں ان کو

---

[1] مشکل الفاظ جن کے معنی معلوم نہ ہوں [2] قبلہ و کعبہ تعظیم کے الفاظ ہیں بزرگوں کی شان میں کہے جاتے ہیں [3] مجرا اور کورنش تعظیمی سلام کے الفاظ ہیں [4] پاک [5] گہری ملاقات

قائل کر کے رہوں گی۔"

حسن آرا: "ہاں؟" خیر النساء: "ہاں اور ہاں۔"

حسن آرا: "بھلا سچ کہنا دیہات والیاں بے ہنر ہوتی ہیں یا نہیں؟"

خیر النساء: "قصور معاف، یہ اعتراض آپ کے منہ سے اچھا نہیں لگتا۔ کوئی اور لڑکی کہے تو جواب دوں۔"

حسن آرا: (کھسیانی ہو کر) "میرا کیا مذکور تھا میں اب تک دولت کو ہنر سمجھتی رہی اب خدا نے بھی چاہا تو تھوڑا بہت سیکھ ہی لوں گی۔ مگر ہنر مندوں سے شہر بھرا پڑا ہے بہتر سے بہتر سلائی، بہتر سے بہتر کاڑھنا، بہتر سے بہتر کام ہر ہر گلی کوچے میں ملتا ہے۔"

خیر النساء: "سچ ہے دیہات میں ایسے ہنر نہیں آیا اور۔"

حسن آرا: "بھلا شکر ہے تم نے ایک بات تو مانی۔"

خیر النساء: "ذرا سن تو لیجیے ان ہنروں کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ دیہات میں ان چیزوں کی قدر نہیں اور نہ دیہات والوں کو ایسے تکلفات کی ضرورت اور عادت ہے۔"

حسن آرا: "نہیں گاؤں والوں میں کچھ عقل بھی واجبی۱ ہی واجبی ہوتی ہے۔"

محمودہ: "عقل کی ترقی کے سامان گاؤں والوں کو میسر نہیں، زمین سے غلہ پیدا کر لینا اور مویشیوں کو پالنا۔ بس یہی دو بڑے کام ہیں۔"

خیر النساء: "کھیتی بھی بجائے خود بڑا مشکل کام ہے۔ ذرا دولت ہنسار۲ کو دیکھو۔ زمین کو درست کرنے اور جنس کو اعلیٰ اور عمدہ بنانے کی کیا کیا نادر تدبیریں لکھی ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ کوئی کرتا کراتا نہیں۔ زمین جوتنا کر بیج بو دیا اللہ اللہ خیر صلاح۔"

---

۱ یعنی کم۔ کچھ یوں ہی سی ۲ ایک کتاب کا نام ہے۔

حسن آرا: "کیا دیہات میں عورتیں بھی کھیتی کرتی ہیں؟"

خیر النسا: "غریب آدمی جن میں پردے کا رواج نہیں ان کی بہو بیٹیاں مردوں کے برابر کھیتی میں کام کرتی ہیں۔ مگر ہم لوگوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہماری یہ ہی کھیتی ہے۔ گھر میں ترکاریاں بولیں۔ امرود۔ انار۔ آڑو۔ فالسہ۔ کھرنی۔ لیموں۔ نارنگی۔ بیر۔ تم اس طرح کے میوہ دار درخت جگہ ہوئی تو لگا لئے۔ باجی بہلانے کو ایک آدھ کیاری میں پھول، مگر پھر بھی دیہات والے اس نمونۂ قدرت[1] الہی سے ایسے ناواقف نہیں ہوتے کہ خشکے[2] کے پیڑ اور تنجن کے درخت کو دیکھ کر حیرت کریں۔"

استانی جی: "دیہات والیوں کے حال پر البتہ مجھ کو بھی اس خیال سے تاسف[3] ہوا کرتا ہے کہ ان کی عقل کی اصلاح[4] کا کچھ سامان بہم نہیں پہنچتا۔ بیچاریاں انواع واقسام کے اوہام میں مبتلا رہتی ہیں۔ ٹونے ٹوٹکے، اتارے چڑھاوے، نظر گذر، جن، آسیب بھوت، پریت، چڑیل، فال، شگون، جھاڑ، پھونک، جادو منتر، نذر، منت ان چیزوں کا بچار خیال، گاؤں والوں میں اکثر ہوتا ہے۔ شہر میں بھی یہ خرابی کیوں نہیں تھی۔ اب خدا خدا کر کے مولویوں نے درس سنا سنا کر کفر توڑا ہے یہی خیر النسا موجود ہیں، انکی چھوٹی بہن کو کس مصیبت سے میں نے چیچک کا ٹیکہ دلوایا ہے معاذ[5] اللہ

---

[1] یعنی زمین سے پھولوں، اور پھلوں اور غلہ کا پیدا ہونا خدا کی قدرت کا نمونہ ہے جسکی قدر دیہات میں بہت کیجاتی ہے [2] کہتے ہیں کوئی بھولا شاہزادہ ہوا خوری کیلئے کھیتوں میں جا نکلا دھانوں کا موسم ہرے ہرے دھان اسکو بہت بھلے لگے۔ پوچھا لوگوں نے بتایا کہ دھان کے کھیت ہیں اُس نے کبھی دھان کا نام نہیں سنا تھا مصاحبوں نے خشکے کے پیڑ تنجن کے درخت کا اس کو پتہ دیا [3] افسوس [4] درستی [5] خدا کی پناہ۔

عورتوں کے توہمات کی ایک حکایتِ طولانی

دیہات والوں کے خیالات میں بے دینی بہت ہو۔ سبب کیا ہے؟ علم کی کمی، عقل کی کوتاہی۔ ہمارے دور کے رشتے کی ایک نانی تھیں کوئی چار پانچ برس ہوئے پورے سو برس کی ہوکر مریں۔ ان کے خیالات سنو تو نہایت تعجب کرو۔ ایک تو اگلے وقتوں کی آدمی دوسرے مدتوں رہیں باہر، دیہات والیوں کی خُو بو اُن میں اتنا اثر کر گئی تھی کہ بس وہم کا پتلہ بن گئی تھیں۔ مگر بے چاری رہیں سدا غم زدہ۔ میاں، بھائی، جوان، جوان بیٹے۔ جوان جوان بیٹیاں ایک ایک کر کے ان کے روبرو مرے اب اپنی مرتبوں کو شہر میں آکر رہیں تو صرف ایک بھتیجا ساتھ تھا۔ بھرے کنبے میں ایک بچہ بچا تھا۔ یوں ہی اسکی اللہ آمین تھی اور اس پر (اللہ جنت نصیب کرے) نانی کی احتیاط۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ کس آفت میں وہ لڑکا مبتلا رہتا تھا، کوئی کہہ ہو دوا تو اس بے چارے نے جانی ہی نہیں کہ کس کو کہتے ہیں۔ بس ٹونے ٹوٹکوں پر ہی اس کی زندگی تھی۔ جب نانی اس کو لے کر شہر میں آئیں تو کوئی چار مہینے کا بخار تھا۔ لڑکا لنگوڑا سوکھ کر کانٹا ہو گیا تیلیوں جیسے ہاتھ پاؤں۔ رنگت جیسے کسی نے

منہ پر ہلدی مل دی ہو۔ کلّوں پر، آنکھوں پر ہاتھ پاؤں پر اچھا خاصہ ورم موجود۔ تلّی اتنی بڑھی ہوئی کہ پیٹ میں سانس مشکل سے سمائے اور اسکے ساتھ کھانسی کھانسی بھی کیسی کھانسی کہ رات دن دم نہ لینے دے۔ یہ تو حال تھا مگر ادھی کی دوا نہیں ملتی تھی۔ خدا نہ کرے کچھ پیسے کا لالچ نہیں۔ اس لڑکے کے لئے نانی کو اپنی جان تک دریغ نہ تھی اور سوا ئے اس کے اِن کا اور تھا کون؟ آپ گور میں پاؤں لٹکائے

بیٹھی تھیں۔ مال و متاع جو کچھ تھا اسی لڑکے کا تھا۔ جوں ہی پالکی سے اس نیم جان لڑکے کو لے کر اتریں ہم سب تو اسکی صورت دیکھ کر ڈر گئے۔"

"میں اچھی نانی اس لڑکے کا کیا حال ہے اور کب سے یہ بیمار ہے؟"

نانی:"تیرہ کا چاند دیکھ کر جو پڑا ہے تو اب تک نہیں سنبھلا۔ مرت بیاہی[1] کے بچوں کی یہی تو خرابی ہے۔ بات بات میں ہٹ، بات بات میں ضد۔ اسکی ضد نے اس ہد ڑے کو پہنچایا اور میں تو اس کی بیماری میں مردے سے بدتر ہو رہی ہوں کھانے کی مجھ کو ہوش نہیں۔ اپنے تن بدن کی مجھ کو خبر نہیں۔ دہر کوں میں جان جاتی ہے۔"

میں:"اچھی پھر اُس شہر میں کوئی حکیم کوئی ڈاکٹر نہ تھا؟"

نانی:"بہتیرے حکیم۔ بہتیرے ڈاکٹر۔ مگر جب یہ کسی کے بس کے ہوں۔"

میں:"کیا یہ دوا نہیں پیتا۔ پرہیز نہیں کرتا؟"

نانی:"نہیں دوا تو پی لیتا ہے اور پرہیز کو تو اب پانچواں مہینہ ہے اُبالی کھچڑی کے سوائے دوسری چیز زبان پر رکھی ہو تو حرام۔"

میں:"پھر کیا علاج نے فائدہ نہیں دیا؟" نانی:"حکیموں کا علاج تو کیا ہی نہیں؟"

میں:"اچھی حکیم کسی اور دن کے واسطے ہیں؟ یہ تو حال لڑکے کا ہو گیا اور ابھی تک دوا مطلق نہیں کی۔ یہاں شہر میں ایک سے ایک بڑے چڑھے حکیم ہیں، دوا بھی عمدہ سے عمدہ ملتی ہے بسم اللہ کر کے کل ہی سے علاج شروع کر دیجیے۔"

نانی:"حکیم کا علاج کرتے تو میں یہاں نہیں آتی۔ البتہ کچھ منتیں ہیں اُن کو اتارنا ہے۔"

میں:"حکیم کی دوا کرنے میں تامل کی کیا وجہ ہے؟"

---

[1] ادھوا سے جس بچہ سے پہلے کوئی بچہ ہو کر مر گیا ہو وہ مرت بیاہی کا کہلاتا ہے۔

نانی :- یہ مرض تو حکیموں کے قابل نہیں ہیں۔ اس لڑکے کی ماں کو کوکھ کا خلل تھا
پانچواں برس بچے کو لگا اور رخصت ہوا۔ یہ لڑکا دسویں جگہ ہے۔ نہیں معلوم کہاں
کہاں کی خاک چھانی، اور اس لڑکے کے پیچھے میں نے اپنا لہو اور پسینہ ایک کر دیا
اس دکھ کا دستور ہے کہ بارہ برس تک اس کا زور رہتا ہے ایک چار مہینے مصیبت
کے اور ہیں۔ یہ ٹل جائیں تو خاطر جمع ہو۔"

میں :- اس طرح کے دکھ لوگوں سے تو میں بھی سنتی ہوں مگر کچھ دل سے میں اس
کی قائل نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دکھ ہو ماں کو اور بچوں پر بارہ برس تک
اس کا اثر رہے۔ اور کوئی دکھ ہو اسکی کچھ دوا ہے، یہ کیسا لاعلاج دکھ ہے کہ طبیب
اس کے قائل نہیں، بید اس کو تسلیم نہیں کرتے، ڈاکٹر اس کو نہیں مانتے اور
نہ کچھ اس کی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ ہے کیا بلا؟"

نانی :- ہاں اس تیرھویں صدی میں یہ نئی حکمت ایجاد ہوئی ورنہ ہمارے خسر کیسے
بڑے مولوی تھے کہ دنیا جہاں میں ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ جو اس کے عامل تھے۔
اب برکت والے علم والے لوگ اُٹھ گئے، کٹھ ملا رہ گئے ہیں جن کو نماز کی نیت تک
نہیں آتی۔ نئے نئے مسئلے نکالے ہیں۔ پیر پیغمبر کے درود فاتحہ کو حرام بتائیں سہرے
کنگنے کو منع کریں، شادی بیاہ میں نوبت نقارہ سب بند، تیر تہوار پیغمبروں سے
چلے آتے ہیں سب موقوف۔ محرم کا شربت حرام۔ شب برات کا مانڈا حلوا حرام۔ عید
کی سوتیاں حرام۔ مرد تو بگڑے ہی تھے اُنھوں نے عورتوں کو بھی اپنے ساتھ خراب کیا۔
وہی کہاوت ہے۔ مصرع :- "میں تو ڈوبا ہوں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبوں گا"

۱؎ کہاں کہاں کے سفر کیے ۲؎ یعنی ایسی محنت کی کہ خون پسینہ ہو کر بہ گیا ۳؎ ہندو طبیب ۴؎ ادھورے مولوی

اب سہاگنیں رانڈوں سے بدتر۔ نہ کپڑوں میں رنگ، نہ منہ میں مسّی، نہ ناک میں نتھ، نہ ہاتھوں میں چوڑیاں ؟"

بیں:۔ یہ سب کچھ ہے مگر اس سے کوئی خرابی تو پیدا نہیں ہوئی، بلکہ مفت[1] ایک فائدہ ہوا کہ رسموں کی پابندی میں جو تکلیف ہوتی اُس سے محفوظ رہے "

نانی:۔ جب سے رسمیں اُٹھ گئیں دنیا سے رونق برکت محبت سب ہی کچھ تو اُٹھ گیا رہا کیا ہے۔ میاں بیوی میں وہ اگلے وقتوں کے سے اخلاص[2] نہ رہے۔ بھائی بہنوں میں پہلی سی محبتیں نہ رہیں، نہ وہ سستے سمے ہیں، نہ وہ فراغتیں ہیں۔ اب تو گھر گھر روٹیوں کے لالے[3] پڑے ہیں "

بیں:۔ نانی نمود اور تکلف کی چیزیں نئی نئی بہت چل پڑی ہیں اس سے سب کے خرچ بڑھ گئے ہیں اور ملک میں ہر طرف امن ہونے سے ایک جگہ کا پیداوار تمام ملک میں پھیل جاتا ہے دو سال اس طرف خشکی رہی کلکتہ تک سے غلّہ کھنچا چلا آتا تھا۔ دوسرے آدمیوں کا شمار بہت بڑھ گیا ہے۔ اناج سستا ہو تو کیوں کر ہو "

نانی:۔ اے چل لڑکی۔ میں ایسے ڈھکوسلے نہیں سمجھتی۔ میرے گھر آپ کھیتی ہوتی ہے بیگھے میں دس من ہوتا تھا تو اب دو من نہیں ہوتا "

بیں:۔ نانی میں نے کھیتی نہیں کی لیکن اس فن میں دو ایک کتابیں دیکھی ہیں اس میں شک نہیں کہ اگلے زمانہ کی نسبت ان دنوں زمین کی پیداوار گھٹ گئی ہے سو اس کا سبب یہ ہے کہ اگلے زمانہ میں عمل داری کا انتظام خراب تھا۔ لوٹ کھسوٹ کے ڈر سے کھیتی کم ہوتی تھی اور بہت زمین پڑی رہا کرتی تھی اور

---

[1] بالفعل [2] خالص دوستی [3] یعنی روٹی کی مشکل پڑی ہے

پڑے رہنے سے اس کی طاقت بڑھتی تھی جب بوئی جاتی تو بڑے اناج ہوتے اب کسی سال زمین پڑی نہیں رہتی، پیداوار گھٹا ہی چاہئے"

نانی:" بیٹی وہ پہلے کی سی برسات ہی نہیں ہوتی۔ اتنی عمر ہونے آئی۔ ایک چورانوے کے کال کے سوائے ہم نے تو قحط کا نام نہیں سنا تھا۔ اب تو قحط ایک معمولی بات ہوگئی اور جس کو تم سا کہتی ہو یہی اگلے وقتوں کے قحط ہیں، چورانوے میں بھی یہی آٹھ سیر دس سیر بکتا تھا"

میں:" نانی میں تو جانتی ہوں برساتیں جیسی سدا سے ہوتی آئی ہیں ویسی ہی اب بھی ہوتی ہیں۔ بلکہ نہروں کے جاری ہونے سے جابجا پانی کی افراط ہوگئی ہے مگر اگلے وقتوں میں ہم کو اور شہروں کا حال معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اب ایک جگہ ذرا سی خرابی ہوتی ہے تو تمام ملک میں ڈھنڈورا پٹ جاتا ہے"

نانی:" ایک برسات، کچھ البابیل ونہار (زمانہ) بدلا ہے کہ نہ گرمی میں گرمی رہی نہ جاڑے میں جاڑا"

میں:" عجب کیا ہے ہزاروں کوس کے جنگل کٹ کر آباد ہوگئے۔ جابجا نہر جاری ہو آبادی ڈیوڑھی ہوگئی۔ ان باتوں نے آب و ہوا پر ضرور اثر کیا ہوگا"

نانی:" اثر کیسا، جن بیماریوں کا نام نہیں سنا تھا برس میں دو بار ان کا دورہ ہوتا ہے۔ کوئی سال تو ہیضے اور چیچک سے خالی نہیں جاتا"

میں:" نانی کیا ہیضہ اور چیچک پہلے نہیں تھے؟"

نانی:" ہیضہ ہوتا تھا مگر وہی گرانی اور بدہضمی کے ہیضے ہوتے تھے سو بھی شاذ و نادر۔ اب تو عالمگیر وبا ہوتی ہے چیچک البتہ پہلے سے چلی آتی ہے۔ جو آدمی کے جثے[1]

---

[1] جسم

میں آیا ہی چیچک سے نہیں بچا۔ قبر کے اندر تک تو نکلتی ہے۔"

مَیں "نانی اس کا تو انگریزوں نے ٹیکا وہ حکمی علاج نکالا ہے کہ کبھی خطا ہی نہیں کرتا۔"

نانی "اے بیٹے آگ لگے اس ٹیکے کو۔ میں پانچ مہینے سے وہی دُکھڑا جھیل رہی ہوں اس لڑکے کو اور روگ کیا ہے۔ اس سگے باو لنے میرے بے پوچھے ٹیکا لگوا دیا، آج تک مصیبت سے پناہ نہیں۔"

میں "دانہ اٹھا تھا؟" نانی "اٹھنا کیسا، ساری پانچ مہینوں پکا کی۔"

میں "پھر چیچک تو نہ نکلی ہوگی؟" نانی "بڑی ذات کی تو نکلی نہیں۔ اور بڑی نکلی ہوتی۔ تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔"

میں "گھسرا بھی تو وہ کچھ ایسی خطرناک نہیں ہوتی۔"

نانی "اوپر والوں کی بے تدبیری نے بگاڑ دیا۔ اول تو ٹیکہ لگوایا۔ دوسرے، اُن[1] کو نکلنے میں جو پرہیز ہوتے ہیں وہ نہ کئے۔"

میں۔ "گھسرا میں کچھ پرہیز بھی ہوتا ہے؟"

نانی "کیوں نہیں۔ گھر میں بگھار نہ لگے۔ دھوبی کے گھر کے دھوئے ہوئے سفید کپڑے گھر میں کوئی نہ پارلے۔ باہر سے اول تو کوئی آنے نہ پاوے اور جو ایسی ہی ضرورت ہو تو تھم کرا ور دم لے کر۔ خوشبو کسی قسم کی پاس نہ آئے۔ دوا تو اس بیماری میں کرنی ہی نہیں چاہئے۔ گرج کی آواز بچے کے کان میں نہ پڑے۔ اسی طرح کے بہتیرے پرہیز ہیں، مگر کرنے والے کو۔ سو ان کے باوا ان ہی بگڑے ہوئے مولویوں میں سے ہیں ان کے یہاں نہ کچھ پرہیز ہے نہ احتیاط، بلکہ اسکو شرک اور کفر بتاتے ہیں۔ اس

---

[1] بوڑھی عورت چیچک کے ادب کے مارے اس جگہ کو اُن کہتی ہے۔۱۲

لڑکے کو کھسرا نکلی تو ضد کر کے بد پرہیزیاں کیں۔ کھسرا اُمڑ کے پہ آنکھیں دکھنے آئیں تو کچال کا علاج ہوا۔ میں ہر چند کہتی رہی کہ کھسرا کی آنکھیں ہیں دوا مت کرو ایک نہ مانی۔ کھسرا کی آنکھوں کی دوا یہی ہوتی ہے چنے کی دال آتار رکھی، سات پھول اتار کر رکھ چھوڑے۔ آنکھیں اچھی ہوئیں نہر میں بہا دیے۔ خیر اُنھوں نے آنکھیں تو اچھی کر ڈالیں مگر آنکھوں کا اچھا ہونا تھا کہ بخار آنے لگا۔ تب تو میں نے کہا کہ بلا سے شرک کرتے ہیں تو ہم کرتے ہیں، تم ہماری بات میں دخل مت دو۔ اس لئے باوا تو اسی بات پر لڑ کر علاقے پر چلے گئے۔ تب سے اُنہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ لڑکا مرتا ہے یا جیتا۔ میں اسی کے پیچھے دیوانی بن رہی ہوں۔ دنیا بھر کی تدبیریں کر چکی بخار ہے کہ ایک دن کو پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

میں: "اچھی نانی تم کہتی ہو کہ حکیم کا علاج نہیں کیا پھر وہ دنیا بھر کی تدبیریں کیا تھیں جو تم کر چکیں؟"

نانی: "مہینوں تو شربت کی کلھیاں اتار کر چوراہے میں رکھوائیں۔ تمباکو کا ہتی بنا کر رات کو بلاناغہ سرہانے رکھا۔ رنگ کے پھندنے اس کے گلے میں لٹکائے۔ سینکڑوں دفعہ پانی اور انگارے اس پر سے اتارے۔"

میں: "نانی انگارے کیوں کر اتارتے ہیں؟"

نانی: "پانی اور سات انگارے سر کی طرف سے پاؤں تک اتارے اور گھر کی موری کے پاس لیجا کر ٹھنڈے کر دیے اور ٹھنڈا کرتے وقت منہ سے کہہ دیا کہ بھوکا ہے تو آگ کھا اور پیاسا ہے تو پانی پی۔"

میں: "اچھی پھر یہ سب کچھ تو کر چکیں اور کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز لڑکے

کی حالت ردی ہوتی گئی تو اب حکیم کا علاج بھی کر دیکھو۔"

نانی:"یہ سب بگاڑ علاج ہی سے تو بڑے ہیں۔ اب پھر علاج کروں تو لڑکے سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔"

میں:"معلوم ہوتا ہے کہ کھسرا کی گرمی اندر بھر گئی ہے۔ اسکو ٹھنڈائی نہیں پہنچی۔"

نانی:" اس لڑکے کی افتاد تو ماں کے پیٹ سے بگڑی ہوئی ہے۔ آج کل کی لڑکیاں بڑے بوڑھوں کو تمہاری طرح احمق تو سمجھتی ہی ہیں۔ اُس نے بھی میرے کہنے پر کبھی خیال نہ کیا۔ اچھوتی کوکھ کو بیٹھے بٹھائے روگ لگایا۔"

میں:"کیا کچھ کھانے پینے میں بے احتیاطی کی؟"

نانی:"نہیں، اس روگ کی روک اُن سے نہ ہو سکی۔"

میں:"اچھی نانی مجھ کو تو بتاؤ کس کس بات سے اس کی روک ہوتی ہے۔"

نانی:"آٹا چھاننے میں جو آٹے کا گھیرا زمین پر بن جاتا ہے اس کو لانگھنے سے یہ دکھ ہو جاتا ہے۔ دونوں وقت ملے جا ضرور جانے سے۔ کسی کے ساتھ برابر کھڑے ہو کر گلے لگنے سے۔ دوپٹے کا پلہ زمین پر لٹکنے سے چراغ کا ہاتھ پیٹ کو چھو جانے سے درخت تلے نہانے سے۔ دُکھ والی کے نہانے کا پانی لانگھنے سے۔"

میں:" معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بدنی بیماری نہیں۔"

نانی:" توبہ توبہ۔ ایک طرح کا آسیب ہے اور آدمی سے آدمی کو اُڑ کر لگ جاتا ہے۔"

میں:" خدا کی پناہ لڑکی۔ تو تو بلا کی جنتی ہے۔ میں نے کہا نہیں کہ از خود بھی یہ روگ پیدا ہو جاتا ہے۔"

میں:"نانی تم تو خفا ہوتی ہو، اب تم سے نہ پوچھیں تو کس سے پوچھیں۔"

نانی :۔ لے چل مکارہ۔ میں خوب سمجھتی ہوں تو مجھ کو باتوں میں بناتی ہو۔"

میں :۔ اے ہے نانی میں اور تم کو بناؤں گی۔"

نانی :۔ بالکل تیری ہی سی طبیعت اس لڑکے کی ماں کی تھی۔ وہ بھی بات بات میں ناحق کی حجتیں نکالا کرتی تھی۔ اور چند[1] روز ماں باپ کے اختیار میں رہتا تو توبہ توبہ کیا یہ جیتا۔ وہ تو جس دن سے یہ روح[2] پڑی مجھی سر تکی تھی کہ ہر طرح کی خبر گیری کرتی رہی گنڈے اور توشے اور منتیں اور چڑھاوے کوئی بات تو میں نے اٹھا نہیں رکھی۔"

میں :۔ نانی۔ بہت ہی برا عقیدہ تمہارا ہے۔ توبہ کرو توبہ۔ اب مرنے کے دن قریب آئے، خدا کو کیا جواب دوگی۔ سوائے خدا کے مرنا جینا بھی کسی کے اختیار میں ہے یہی شرک ہے۔"

نانی :۔ خدا برحق اور اس کی قدرت برحق۔ یہ باتیں بھی اسی نے بنائی ہیں۔ دکھا تو کون سے قرآن میں لکھا کہ بچہ پیٹ میں ہو۔ اور دوہرے دوہرے گہن[3] پڑیں اور بچے والی آنگن میں چلے پھرے اور کام کرے۔ بتا تو کونسی حدیث میں آیا ہے کہ بچوں کو مکان میں اکیلا چھوڑ دیا کرو اور اولیتوں کے تلے درختوں کے نیچے بے تامل دودھ پلایا کرو۔"

میں :۔ قرآن اور حدیث میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے کہ موت و حیات صرف خدا کے اختیار میں ہے اور بندہ عاجز ہے۔ شعر:۔

نہیں اس کے سوا طاقت کسی میں ۔۔۔ کہ کام آوے کسی کی بے کسی میں

نانی :۔ بھلا آگ کا کام جلانا ہے یا نہیں؟" میں :۔ ہے اور خدا نے یہ تاثیر آگ میں رکھ دی ہے۔"

نانی :۔ بس نظر اور پرچھائیں میں بھی خدا ہی نے یہ تاثیر رکھی ہے۔"

---

[1] یعنی چند روز اور [2] یعنی جب سے ماں کے پیٹ میں تھا [3] دوہرے گہن سے مراد یعنی چاند گہن اور سورج گہن دونوں۔

مَیں "تم نے زبردستی یہ ناحق کی تاثیریں مان رکھی ہیں کہیں سے اسکی اصل نہیں پائی جاتی۔"

نانی "اے لڑکی، نظر کی تاثیر میں بھی کلام ہے؟ نظر تو مشہور ہے پتھر کو توڑ دیتی ہے۔ آدمی، جانور کی نظر لگ جاتی ہے۔"

مَیں "کس جانور کی؟" نانی "کتّے کی، چھپکلی کی۔"

مَیں "در و دیوار کی نظر لگنے لگی تو غضب ہے۔ کہاں زمین کے پردوں میں جاکر کھائیے۔"

نانی "زمین کے پردوں میں نہ جائے تو آدمی ایسی بے احتیاطی بھی نہ کرے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے کھانے لگے۔ تم علاج علاج بہت پکارتی ہو۔ دیکھو ایک نظر ہی ہے لاکھ علاج کرو۔ جب تک وہ چیز نظر والے کو نہ پہنچ جائیگی کوئی علاج تو فائدہ کرنے ہی کا نہیں۔"

مَیں "آخر نظر کا کچھ دفعیہ بھی ہے؟"

نانی "نظر والے کے پاؤں تلے کی مٹی یا لہسن، پیاز، مرچ، نمک چولھے میں جلائے یا وہی کھانا چولھے میں رکھوا دیتے یا نظر والے کو کھلا دیتے یا نظر رسیدہ کے ہاتھ سے گوشت چھوا کر چیلوں کو ڈالے دیتے ہیں بعض لوگ کھانے سے پہلے حق نظر کی نکال کر چھوڑتے ہیں۔ کچھ کرو سے صدقہ، اور صدقہ دیا دلایا۔ ثواب کا ثواب اور علاج کا علاج۔"

مَیں "نہ ثواب نہ علاج۔ ثواب تو جب ہو کہ صرف خدا کے واسطے کو دیا جائے ایسا دینا تو ایک طرح کی بھینٹ ہوئی۔ اور علاج سے تو کچھ علاقہ ہی نہیں۔"

نانی "جو کچھ سمجھو، مگر نظر کے زہر کے آثار کا منتر اگر ہے تو یہ ہے۔"

مَیں "نانی تم اتنی تو احتیاط کرتی ہو مگر اس کا اثر تو خاک نظر نہیں آتا ہم نے تم کو

سیدانو تے ہی دیکھا۔ تم سے ہزار درجہ تو وہ لوگ خوش ہیں جو ان باتوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔"

نانی: "بیٹی۔ میرے رونے کی کچھ نہ پوچھو جب سے آنکھ کے نیچے یہ ستہ اُٹھا آنسو نہیں تھما۔"

میں: "پھر اس بیچارے لڑکے کو اسی طرح جھلائے گا یا کچھ تدبیر بھی کیجیے گا۔"

نانی: "اس کو کھانسی اور بخار دو روگ۔ سو کھانسی کو تو ابھی چار دن اور میں نہیں چھیڑتی۔"

میں: "کیوں؟" نانی: "اس کی کھانسی کالی کھانسی ہو اور اس کی بڑی عمدہ دوا یہ ہے کہ کالے گھوڑے کے سوار سے پوچھے جو کہے سو کرے۔ سو گیارہ دن ہوئے ایک شخص کالے ٹٹو پر چڑھا چلا جاتا تھا۔ اُس سے پوچھا تو اُس نے کہا دو ہفتے میں آپ اچھی ہو جائے گی۔ رہا بخار، سو اس کی منتیں اتارنی مقدم ہیں دیکھتی ہو چار چار چوٹیاں سر پر ہیں، گردن میں ہنسلیوں اور چاندوں کا ڈھیر ہو گیا ہے۔ کہیں کی چادر دینی ہے کہیں کا بکرا مانا ہوا ہے۔ یہ منتیں اتریں اور تم بخار کو اترا سمجھو۔ تکلیف اسکو ہی میں جانتی ہوں مگر میری خاطر جمع ہے۔ میں اسکو خواب میں مردہ دیکھ چکی ہوں اور جس کو مردہ دیکھو اس کی زندگی دراز ہوتی ہے۔"

غرض کہ ہزار ہزار تدبیریں کیں کہ علاج ہوا، نہ ہوا۔ آب و ہوا کی تبدیل سے خود بخود لڑکے کی طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی تھی یکایک سنا کہ نانی کل جا رہی ہیں۔"

میں: "اچھی نانی ایسی جلدی؟" نانی: "ہاں بوا مکان اچھا نہیں کیا کروں؟"

میں: "ہاں کچھ بند بند سا ہے۔ ہوا کم لگتی ہو گی۔ رات کو بالاخانے پر سو رہا کرو۔"

نانی: "آگ لگے اس گھر کو اور اس کے بالاخانہ کو کوئی آدمیوں کے رہنے کا ہے۔"

میں: "نانی ایسا بہت چھوٹا تو نہیں ہے اور بالاخانہ تو خوب ہی ہوادار ہے نیچے کا

نانی: "تم ہوا ہی کو پیٹتی ہو۔ رات بھر بچہ اُچھل اچھل پڑتا ہے اور کچھ ایسا بھیانک بھیانک ہے خود مجھ ہی کو ڈر لگتا ہے۔ تمام رات بُرے بُرے خواب نظر آتے ہیں۔"

میں: "کبھی کچھ آنکھوں سے بھی دیکھا ہے؟" نانی: "جھوٹ کیوں کر کہہ دوں۔ دیکھا بھالا تو کچھ نہیں۔ خدا نہ دکھائے۔ مگر نہیں تو مکان ہی بُرا ہے۔" میں: "اچھی کیا برائی ہے؟" نانی: "تمام رات تو کمبخت بلیاں روتی ہیں۔ پچھواڑے بڑ کا درخت ہے اس پر اُلّو رہتا ہے۔ رات کو جب آنکھ کھلے گی گلی میں کتوں کو روتے سنو۔ کوٹھا سب سے زیادہ خراب ہے۔"

میں: "دو برس تک ایک کرایہ دار بال بچوں سمیت اِسی کوٹھے پر رہا ہم نے تو کچھ شکایت سنی نہیں۔"

نانی: "اس کے اُٹھ جانے پر خراب ہو گیا ہوگا۔" میں: "اچھی ایسا بھی ہوتا ہے۔"

نانی: "کیوں اچھے گھر میں چالیس دن چراغ نہ جلے تو اس میں دخل کر لیتے ہیں۔" میں: "ناجی شہر کی ہوا لڑکے کو خوب راس آئی ہے۔ دیکھو تو پہلے کی نسبت ماشاء اللہ کتنا فرق ہے۔ مہینہ سوا مہینہ اور رہ جاؤ تو یہ لڑکا بالکل اچھا ہو جائے۔"

نانی: "اجی ان کا تو وہی منتوں کا تقاضہ تھا، سو میں کر چکی۔ اب کچھ ڈر کی بات نہیں۔ اصل خیر سے اس کی سال گرہ ہو جائے تو پھر مجھ کو کسی طرح کھٹکا نہیں۔ میں آپ باہر سے گھبرا اُٹھی ہوں اگلی سال گرہ ہوئی اور میں سب کو ساتھ لے کر آئی۔"

غرض ایسا وہم دل میں سمایا کہ نہ ٹھہریں پر نہ ٹھہریں۔ دیکھو ان ہماری نانی کے کیسے خیالات تھے جن کو دین اور عقل سے کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ سب دیہات

کے رہنے کا اثر تھا۔ سب سے بڑا عیب تو دیہات میں یہ ہے، دوسری عورتوں پر کچھ اس طرح کی سختی اور قید ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آٹھ آٹھ دس دس برس کی بیاہی ہوئیں، اور تین تین چار چار بچوں کی مائیں، مگر گھونگھٹ کا تو بڑا اچرھا ہوا ہے۔ بات چیت سے معذور، گفت و شنود سے محروم۔ غرض کہ شرعی پردہ داری کے ساتھ جو آزادی عورتوں کو حاصل ہونی چاہیئے دیہات میں میسر نہیں، غلامی کی حالت میں بے چاریوں کی زندگی بسر ہوتی ہے۔ ازبسکہ حسن آرا کی سنگنی جھجر میں ہوئی تھی اس بات کو سُن کر ایسے سناٹے میں گئی کہ پھر بولی ہی نہیں جب شام ہونی آئی اُستانی جی نے کہا "لڑکیو کیا تم کو خدا کی سنوار ہے! مسیح الملک کی کہانی کو کچھ ایسی گھڑی کا تہ کیا ہو کہ پھر اس کا نام تک نہیں لیا۔ کوئی معمول ہو ایک روز بھی ناغہ ہو جاتا ہے تو چالیس دن کی برکت اڑ جاتی ہے۔ تم کو کہانیوں میں کھیل سوجھتا ہے اور میں سبق سے بڑھ کر ان کو ضروری سمجھتی ہوں۔ جاؤ کتاب نکال لاؤ۔"

حُسن آرا نے مسیح الملک کی کہانی پڑھ کر سُنائی!

اِس اثنا میں حسن آرا نے بھی چپکے چپکے اتنی استعداد پیدا کر لی تھی کہ عبارت پڑھ سکتی تھی۔ فراٹے کے ساتھ تو نہیں پڑھا جاتا تھا مگر اٹکتی بھی نہ تھی۔ شاذ و نادر کوئی عربی فارسی کا لفظ آ گیا تو ذرا کے ذرا رُکی اور چل نکلی۔ کہانیوں کا نام سُن کر حسن آرا کے دل میں گدگدی ہونے لگی۔ اور محمودہ کے پاس جا کر آہستہ سے کہا آج جی چاہتا ہے کہ میں پڑھوں۔

محمودہ "بسم اللہ" حسن آرا "اُستانی جی سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

محمودہ ''شرم کی کیا بات ہے میں کہدوں ''
حسن آرا ''کسی کو میرے پڑھنے کا حال معلوم نہیں سُن کر سب کو تعجب ہوگا''
محمودہ ''ہوگا تو سہی'' حسن آرا ''سب کان لگا کر سنیں گی ایسا نہ ہو میری سٹی بھول جائے''
محمودہ ''ان میں کوئی اجنبی آدمی نہیں۔ پڑھنے میں کتاب کے سوائے تم دوسری طرف خیال نہ کرنا''
حسن آرا ''آگے کی کہانی کچھ بہت مشکل ہے؟''
محمودہ ''نہیں۔ منتخب الحکایات[۵] تم بے تاتل پڑھتی ہو اس سے تو کہیں سہل ہے''
حسن آرا ''تم میرے پاس بیٹھنا'' محمودہ ''ضرور''
حسن آرا ''اُستانی جی کچھ خفا تو نہیں ہوں گی؟''
محمودہ ''ہرگز نہیں خوش ہونے کی بات ہے یا خفا ہونے کی؟''
حسن آرا ''اے ہے جی ڈرتا ہے'' محمودہ ''اُستانی جی کی خفگی سے؟''
حسن آرا ''نہیں سب کے سامنے پڑھنے سے''
محمودہ ''اجی آنکھیں نیچی کیے تم پڑھ چلنا تھوڑی دیر میں سب اوکھل جائیگا''
اتنے میں رابعہ کتاب نکال پہنچی۔ جوں ہی چاہتی تھی کہ پڑھے محمودہ نے کہا۔ اُستانی جی آج حکم ہو تو حسن آرا بیگم کہانی پڑھیں۔ یہ سُن کر سب کو حیرت ہوئی۔ اُستانی جی'' ہاں'' محمودہ ''حسن آرا بیگم کئی مہینے سے چپکے چپکے مجھ سے پڑھتی تھیں اب عبارت پڑھنے لگی ہیں''

[۵] ڈپٹی نذیر احمد کی مشہور کتاب جو بچوں کے لئے ہے اور چھوٹی چھوٹی سبق آموز حکایات پر مشتمل ہے۔

اُستانی جی "شروع میں ایک مرتبہ اُنھوں نے مجھ سے پڑھنے کو کہا تھا میں نے اس خیال سے روک دیا کہ ان کا شوق خوب تیز ہوئے تب شروع کراؤں پھر اُنہوں نے کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ میں سمجھتی تھی کہ ابھی ارادہ نہ ہوگا"

محمودہ "جناب اُسی دن سے اُنہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ ماشاء اللہ ایسا ذہن ہے کہ میں نے تو نہیں دیکھا ایک دن میں تو اُنہوں نے ساری الف بے پہچان لی تھی اور کچھ ایسا حافظہ خدا نے دیا ہے کہ جو پڑھا بس پتھر کی لکیر"

غیرت اور غرور

استانی جی "حسن آرا بیگم! محمودہ سے تمہارے پڑھنے کا حال سن کر میں بہت خوش ہوئی اور اتنی تھوڑی مدت میں جو تم نے عبارت پڑھ لینے کی استعداد حاصل کی میں سب لڑکیوں کے روبرو تم کو اس کی شاباش دیتی ہوں میں جانتی ہوں کہ محمودہ سے چھپ کر پڑھنے کا یہ سبب ہوا ہو کہ تمہاری غیرت نے چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے روبرو جو کتابیں پڑھتی ہیں۔ الف بے پڑھنا پسند نہیں کیا۔ سو تمہاری اس غیرت پر آفریں کہتی ہوں۔ غیرت آدمی کو خدا نے اسی واسطے دی ہے کہ وہ نیک کاموں میں اس سے مدد لے غیرت سستی اور کاہلی کا تازیانہ ہے۔ غیرت سے شوق کو تیزی اور ارادوں کو پائداری حاصل ہوتی ہے غیرت ہمارے حق میں امداد الٰہی اور تائید غیبی ہے مشکلوں پر غالب آنے اور دقتوں کے رفع کرنے کے لئے غیرت ایک عمدہ ہتھیار ہے۔ غیرت محنت کو راحت اور تکان کو آسائش کر دیتی ہے۔ غیرت ہمارے دلوں کی توانائی اور ہماری جانوں کی قوت ہے۔ غیرت

وہ تیر ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ غیرت وہ تدبیر ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ کامیابی اور فتح مندی ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے مزاج غیور ہیں اور اقبال مند ہیں وہی جو غیرت مند ہیں۔ حسن آرا بیگم ہزار خوبیوں کی ایک خوبی تم میں یہ غیرت ہے۔ اے لڑکیو! تم سب اس کا اہتمام کرو کہ تمہاری غیرتیں ماند اور مدہم نہ ہونے پائیں۔ حسن آرا بیگم یہ چند مہینے جو تم نے پڑھنے میں صرف کیے تم خود سمجھ گئی ہوگی کہ تمہاری عمر کا یہ بہت چھوٹا سا حصہ کیسا عمدہ تھا۔ ایسے ایسے حصے نہیں معلوم کتنے ہم نے تم نے باتوں اور نیند میں ضائع کر دیئے اور اگر اس وقت کی طرح ان کو بھی کام کی باتوں میں لگاتیں تو کیا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا ہوتا۔ افسوس آدمی وقت پر قابو پا کر اس کو اکارت کرے۔ حسن آرا بیگم! اب تم نے اس نیک کام کو شروع کیا ہے تو تند ہو کر اس کو ختم تک پہنچاؤ۔ وہ شخص جو شوق کرتا ہے۔ مگر ناتمام، اور ارادہ کرتا ہے مگر ناقص، اُس سے زیادہ بُرا ہے جو بالکل بے شوق ہے۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ جن لوگوں نے تمہارا پڑھنا سنا وہ کبھی یہ بھی سنیں کہ حسن آرا بیگم نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ حسن آرا بیگم کسی آدمی کو اپنی نادانی کی انتہا معلوم نہیں جس کو جتنا آتا ہے وہ اُس چوہے کی طرح جو ہلدی کی ایک گرہ پا جانے سے اپنے آپ کو عطار خیال کرتا تھا، بڑا عالم سمجھا کرتا ہے اور تھوڑی ہی معلومات پر فخر کرتا ہے کہ . . . عجب نہیں کہ تم کو بھی اپنی حالت پر ناز ہو کہ جو کتاب سامنے آ جائے میں پڑھ سکتی ہوں اور سب کچھ مجھ کو آ گیا۔ خبردار ہرگز ہرگز ایسا خیال اپنے دل میں مت آنے دینا۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ دنیا میں علم کی انتہا کسی نے نہیں پائی۔ عبارت پڑھ لینے کو علم نہیں کہتے۔ یہ تو حاصل کرنے کا

ذریعہ ہے۔ علم وہ باتیں ہیں جو کتابوں میں لکھی ہیں۔ حساب جغرافیہ۔ تاریخ۔ اخلاق طبعیات۔ طب، صرف۔ نحو منطق۔ ہندسہ۔ ریاضی وغیرہ حسن آرا بیگم! بہت چیزوں کے جاننے اور بہت کتابوں کے پڑھنے سے چنداں فائدہ نہیں ہے۔ تمام تر علموں کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ہر ایک چیز کی اصل اور ہر ایک بات کی تہ کو دریافت کرے۔ تم شروع سے سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالو۔ کوئی چیز جو دیکھو اس کی حقیقت اور کوئی بات جو سنو اس کی وجہ سوچنی چاہیئے۔ جو چیزیں ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ گویا بالکل ان سے بے خبر ہیں۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ درخت۔ غلہ۔ کپڑا زیور۔ برتن بلکہ ضرورت اور خانہ داری کی سب چیزیں۔ آسمان۔ ستارے کبھی بھی کسی نے غور کیا ہے کہ کیا ہیں؟ اور جنھوں نے کیا تو سمجھا کہ ایک ایک چیز بجائے خود ایک علم ہے۔ سعدی علیہ الرحمۃ[1] نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

برگِ[2] درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفترِ یست معرفتِ کردگار

غرض ذہن کو خوض و فکر کی عادت رہے اور عقل کو تفتیش[3] کا روگ لگ جائے یک من[4] علم را دہ من عقل می باید کا تو یہی مطلب ہے ورنہ طوطے کی طرح پڑھا تو کیا۔

؎ آدمیت اور شے ہے عقل ہی کچھ اور ہے
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

ہاں صاحب اب کہانی شروع ہو، حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا

---

[1] ان پر خدا کی رحمت [2] یہ جو ہر درختوں کے پتے دیکھتے ہو انہیں کا ایک ایک پتا ہوشیار آدمی کی نظر میں خدا کی پہچان کا ایک دفتر ہے [3] تلاش [4] خدا من بھر علم دے تو اس کے ساتھ دس من عقل بھی دے ۔۱۲

دو چار جملوں تک تو آواز لڑکھڑائی مگر پھر تو صاف پڑھنے لگی۔"

مسیح الملک[1] کی باقی حکایت اس کا بعد معزولی حج کو جانا اور اس کی بیٹی نازپروردہ کا جس نے امیرزادیوں کی طرح تربیت[2] پائی تھی بدوؤں کے ہاتھ میں ہوش مند کنیز[3] کے ساتھ گرفتار ہونا اور اس حالت میں بے ہنری سے تکلیف پانا اور ہوش مند کی کوشش سے رہا ہونا

مسیح الملک کی شامت جو آئی بیٹی کا بیاہ کرنے اٹھے۔ پہلا کام تھا پس و پیش کچھ نہ سوچا اور لوگوں کے حق مار مار کر زور و ظلم سے جو کچھ جمع کیا تھا سب خرچ کر ڈالا۔ بلکہ ہزاروں کا قرضہ سر کر لیا اور نام و نمود کے پیچھے مر مٹے۔ شادی کے سامان دیکھ کر جہاں پناہ کو بدگمانی ہوئی اور ستم رسیدوں کو کہنے سننے کا موقع ملا غرض دفتر شاہی سے نام کٹ گیا۔ نام کا کٹنا تھا کہ قرض خواہوں نے تنگ کرنا شروع کیا۔ متوسلان شاہی ناراض تو تھے ہی راہ میں چلتے پھرتے آوازے کسنے لگے۔ مسیح الملک سے سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑی کہ کعبۃ اللہ جائیں، تو سوچ بے کھٹکے بلی حج کو چلی۔ سفر کا نام

---

[1] موقوف [2] پرورش [3] لونڈی [4] پیچھا اور آگا مراد انجام [5] بادشاہ [6] مظلوموں۔

سن کر نوکروں چاکروں نے ٹکا سا[1] جواب دیا۔ گھر کے لونڈی غلام کتنی کاٹ[2] گئے۔ اتنی بڑی بھیڑ میں سے صرف ایک کنیز ہوش مند نام ساتھ ہوئی۔ اس کو حکیم صاحب کی چھوٹی بیٹی ناز پرورد سے ساتھ کھیلنے اور ہم عمری کی وجہ سے بڑی محبت تھی اور اسی تعلق سے اس نے ناز پرورد کی رفاقت[3] اختیار کی۔ ہوش مند تھی تو کنیز زادی مگر بڑی ہی عقلمند اور اسم با مسمّیٰ تھی۔ گو عقلمندی کے سبب سے اہل خدمت میں ممتاز اور سلیقہ مند اور صاحب شعور بھی مگر اس کی عقل آزادی چاہتی تھی۔ اپنی حالت کو نہایت ناپسند کرتی اور جی ہی جی میں غور کیا کرتی کہ گھر میں تین قسم کے آدمی ہیں۔ ایک تو خود گھر والے جن کو سب طرح کا آرام اور اختیار حاصل ہے، دوسرے نوکر کہ یہ لوگ گھر والوں کی ٹہل خدمت تو کرتے ہیں مگر خاطر خواہ اپنی مزدوری لیتے ہیں اور جب کوئی نوکری سے ناخوش ہوتا ہے تو چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ تیسرے ہم لوگ ہیں جو لونڈی غلام کہلاتے ہیں، ہماری محنت اور مصیبت کی کچھ انتہا نہیں، نہ ہم چھوڑ کر کہیں جا سکتے نہ کچھ تنخواہ کا استحقاق رکھتے، سب میں ہم ہی کمبخت گئے گزرے ہوئے ہیں۔ ہوش مند اس کے سبب کی تفتیش میں تھی کہ آخر میں نے ایسا قصور کیا کیا ہے کہ اس کی پاداش میں مجھ کو عمر بھر قید ہے[4]، بہتیرا سوچتی کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ دو ایک مرتبہ اس نے قصد کیا کہ اپنے ہم جنسوں میں اس کا تذکرہ کرے مگر کسی کو اس دل و دماغ کا نہ پایا۔ وہ لوگ سب کے سب اسی قدر عقل رکھتے تھے کہ کسی دن کام زیادہ پڑ گیا بارے پٹنے گئے تھوڑی دیر کو رو دے دھوئے پھر ویسے کے ویسے۔ مصرعہ :-

چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل پڑی

---

[1] صاف [2] کترا گئے الگ ہٹ گئے [3] ساتھ، ہمنا [4] سزا۔

مگر ہوش مند ہمیشہ اپنے تئیں دبئے[۱] رہتی تھی۔ مارنا پیٹنا کیسا کوئی سخت بات بھی کہتا تو مہینوں اس پر صدمہ رہتا ہر وقت اپنی حالت اس کو پیش نظر رہتی اور اسی وجہ سے سدا اُداس رہا کرتی تھی۔ اکیلی ہوتی تو کبھی اپنی مصیبت پر رو یا بھی کرتی۔ آزادی کا تصور اس کے ذہن میں ایسا سمایا تھا کہ کوئی چیز اس کو خوش نہ آتی اور جس قدر ہوش مند آزادی کی خواہش مند تھی اسی قدر گھر والوں کی نظروں میں ذلیل تھی خصوصاً نازپرور اس کی دماغ داری سے نہایت جلتی اور کہا کرتی تھی، لونڈی اس . . .[۲] کے یہ دماغ ہیں، جھونپڑوں میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا۔ ہوش مند نے اپنے ذہن میں چپکے چپکے اپنی نسبت یہ تحقیق کیا کہ چورانوے کے قحط میں اس کی ماں کو اس کا نانا دو روٹیوں پر بیچ گیا تھا۔ اس وقت اس کی ماں چھ سات برس کی تھی۔ جب بڑی ہوئی تو حکیم صاحب نے کسی اپنے غلام سے نکاح کر دیا۔ یہی ہوش مند ایک لڑکی ہوئی تھی کہ ماں باپ دونوں مر گئے، ہوش مند کو جب یہ حال دریافت ہوا تو دل میں کہنے لگی البتہ اسی گھر کا مجھ پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ مجھ کو اور میری ماں کو پرورش کیا مگر نرے حق پرورش سے یہ لازم نہیں آتا کہ میں تمام عمر کے لئے ایسی ذلت اور مصیبت میں رکھی جاؤں۔ حق پرورش جیسا مجھ پر ویسا خود گھر کے بال بچوں پر۔ پس کیا سبب کہ میں بڑی ہو کر لونڈی رہوں اور یہ لوگ برابری کے درجے میں سمجھے جائیں۔ یہی نا کہ میرا نانا قحط میں دو روٹیوں کا حاجت مند تھا اور اس وقت دو روٹیاں دے کر ان لوگوں نے میرے نانا کی جان بچائی۔ لیکن جب ان کو اتنا مقدور تھا تو ان پر بھی میرے نانا کی مدد کرنی فرض تھی۔ دنیا میں اس سے بڑھ بڑھ کر

---

[۱] سنبھالے رہتی [۲] یعنی نازپرور نے ہوش مند کی شان میں اور بھی الفاظ نا ملائم کہے مگر وہ لکھے نہیں گئے ۱۲

بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہوش مند نے کہنا شروع کیا کہ "رونا کچھ آج ختم تھوڑا ہی ہوا جاتا ہے۔ یہ تو عمر بھر کو روگ لگا جیتیں گے تو بہتیرا رولیں گے۔"
نازپرورد: "کیا کروں۔ دل ہے کہ اندر سے اُمڈا چلا آتا ہے۔"
ہوش مند: "سچ ہے مصیبت سی مصیبت ہے۔ جتنا رنج کیجیے تھوڑا ہے۔ مگر میں یہی کہتی ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟"
نازپرورد: "میں اسی طرح اپنی جان دوں گی۔"
ہوش مند: "اے کاش۔ جان کا دینا اپنے اختیار میں ہوتا تو بھلی ہی بات نہ ہوتی۔ مجھ کو مرنا قبول تھا۔ مگر آپ کی تکلیف دیکھنے کا یارا نہیں۔"
نازپرورد: "غش یہ غش تو مجھ کو آنے ہی لگے ہیں، دو ایک دن میں جان بھی نکل جائے گی۔"
ہوش مند: "سب کچھ تو ہوا مگر خدا نے اس وقت تک بے حرمتی نہیں کی۔ اب مجھ کو اس کا بھی کھٹکا ہے۔"
نازپرورد یہ سن کر چونک پڑی اور پوچھا کیا؟ ہوش مند: "وہ بدوجو ہم کو پکڑ کر لایا ہے، اس کا نام جابر ہے۔ آج وہ اپنی بی بی سے باتیں کر رہا تھا اور آپ کی طرف آنکھیں نکال نکال کر دیکھتا جاتا تھا اس کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔"
نازپرورد: "آخر کیا کہتا تھا؟" ہوش مند: "اپنی بولی میں بہت دیر تک نہیں معلوم کیا کہتا رہا، مگر تھا ضرور آپ ہی کا مذکور۔"
نازپرورد: "تم کو کیا معلوم ہوا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔" (آج پہلی مرتبہ نازپرور ساری عمر میں ہوش مند سے تم کہہ کر بولی)

ہوش مند ”میرے خیال میں وہ یہی چاہتا ہے کہ آپ رونا دھونا موقوف کر کے کام کاج کریں“۔ یہ کہنا تھا کہ نازپرورد پھر بیتاب[1] ہوگئی اور بہت دیر کے بعد سنبھل کر کہنے لگی کہ اگر میں اس کی مرضی کے موافق نہ کروں گی تو یہی نا کہ مجھ کو مار ڈالے گا، سو میں خود جان دینے کو موجود ہوں“۔

ہوش مند ”مرنے پر آپ سے زیادہ میں دلیر ہوں۔ مگر یہی خوف ہے کہ شاید اس نے جان سے نہ مارا اور کچھ بے حرمتی کی“۔

نازپرورد ”پھر کیا کرنا چاہیے؟“ ہوش مند ”سنگ آمد و سخت آمد[2] اٹھانا چاہیے“۔

نازپرورد ”تم جانتی ہو مجھ کو کچھ کام کرنا نہیں آتا“۔

ہوش مند ”کام تو میں کروں گی۔ صرف آپ میرے ساتھ چلتی پھرتی رہیں“۔

نازپرورد ”رات کو چھپ کر بھاگ چلیں“۔

ہوش مند ”اجنبی ملک، اجنبی لوگ، نہ شہروں کے نام معلوم، نہ کہیں کی راہ معلوم پاؤں میں چلنے کا بوتا[3] نہیں، کہاں بھاگ کر جا سکتے ہیں؟“

نازپرورد ”ابا کی کچھ خبر نہیں؟“ نازپرورد ”یہ جابر تو ضرور جانتا ہوگا“۔

ہوش مند ”مگر پوچھے کون، اول تو اسکی بولی نہیں آتی۔ دوسرے وہ کچھ اس طرح کا سخت مزاج آدمی معلوم ہوتا ہے کہ خود اسی کی بیٹیوں کا اس کی صورت دیکھنے سے دم فنا ہوتا ہے۔ ڈر کے مارے سامنے تک تو جاتی نہیں“۔

نازپرورد ”عورتوں میں کوئی بھلی مانس ہے؟“

---

[1] بے قرار ہوگئی پھڑک گئی [2] یہ ایک مثل ہے، تقدیر سے پتھر بھی گرا تو کمبخت مجازی بوجھل کو اٹھائے نہ اٹھے [3] زور و طاقت ۱۲

ہوش مند: "ابھی کیا معلوم۔ مگر بڑی بہنی ضمیران کچھ ملن سار معلوم ہوتی ہے، وہ جب ہم لوگوں کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی نگاہ میں ایک رحم پایا جاتا ہے۔"

نازپرورد: "چلو اُسی سے اپنی مصیبت بیان کریں۔" ہوش مند: "کس زبان میں؟"

نازپرورد: "کچھ اشاروں ہی سے اس کو سمجھائیں۔"

ہوش مند: "ابھی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔"

نازپرورد: "زبان نہ جاننے کی کیسی خرابی آبنی ہے۔"

ہوش مند: "میں تو سمجھتی ہوں کہ زبان کا نہ آنا اس وقت ہم کو بہت فائدہ دے رہا ہے، اول تو اگر ہم کوئی کام ان لوگوں کی مرضی کے موافق نہ کرسکیں تو سمجھنے کا عذر معقول ہے دوسرے میرے اور آپ کے ارادے ان پر ظاہر نہیں ہوسکتے بے تکلف ہم لوگ باتیں کیا کریں ان کو خاک خبر نہیں ہوتی۔"

نازپرورد: "جابر کی بی بی اور بیٹیاں تو اپنے ہاتھوں سب کام کرتی ہیں، اب کیا یہ لوگ سارا کام ہمارے سر ڈال کر الگ ہو جائیں گے۔"

ہوش مند: "نہیں، یہ تو ان لوگوں میں بڑا عمدہ دستور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ لونڈی غلاموں کو کام اور کھانے اور کپڑے اور سب باتوں میں گھر والوں کے ساتھ برابر رکھتے ہیں۔" غرض ہوش مند کے ڈھارس دلانے سے نازپرورد بھی اٹھنے بیٹھنے لگی مگر کام کی عادت تو تھی ہی نہیں، اس پر دل غم زدہ کچھ ہوتا ہوا تا نہ تھا۔ اور بے سلیقگی کے سبب سے جس کام کو ہاتھ بھی لگاتی خراب کرتی۔ جابر کے گھر والے اسکو نری احمق اور کام چور جانتے تھے۔ وہ تو ہوش مند ہر ایک کام میں اس کی شریک ہو جاتی تھی۔ اس سے نازپرورد کا پردہ ڈھکا چلا گیا۔ ورنہ خدا جانے کیا نوبت

سلہ جو کام سے جی چرائے۔

موتی، ہوش مند اپنی ہڈ یاں پیلتی اور اکیلے دم پر تمام مصیبت جھیلتی مگر ناز پرورد کی تکلیف گوارا نہ کرتی، اور جہاں تک ہو سکتا اس کو کسی کام میں ہاتھ نہ لگانے دیتی۔ جابر بدوی کے گھر جا کر ناز پروردپر اپنی ساری حقیقت کھل گئی۔ ہوش مند کے ساتھ اپنی حالت کو مقابلہ کرتی تو اب اپنی نظروں میں تھوڑی[1] تھوڑی ہو کر رہ جاتی۔ اب اس نے جانا کہ جن لوگوں کو نظر حقارت سے دیکھتی تھی واقع میں وہی بڑے کام کے تھے اور میں ہی بڑی نکمی، بے مصرف، دوسروں کی محتاج، دوسرے کی دست نگر[2] ہوں۔ اب اس نے سمجھا کہ آزادی کیا چیز ہے، اور دوسروں کی لونڈی ہو کر رہنا کتنی بڑی تکلیف کی بات ہو۔ اب اس کو ہوش مند کی قدر آئی کہ آزادی کی تمنا[3] اسکو بیجا نہ تھی۔ اس پر بھی یہ غنیمت تھا کہ جابر کے گھر یہ دونوں ایسی ذلیل نہ تھیں جیسی خود اس کے گھر کی لونڈیاں۔ یہاں تو جس طرح ضمیران اور ریحانہ جابر کی دو بیٹیاں رہتی تھیں اُسی طرح ناز پرورد اور ہوش مند تھیں کھانا ایک، کپڑا ایک، سب کام برابر۔ یہ نہیں کہ وہی لکھنو کی بیگموں کی طرح جابر کی بی بی بیٹیاں پلنگوں پر لدی بیٹھی رہیں اور ہل کر پانی تک نہ پئیں کچھ ایک جابر پر کیا موقوف تھا اس ملک کا دستور ہی ایسا ہے، کیسے ہی بڑے امیر کیوں نہ ہوں کام کرنا عار نہیں سمجھتے۔ جابر تھا تو لٹیرا مگر خوش حال تھا۔ سوا ونٹ تول[4] دو تھے۔ ہزار کے قریب بھیڑ بکریاں رہی ہونگی یہی اس کا دھن دولت تھا اور جو کبھی برس دو برس میں کچھ لوٹ ہاتھ لگ گئی تو علاوہ۔ بایں ہمہ اس کی اور اس کے گھر والوں کی زندگی نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ تھی۔

---

[1] سخت محنت کرتی [2] ذلیل [3] دوسروں کا ہاتھ دیکھنے والی [4] آرزو [5] بوجھ لادنے کے

ہر شخص سیر چشم، مہمان نواز، سخی، دلیر محنتی، جفاکش، وعدے کا سچا اور قول کا پکا
ہرچند کہ یہ باتیں مدت تک نازپرورد کو عجیب معلوم ہوتی رہیں مگر چوں کہ سب میں
نیکی کا پرتو تھا رفتہ رفتہ نازپرورد ان کو پسند کرنے لگی اور ہوش مند سے کبھی کبھی کہا
بھی کرتی کہ یہ جنگلی بدو گو وحشی ہیں مگر بہت باتیں ہیں ان میں شہر والوں سے بہتر پاتی ہوں۔"
ہوش مند: "ایک بات تو مجھ کو بھی اس ملک کی بہت پسند آئی ہے وہ یہ کہ عورتوں
کی اس طرف زیادہ قدر ہے۔"

نازپرورد: "آخر اس کا سبب کیا معلوم ہوتا ہے؟"

ہوش مند: "ایک تو یہ کہ عورتیں اپنی رائے سے شادی کرتی ہیں۔ اب دیکھیے ضمیران
کی باتیں ادھر اُدھر سے آتی ہیں، اور ضمیران بے تامل ان میں گفتگو کرتی ہے۔ ہمارے
ہندوستان میں اوّل تو لڑکیوں کو ایسی چھوٹی عمر میں بیاہ دیتے ہیں کہ ان کو ایسی
باتوں کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ اور جو لڑکی بڑی عمر کی بھی ہو جائے تو اپنی شادی میں
وہ کچھ بول نہیں سکتی، اس کو بے حیائی قرار دے رکھا ہے۔ دوسرے عورتوں کی زیادہ
قدر ہونے کا ایک بڑا سبب اور ہے اور وہ یہ کہ نکاح کے بارے میں جیسی آزادی
مردوں کو ہے۔ ویسی ہی عورتوں کو ہے۔ مرد یہاں کئی کئی نکاح کرتے ہیں عورتوں
کا بھی یہی حال ہے۔ طلاق یہاں عیب نہیں۔ دوسرا نکاح عورتوں کو یہاں منع
نہیں۔ عذرا کا حال آپ کو معلوم ہے۔ یہ جا برسا تو یں جگہ ہے، اور پھر دیکھیے تمام
گاؤں میں ساری بیبیاں عذرا کی کیسی عزت کرتی ہیں۔ نکاح کا تعلق اس ملک
میں ایسا قوی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے۔ تھوڑے تھوڑے

۱۔ مہمان کی خاطر داری کرنے والا ۲۔ محنتی ۳۔ سجانہ اور ضمیران کی ماں کا نام ہے۔

مہر ہوتے ہیں۔ مرد ناخوش ہوا فوراً طلاق دیدی، عورت ناراض ہوئی جھٹ سے خلع[1] کر لیا۔ پھر اب یہ نہیں طلاقن ہے تو کوئی اس کو عیب لگائے، نہیں ہزاروں اس کے خواہاں، سینکڑوں اس کے طالب۔ ہمارے ہندوستان میں مردوں نے اپنی آزادی تو قائم رکھی جس کو مقدور ہوا دو دو تین تین چار چار بیبیاں کر لیتے ہیں، عورتوں پر قید ہے کسی حالت میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتیں۔ اس سبب سے مرد کے مقابلہ میں عورت بہت دبی ہوئی ہے۔"

اس اثنا میں ضمیران کا نکاح بھی ٹھہر گیا۔ مغیرہ ان بدوں کا ایک سردار تھا اس کے بیٹے ثابت سے بات قرار پائی۔ جابر کے گھر تو بڑی خوشیاں ہونے لگیں مگر ہوش مند اور ناز پرور کے غم پھر تازہ ہو گئے کیوں کہ جابر اسی نیت سے ہوش مند اور ناز پرور کو لایا تھا کہ اپنی بیٹیوں کے جہیز میں دے۔ سو اب ہوش مند اور ناز پرور کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کا وقت آپہنچا۔ جابر نے ضمیران کو اختیار دیا کہ ہوش مند اور ناز پرور دے جس کو پسند کرے لے۔ ضمیران نے ہوش مند ہی کو لیا۔ ضمیران مزاج کی ایسی نیک تھی کہ اگر ہوش مند کہتی سنتی تو وہ اس کے عوض ناز پرور کو لے لیتی، مگر باوجودیکہ ناز پرور کی جدائی نہایت شاق تھی۔ ہوش مند نے ضمیران کے ساتھ اپنا ہی جانا مناسب سمجھا، اس واسطے کہ اتنی مدت جابر کے یہاں رہی اور کسی وقت فکرِ آزادی سے غافل نہ تھی مگر کوئی سبیل[2] نہ نکلی۔ ہر چند کوئی وجہ امید کی نہ تھی مگر ہوش کا دل اندر سے خود بخود گواہی دیتا تھا کہ مغیرہ کے گھر جا کر ضرور کوئی صورت رہائی کی نکلے گی اور اس امید کو ہوش مند نے اس طرح وثوق[3] کے ساتھ

---

[1] عورت جب مرد سے ناراض ہو کر نکاح فسخ کرالے تو اسکو خلع کہتے ہیں [2] راہ [3] اعتماد سے کیے ہو یہ جو

نازپرورد کے رُو برُو بیان کیا کہ اس کو بھی تسلی ہو گئی۔ ضمیران کا بیاہ ہوا تو وہ بھی سادہ اور بے تکلف شرعی نکاح تھا اور رخصتی اور جہیز کا سامان بھی اتنا مختصر کہ اگر جامع دہلی یا لکھنؤ میں ایسا مقدور رکھ کر یوں بیٹی کا بیاہ کر لیتا تو دنیا تھڑی تھڑی[1] کرتی۔ غرض ضمیران ماں باپ سے رخصت ہو کر مغیرہ کے گھر آئی۔ ہوش مند ساتھ تھی، تھوڑے دنوں کے بعد کیا اتفاق ہوا کہ ہوش مند ثابت اور ضمیران کو کھانا کھلاتی تھی، ثابت کے ہاتھ پر جو ہوش مند کی نگاہ جا پڑی تو اس کو بعینہٖ اُسی طرح کی انگوٹھی پہنے دیکھا جیسے حکیم صاحب پہنے رہا کرتے تھے۔ تا بدیر غور سے دیکھتی رہی۔ وہی حلقہ تھا وہی نگیں۔ ایک دو دفعہ موقع پا کر ثابت کے سونے کی حالت میں بھی ہوش مند نے اس انگوٹھی کو دیکھا اور اچھی طرح یقین کر لیا کہ ضرور انگوٹھی ہے حکیم صاحب کے ہاتھ کی۔ اب اس بات کے درپے[2] ہوئی کہ یہ انگوٹھی ثابت تک کیوں کر پہنچی۔ بدو بڑے لڑاکو ہوتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی بات میں کشت و خون پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ضمیران کو سسرال گئے ہوئے تیسرا یا چوتھا مہینہ تھا کہ دفعتہً مغیرہ کے یہاں لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں اور اُس نے یہ صلاح کی کہ عورتوں کو شیخ بصرہ کے گھر پہنچا دے۔ یہ ایسی بات نہ تھی کہ ہوش مند کو اسکی وجہ معلوم کرنے میں کچھ دقت ہوتی۔ تھوڑی ہی تفتیش سے یہ امر دریافت ہوا کہ مغیرہ بدوؤں کے بڑے گروہ کا سردار ہے۔ اور وہ لوگ جہاں کہیں لوٹ مار کریں مغیرہ کو گھر بیٹھے عشر یعنی دسواں حصہ بھیج دیتے ہیں۔ پارسال حج سے پہلے مدینے کی راہ میں ہند کا قافلہ لوٹا گیا تھا اور اس لوٹ میں شداد نامی مغیرہ کے گروہ کا ایک شخص بھی شریک تھا۔ اُسنے

---

[1] یعنی تھوکتی [2] یعنی اس بات کے پیچھے پڑی۔

لوٹ میں سے جس قدر حصہ پایا تھا اس کے عشر کے عوض ایک انگوٹھی جو ثابت کے ہاتھ میں تھی مغیرہ کو دی اب چند روز ہوئے مغیرہ کو یہ خبر پہنچی کہ شداد بیر قافلہ کو بھی پکڑ لایا تھا اور اس کو غلام بنانا چاہا۔ وہ شخص پیر مرد تھا۔ اس لیے کہا کہ میں ضعیف ہوں۔ کار و خدمت کے لائق نہیں مجھ کو غلام بنانے سے تجھ کو کیا حاصل ہوگا۔ تب اُس سے یہ شرط کی کہ تو مجھ کو ہزار درہم دے تو چھوڑ دوں۔ وہ پیر مرد ہندی طبیب بھی تھا۔ چنانچہ مکہ میں آکر کچھ اپنے پیشے سے کمایا اور کچھ اپنے ہم وطنوں سے لیا اور ہزار درہم شداد کو دیئے۔ مغیرہ نے اس ہزار درہم کا عشر شداد سے مانگ بھیجا۔ شداد نے انکار کیا۔ اسی بات پر تکرار بڑھتے بڑھتے لڑائی ٹھہری۔ پہلے تو شداد نے اس ہزار درہم سے انکار کیا۔ مغیرہ کو پکی خبر ملی تھی کہ وہ طبیب ہندی ہنوز مکے میں ہے۔ اس نے اپنے دوست شریف مکہ کی معرفت دریافت کرایا تو ہزار درہم کا ملنا صحیح تھا۔ مغیرہ نے عشر کے لئے تنگ طلبی کی۔ اب تو ہوش مند کو حکیم صاحب کا ٹھیک ٹھیک پتہ مل گیا نہایت خوش ہوئی اور جی میں کہنے لگی، "ہائے پر ہوتے تو اسی وقت اُڑ کر جاتی اور ناز پرورد کو خوش خبری سناتی۔" حقیقت حال سنتے کے ساتھ ہوش مند دل میں منصوبے کرنے لگی کہ حکیم صاحب مکے میں ہیں تو وہاں سال درسال ہر طرف سے آدمی حج کو جاتے ہیں کہلا بھیجنا کچھ مشکل نہیں۔ مغیرہ اور شداد میں جو لڑائی ہونے والی تھی۔ حج کے دن قریب آجانے کی وجہ سے وہ بھی ملتوی ہوگئی۔

ہوش مند نے تحقیق کیا تو متوکل نامی ایک معلم مغیرہ کے گاؤں کا ہندوستانی ہندی لوگوں کو مناسک[1] حج کی تعلیم کے لئے ہر سال مکے جایا کرتا تھا۔ یہ شخص

[1] رسمیں اور دستور ۱۲۔

ایک طرح کا مجاور[1] تھا۔ یلملم[2] سے جہاز اترتے اترتے ہندیوں کو جالیا اور وہیں ہیں گو حج کرا دیا۔ انھوں نے اس خدمت کے صلے میں جو کچھ دیا وہی متوکل کی معاش تھی۔ متوکل بڑا نیک دل اور خدا پرست آدمی تھا اور بدو اس کے زہد[3] و صلاح کے بہت معتقد تھے خصوصاً مغیرہ۔ ہوشمند جو کچھ مغیرہ کے گھر سے پاتی اور اپنا پیٹ کاٹ کر متوکل کے گھر دے آتی۔ رفتہ رفتہ جب ہوشمند نے متوکل سے اچھی طرح تعارف[4] پیدا کر لیا اور اسکی دین داری اور امانت پر اس کو اعتماد ہو گیا تو اس نے متوکل سے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک حاجت ہے وہ یہ کہ آپ مکے جائیے تو شریف مکہ کے پتہ سے ایک ہندی طبیب مسیح الملک کا پتہ لگا کر ان سے کہہ دیجئے گا کہ نازپرورد نے جو بیر الاعراب[6] میں جابر بدوی کے پاس ہے آپ کو سلام کہہ دیا ہے۔ متوکل نے بہت وثوق کے ساتھ وعدہ کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا یہ پیام میں ضرور ضرور مسیح الملک تک پہنچا دوں گا۔ غرض یہ جاتے کے ساتھ متوکل نے مسیح الملک کو ڈھونڈا تو جلدی سے پتہ مل گیا اس واسطے کہ مسیح الملک خود شریف مکہ کے ہاں معالج تھے۔ جوں ہی مسیح الملک نے نازپرورد کا نام سنا بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ متوکل چوں کہ خدا پرست آدمی تھا۔ مسیح الملک کو روتے دیکھ کر پوچھنے لگا کہ آپ کی مصیبت میں مجھ سے کچھ مدد ہو سکے تو انشاء اللہ میں دریغ نہ کروں گا۔ تب مسیح الملک نے اپنے لوٹے جانے

---

[1] بزرگوں کے مزاروں کے خادم مجاور کہلاتے ہیں [2] ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں سے ہندوستان کے لوگ احرام باندھتے ہیں [3] غوض [4] پرہیزگاری اور نیکی [5] جان پہچان [6] اس گاؤں کا نام ہے جس میں جابر کا گھر تھا۔

اور قید رہنے کا قصہ بیان کر کے کہا کہ "نازپرور مجھ ہی بدبخت کی بیٹی ہے۔ آپ مجھ کو صرف اتنی بات بتائیے کہ اس کی رہائی کی عمدہ تدبیر کیا ہے"۔ متوکل نے کہا کہ "تمام اعراب[1] اگرچہ خود سر ہیں مگر شریف مکہ کا ادب کرتے ہیں۔ اگر شریف ساعی[2] ہو تو آپ کی بیٹی کی رہائی بہت سہل ہے۔ مسیح الملک یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور فوراً شریف مکہ سے جا کر عرض حال کیا۔ شریف مکہ نے اسی وقت نامہ[3] لکھ دیا اور اپنا خاص خادم مسیح الملک کے ساتھ کر دیا۔ مسیح الملک خادم شریف کو ساتھ لے بیر الاعراب میں گئے اور جابر کو شریف کا نامہ دیا۔ جابر نے خط پڑھنے کے ساتھ مسیح الملک کو بہت خاطر داری کے ساتھ اپنے گھر میں لے جانا چاہا۔ مسیح الملک نے تامل کیا۔

جابر۔ "یہ امر ہرگز قرینِ انصاف نہیں ہے کہ آپ کی بیٹی برس روز میرے اہل و عیال میں داخل رہے اور میں اس کے ناموس[4] کا حافظ[5] رہوں اور آپ کو اجنبی[6] سمجھوں"۔

غرض جابر مسیح الملک کو گھر کے اندر لے گیا۔ نازپرور باپ کو دیکھتے ہی دوڑ قدموں سے لپٹ گئی اور جدائی کے حالات جو دونوں کو یاد آئے تو بیٹی باپ دونوں ایسی دہاڑیں مار مار کر روئے کہ جابر کے گھر بھر کے دل ہل گئے

شعر۔ وہ رو رو کے اس طرح دونوں ملے ✣ کہ جس طرح ساون[7] سے بھادوں ملے

نازپرور نے نہایت[8] کے ساتھ اپنی والدہ کی خیریت پوچھی۔ مسیح الملک "تمہاری

---

[1] بدو [2] کوشش کرے [3] خط [4] آبرو [5] نگہبان [6] غیر۔ اوپری [7] ساون بھادوں برسات کے دو مہینے ہیں دونوں کے سنجوگ میں اکثر بہت پانی برستا ہے۔

مفارقت[1] میں زندہ در گور ہے۔" پھر ہر ایک نے اپنی اپنی مصیبت کا تذکرہ کیا مسیح الملک پر متوکل سے نازپرورد کا سلام اور پتہ سن کر ایک شادی مرگ[3] کی حالت طاری ہو گئی تھی۔ اس وقت اس نے متوکل سے کچھ اور نہیں پوچھا۔ اس واسطے مسیح الملک کو اس وقت تک ہوش مند کا حال معلوم نہیں تھا، بلکہ جب اس نے ہوش مند کو نازپرورد کے پاس نہیں پایا تو یہ جانا کہ شاید وہ کہیں اور ہوگی۔ نازپرورد نے مسیح الملک سے پوچھا کہ میرا پتہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا؟"

مسیح الملک:۔ "مجھ سے متوکل نامی ایک معلم نے تمہارا اسلام اور پتہ بیان کیا۔"

نازپرورد:۔ "میں متوکل کے نام سے بھی واقف نہیں۔ شاید خدا تعالیٰ نے میری مصیبت پر رحم کر کے رجال الغیب[4] میں سے کسی کو آپ کے پاس بھیجا ہو، یا ہوشمند یہاں تھی اُس نے کسی سے کچھ تذکرہ کیا ہو، مگر مجھ کو معلوم نہیں۔"

مسیح الملک:۔ "ہوش مند بھی تمہارے ساتھ تھی؟"

نازپرورد:۔ "شروع سے، وہ تو اب پانچواں مہینہ ہے کہ جابر کی بیٹی ضمیران کے جہیز میں دی گئی اور اس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔"

مسیح الملک:۔ "ضمیران کہاں بیاہی گئی؟"

نازپرورد:۔ "یہاں سے چھ سات منزل کوئی مقام عمرانہ ہے، وہاں مغیرہ کے بیٹے ثابت سے۔"

مسیح الملک:۔ "متوکل کا سخت عجب ہے۔"

---

[1] جدائی [2] جیسے جی گور میں [3] حد سے زیادہ خوشی جس میں آدمی کے مر جانے کا احتمال ہو [4] فرشتے جو مصیبت کے وقت خدا کے نیکوں کی مدد کرتے ہیں۔

نازپرورد "فی الواقع عجب ہے۔ جابر سے پوچھئے شاید کوئی شخص بیر الاعراب میں اس نام کا ہو"۔ مسیح الملک نے جابر سے پوچھا تو اُس نے کہا یہاں تو نہیں عمرانہ میں ایک معلم ہے۔ تب تو مسیح الملک اور نازپرورد کو یقین ہوا کہ اس کی رہائی میں ہوش مند نے تحریک کی ہے۔ تب نازپرورد نے ہوش مند کی وفاداریاں اور اس کے احسان اور دل جوئیاں سب مسیح الملک سے بیان کیں۔ مسیح الملک نے دل میں کہا کہ ہرگز اقتضائے حمیت و مروت نہیں کہ میں نازپرورد کو لے جاؤں اور ہوش مند کی رہائی میں سعی نہ کروں۔ یہ سوچ اس نے عمرانہ جانے کا ارادہ کیا اور جابر سے منزلوں کا حال پوچھنے لگا۔ جابر نے کہا کہ آج شام تک ایک قاصد عمرانہ سے آنے والا ہے۔ اس سے ٹھیک حال معلوم ہوگا۔ گھڑی بھر رات گئے قاصد آیا اور ہوش مند بھی اس کے ساتھ تھی۔ مسیح الملک کو دیکھتے ہی سر قدموں پر رکھ دیا۔ مسیح الملک نے پوچھا تو اپنا حال بیان کیا کہ متوکل حج سے واپس آیا تو میں نے اپنے پیام کا حال اس سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ آپ ملے اور چھوٹی بیوی (نازپرورد) کی رہائی کی تدبیر ہوگئی۔ اور شریف مکہ کا نامہ لے کر آپ بیر الاعراب روانہ ہوئے متوکل نے مجھ سے آپ کا ماجرا پوچھا میں نے شروع سے آخر تک بیان کیا تب اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اپنی رہائی کی کچھ فکر نہ کی، میں نے جواب دیا کہ مجھ کو رہائی کی ضرورت نہیں۔ میں تو جنم کی کنیز ہوں جن کو ضرورت ہے خدا ان کو نصیب کرے متوکل کو نہیں معلوم کیا سوجھی اور کیا مغیرہ سے کہا غرض مجھ کو آزاد کر دیا۔ میں نے کہا میں یہ احسان اپنے سر نہیں لے سکتی تاوقتیکہ اپنی بیوی کو آزاد نہ دیکھ لوں، یہاں قاصد آنیوالا تھا۔ مجھ کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یوں خدا نے نازپرورد اور ہوش مند دونوں کی رہائی کی

اور مسیح الملک ہنسی خوشی دونوں کو ساتھ لے جابر سے رخصت ہوئے۔ مسیح الملک نے ہوش مند کو بیٹی اور نازپرور نے اس کو اپنی بہن بنایا کہانی ختم ہوئی تو سب لڑکیوں نے تعریف کی کہ سبحان اللہ بڑی عمدہ اور بڑی مزے کی کہانی ہے ہزار آفریں ہے ہوش مند کی ہوشیاری اور وفاداری پر۔ حسن آرا "عرب میں تو لوگ حج کرنے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین داری کا چرچا زیادہ ہے۔ پھر بدوؤں نے ان بے چاروں کو ناحق کیوں لوٹا اور پرائی بہو بیٹیوں کو پکڑ کر کس طرح لونڈی بنایا۔"

استانی جی "کلثوم تم نے عرب کا جغرافیہ عرب کی تاریخ بہت کچھ پڑھی ہے، وہاں کا کچھ حال تو حسن آرا بیگم کو سناؤ۔"

عرب کا جغرافیہ اور بدّوؤں کے حالات

کلثوم "عرب ایک ویران ملک ہے، اُس کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بہت کم ہے صدہا کوس کے ریگستان پڑے ہیں جن میں نہ پانی ہے، نہ درخت، نہ گاؤں، نہ بستی، اگر عرب میں مکّہ مدینہ نہ ہوتا تو کوئی عرب کی طرف منہ بھی نہ کرتا اور ملکوں میں جو لوگ جاتے ہیں تو آخر کسی غرض سے جاتے ہیں کہیں غلے کی افراط ہے، کہیں میوے کی کثرت، کہیں جواہرات پیدا ہوتے ہیں۔ غرض کوئی نہ کوئی چیز نایاب یا کثرت سے اُس ملک میں ہوتی ہے کہ اس کی ضرورت لوگوں کو کھینچ بلاتی ہے۔ سو عرب میں صرف خدا کا نام ہے، نہ غلّہ، نہ میوہ، نہ جواہرات نہ کچھ نہ کچھ۔"

محمودہ "کیوں، عرب کے اونٹ عرب کے گھوڑے تمام جہان میں نامی ہیں، اونٹ تو بھلا خیر ہندوستان میں بیکانیر کی طرف اور افریقہ کے ملک میں بھی ہوتا ہے۔ مگر گھوڑے جیسے عرب میں عمدہ اور بیش قیمت ہوتے ہیں کسی ملک میں نہیں ہوتے۔"

کلثوم "آپ نے درست کہا۔ عرب میں گھوڑے بڑے نفیس ہوتے ہیں مگر ایک تو گھوڑا ایسی عام ضرورت کی چیز نہیں، دوسرے عرب کے لوگ اپنے عمدہ گھوڑوں کو دوسرے ملکوں میں جانے بھی نہیں دیتے۔ وہ لوگ گھوڑوں کے خود ایسے شوقین ہوتے ہیں۔ البتہ حج کے لئے ہر سال اطراف و جوانب سے لاکھوں آدمی مکے میں جمع ہوتے ہیں اور بعض دین دار لوگ ہجرت کر کے بھی عرب میں جا رہتے ہیں۔ وہاں کے اصلی باشندے بدو ہیں جن کا نہ کوئی شہر ہے۔ نہ گھر۔ یہ لوگ اس ملک کے کنجروں کی طرح خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ سرکی کی جگہ چرمی خیموں میں رہتے اور بال بچے مویشی ساتھ لئے پھرتے۔ جہاں پانی قریب ہوا اور مویشیوں کا چارہ پایا، رہ پڑے جب پانی گھاس کی تکلیف ہونے لگی دوسری جگہ جا رہے۔ لوٹ کھسوٹ ان لوگوں کا موروثی پیشہ ہے، ہر سال حج کے دنوں میں دو چار کمزور قافلے لوٹ رکھتے ہیں۔"

عام جغرافیہ کے مختصر

حسن آرا "کیوں بوا کلثوم یہ سب حال تم نے کس کتاب میں پڑھا؟"

کلثوم "جن کتابوں میں شہروں اور ملکوں کا حال لکھا ہوتا ہے ان کو علم جغرافیہ کی کتابیں کہتے ہیں۔ اس علم میں بہت سی کتابیں ہیں مگر حال میں بالو شیو پرشاد

صاحب نے جامِ جہاں نما ایک کتاب لکھی ہے۔ بڑی اچھی کتاب ہے۔"

حسن آرا "کیا تمام روئے زمین کی مختصر کیفیت بھی اس کتاب کے پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو جاتی ہے مگر ایشیا اور خاص کر ہندوستان کا حال تو نہایت ہی تفصیل سے لکھا ہے۔"

حسن آرا "ایشیا افریقہ نئے نئے لفظ سننے میں آتے ہیں۔ ان کا مطلب میں خوب نہیں سمجھتی۔"

محمودہ "میں آپ کو سمجھا دوں۔ جس طرح مکان میں ہر ایک حصے کا کچھ نام رکھ لیتے ہیں۔ غسل[1] خانہ۔ آبدار خانہ[2]، باورچی خانہ، توشے خانہ[3]، بالاخانہ، صحن، غلام گردش[4]، سائبان، اصطبل، خانہ باغ[5]، پائیں باغ[6]، شہ نشین[7]، دالان، کوٹھری وغیرہ اسی طرح زمین کے حصوں کے نام رکھ لئے ہیں۔ جو حصہ سمندر کے پانی میں ڈوبا ہوا ہے اس کو تری یا بحرِ اعظم[8] کہتے ہیں اور جو پانی سے کھلا ہے اس کو خشکی یا برِ اعظم[9]۔ بحرِ اعظم کے بھی ٹکڑے کر لئے ہیں۔ لال سمندر، کالا سمندر، ہند کا سمندر، شمالی سمندر، جنوبی سمندر ان ہی ٹکڑوں کے نام ہیں۔ خشکی کے دو بڑے حصے ہیں۔ بڑا پرانی دنیا اور چھوٹا، نئی دنیا۔"

حسن آرا "نئی، پرانی دنیا کیسی؟"

محمودہ "نئی دنیا کا حال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا اب کوئی چار سو برس سے معلوم ہوا کہ یہاں بھی بستی ہے۔ نئی دنیا کو امریکہ کہتے ہیں۔ اس کے دو ٹکڑے ہیں۔

---

[1] نہانے کی جگہ [2] پانی کے رکھنے کی جگہ [3] کپڑے کی قسم کا اسباب رکھنے کی جگہ [4] نوکروں کے چلنے پھرنے کی جگہ [5] گھر میں جو باغ لگا ہو [6] جو باغ ایسے موقع سے لگا ہو کہ ایک جگہ بیٹھیں تو نیچے باغ دکھائی دے [7] مکان کا صدر مقام [8] بڑا سمندر [9] بری خشکی

شمالی امریکہ، اور جنوبی امریکہ۔ ہم لوگ پرانی دنیا میں رہتے ہیں، اس کے تین ٹکڑے ہیں ایشیا، یورپ، افریقہ۔ ایشیا میں ہندوستان، چین، افغانستان، عرب، ایران توران وغیرہ ہیں۔ یورپ انگریزوں کا ملک ہے اور افریقہ حبشیوں کا۔ مجمل حال تو یہ ہے اور مفصل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر آپ نقشہ دیکھیں تو خوب سمجھ میں آئے۔"

ہاجرہ "ذرا وہ کتاب تو دو جس میں نقشے ہیں۔" محمودہ نے ہاجرہ سے کتاب لے پہلے کرۂ زمین کا نقشہ حسن آرا کے روبرو پھیلا دیا اور کہا "دیکھو یہ تمام زمین کی تصویر ہے۔"

کرۂ زمین کا نقشہ مع حالاتِ عامّہ

حسن آرا "تم تو کہتی تھیں زمین گول ہے، یہ چکی کے سے دو پاٹ الگ الگ کیسے ہیں؟"

محمودہ "ان دونوں کو جوڑ کر بیچ میں مٹی یا کچھ اور چیز بھر دو تو ٹھیک زمین کی شکل بن جائے۔ ایک مٹی کا گولا بنا کر اس پر موقع موقع سے ملکوں اور سمندروں اور پہاڑوں اور ندیوں کے نشان بنا دیتے ہیں۔ وہ خوب ہوتا ہے، اس کو کرہ کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں کا کرہ فراش خانہ کے مدرسہ کی استانی جی نے منگوا بھیجا ہے۔ وہ ہوتا تو اس سے خوب سمجھ میں آتا مگر خیر اسی نقشہ میں دیکھئے کہ نیلی پیلی لال سبز لکیروں سے جو جگہ گھری ہے وہ تو خشکی ہے، باقی جو جگہ آپ خالی دیکھتی ہیں تمام سمندر ہے۔"

حسن آرا "آہا ہر چہار طرف سمت رہی سمندر پھیلا ہوا ہے۔"

محمودہ:- بے شک میں نے آپ سے کہا تھا کہ تین حصے کے قریب سمندر ہے اور ایک حصے کے قریب خشکی۔"

حسن آرا:- بھلا یہ کھنکھجورے کی طرح کیا بنا ہے؟" محمودہ:- پہاڑ ہیں۔"

حسن آرا:- امریکہ میں پہاڑوں کی بڑی کثرت معلوم ہوتی ہے۔" محمودہ:- "واقعی۔"

حسن آرا:- اور یہ لہریے دار لکیریں کیا ہیں؟" محمودہ:- دریا ہیں۔"

حسن آرا:- ہماری دلّی اس نقشے میں کہاں ہے؟" محمودہ:- دلی اس میں نہیں ملے گی۔ ایک بالشت میں تمام زمین ہے، اس میں اتنی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ تمام شہروں کے نام لکھے جائیں ورنہ نقشہ ایسا گھچ پچ ہو جاتا کہ پڑھا بھی نہ جاتا مگر یہ دیکھئے ہندوستان موجود ہے۔"

حسن آرا:- ایک بڑا کھنکھجورا یہاں بھی چل رہا ہے۔"

محمودہ:- ہاں۔ یہی ہمالہ پہاڑ ہے جس میں کشمیر، سیالکوٹ، شملہ، منصوری، لنڈھور، نینی تال وغیرہ مقامات واقع ہیں۔ جہاں گرمی کے دنوں میں انگریز جا کر رہا کرتے ہیں۔"

حسن آرا:- بھلا یہ دکھن کی طرف ایک بُندا سا کیا لٹک رہا ہے۔"

محمودہ۔ ہندوؤں کی لنکا جس کے قصے کی نقل رام لیلا شہر میں بناتے ہیں۔"

حسن آرا:- خالی میدان میں جو رنگین نقطے دیے ہیں یہ کیا ہیں؟"

محمودہ:- چھوٹے چھوٹے ٹاپو۔" حسن آرا:- ٹاپو کیا؟"

محمودہ:- چاروں طرف سمندر، بیچ میں اونچی زمین جس پر آدمی بستے ہیں۔"

حسن آرا:- دونوں سروں میں نہ آبادی کا نشان ہے نہ سمندر کا۔ یہ کیا بات ہے؟"

محمودہ: "زمین کے دونوں سرے قطب کہلاتے ہیں۔ ایک شمالی۔ دوسرا جنوبی آج تک وہاں کوئی نہ پہنچ سکا۔ غضب کی سردی ہے۔ سمندر مارے خنکی کے جم گیا ہے۔"

حسن آرا: "کیا تمام روئے زمین پر سردی گرمی یکساں نہیں؟"

محمودہ: "ہرگز نہیں۔ بیچ میں جو یہ لکیر کھنچی ہوئی ہے اس کو خط استوا کہتے ہیں۔ اس پر آفتاب کی کرنیں سیدھی پڑتی ہیں اور اس بلا کی گرمی ہے کہ سمندر ہے تو کھول رہا ہے اور زمین ہے تو جلتے توے کی طرح تپ رہی ہے اس خط سے جتنی دور چلو اتر کر یا دکھن کو اسی قدر گرمی کم سردی زیادہ۔ یہاں تک کہ قطبوں پر حد درجے کی سردی ہے۔"

حسن آرا: "یہ تو آپ نے بڑی عمدہ بات بتائی، تو انگریزوں کا ملک ہمارے ملکوں کی نسبت بہت سرد ہوگا۔ اور افریقہ گرم۔"

محمودہ: "تم بہت درست سمجھیں۔ واقعی ایسا ہی ہے۔"

حسن آرا: "حبشی شاید گرمی ہی کے سبب بہت کالے ہوتے ہیں۔"

محمودہ: "آدمی تین رنگ کے ہوتے ہیں۔ کالے۔ گورے اور تانبے کے رنگ کے۔ سرد ملک کے رہنے والے گورے ہوتے ہیں۔ گرم کے کالے۔ اور امریکہ والوں کا رنگ تانبے کا سا ہوتا ہے۔"

حسن آرا: "سردی گرمی کے اعتبار سے ہمارا ملک بیچ کی راس ہے۔ اسے ہجر اور ملک والے بھی یہیں آ رہتے۔"

محمودہ: "جو جس ملک میں پیدا ہوا ہو۔ اُسی کو پسند کرتا ہو۔ خدا نے ان کی ویسی

ہی طبیعت پیدا کی ہی اور ان کی ضرورت کی چیزیں اُسی ملک میں بہ آسانی میسر آتی ہیں "

ایشیا - یورپ - افریقہ کے نقشہ جات

حسن آرا " بھلا اس کتاب میں اور نقشے کیسے ہیں؟" محمودہ " یہ نقشہ تمام زمین کا تھا اس سے آگے صرف ایشیا، صرف افریقہ، صرف یورپ - صرف شمالی امریکہ - صرف جنوبی امریکہ کے ہیں - پھر ایشیا میں جتنے ملک ہیں ہندوستان عرب چین - افغانستان وغیرہ سب کے الگ الگ نقشے ہیں - اسی طرح ضلعے اور پرگنے اور گاؤں اور مکان کے نقشے ہوتے ہیں "

حسن آرا " یہ کیا بات ہے تمام زمین کا نقشہ تو چھوٹا اور ہندوستان کا تھا "

محمودہ " یہ تو پیمانہ کا فرق ہے - پرگنے کا نقشہ بڑے پیمانہ کا ہوتا ہے یعنی مثلاً ایک میل کا ایک انچ - ضلع کا نقشہ اگر اتنے پیمانہ پر بنائیں تو مکان میں نہ سمائے اس واسطے پیمانہ چھوٹا کر دیتے ہیں، چار میل کا ایک انچ اور ہندوستان کے اس نقشے میں پچاس میل کا ایک انچ ہے، اور کرۂ زمین کے نقشے میں پانچ سو میل کا ایک انچ (نقشہ - ایک تصویر ہے، اس کا چھوٹا بڑا بنا لینا اپنے اختیار میں ہے "

حسن آرا " اگر پرگنے کا پیمانہ رکھیں تو تمام زمین کا نقشہ خدا جانے کتنا بڑا ہو - قطب صاحب تک تو پھیل جائے "

محمودہ " عجب کیا ہے "

سمندر کے منافع

حسن آرا: "سمندر تو خدا نے ناحق ہی بنایا۔ تمام زمین خشک ہوتی، آدمی مزے میں اِدھر سے اُدھر چلتے پھرتے، جہاں تک چاہتے بستے بساتے۔"

استانی جی: "یہ بڑا کفر کا کلمہ ہے، توبہ کرو۔ دنیا میں کوئی چیز بے فائدہ اور بے مصلحت نہیں ہے اور خدا کے جتنے کام ہیں سب عقل اور حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ آدمیوں نے اتنا غور کیا مگر اس کی حکمت کا ایک شمّہ[1] بھی نہیں سمجھ پایا۔"

حسن آرا: (گلوں پر ہولے ہولے طمانچے مار کر) "اے ہے میری توبہ ہے استانی جی! ذرا سمندر کے فائدے مجھ کو تو بتلایئے۔"

استانی جی: "میں دو چار فائدے جو مجھ کو معلوم ہیں بتاؤں گی لیکن انسان ایسا ضعیف[3] العقل ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کا فائدہ سمجھنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اپنے قصورِ فہم کی وجہ سے انتظامِ الٰہی پر اعتراض کر بیٹھے۔ انتظامِ الٰہی عقلِ انسان کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ جب عقل کو کوئی بات خلافِ انتظامِ الٰہی سوجھتی ہے تو یہ دلیل غلطیٔ عقل ہے۔ سمندر کے فائدوں میں تم کو شک ہے تو لو سنو۔ ایک فائدہ تو یہی کہ سمندر سے لاکھوں روپے کے بیش[5] بہا موتی نکلتے ہیں جو ہم عورتوں کے لئے

---

[1] ذرا سا حصہ [2] اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک بیجا بات جو منہ سے نکلی تھی اس کے بدلے اپنی سزا آپ کرلی [3] عقل کی کمزوری ناتوان [4] عاجز [5] قیمتی*

موجب زینت ہیں۔ سمندر میں لاکھوں قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں جن کو آدمی کس خواہش سے کھاتے ہیں۔ مچھلیوں کی چربی جلانے کے کام آتی ہے۔ بلکہ بعض مچھلیوں کا تیل بہت سی بیماریوں کی دوا ہے۔ سمندر میں مچھلیاں اتنی بڑی بڑی ہوتی ہیں کہ تم سنو تو حیران ہو جاؤ۔ ایک قسم کی مچھلی وہیل ہوتی ہے۔ سینکڑوں گز کی لمبی چوڑی۔ ہزاروں من کی وزنی یعنی بجائے خود جہاز کا جہاز۔ پھر سمندر میں مال کے لدے ہوئے بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں۔ اگر اتنا مال خشکی کی راہ سے جائیں تو بڑی محنت بڑی دیر اور بڑے خرچ کی ضرورت ہے۔ اگرچہ جہاز دخانی[1] سمندر اور بڑے دریاؤں میں اسی طرح چلتا ہے۔ جیسے خشکی میں ریل مگر صدہا جہاز صرف ہوا کی مدد سے چلتے ہیں۔ اور ہوا موافق ہو تو سینکڑوں کوس ایک دن میں چل جاتے ہیں۔ یہ تھوڑے فائدے ہیں؟ اور فائدے تو فائدے سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی ہی نہ ہو۔"

حسن آرا: "جناب لاکھوں آدمی ہیں جنہوں نے سمندر کی صورت بھی نہیں دیکھی بلکہ شاید نام بھی نہ سنا ہو۔"

استانی جی: "یہ میں نے کب کہا کہ دیکھنے اور نام کے سننے پر زندگی موقوف ہے میں نے تو یہ کہا کہ سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی ہی نہ ہو۔"

حسن آرا۔ "مہربانی فرما کر مجھ کو اس کی وجہ سمجھا دیجئے۔"

استانی جی: "وجہ تو ظاہر ہے کہ کھانے کے الوالعوا قسام کے غلے سب مینھ سے

---

[1] جو جہاز ریل کی طرح بھاپ کے زور سے چلے اس کو دخانی جہاز کہتے ہیں دخان کے معنی ہیں دھواں یعنی بھاپ۔

پیدا ہوتے ہیں اور مینہ سمندر سے آتا ہو"

حسن آرا: "آہا تب ہی لوگ کہا کرتے ہیں کہ بادل سمندر میں پانی پینے جاتے ہیں"

استانی جی: "یہ کہنا تو غلط ہے۔ مگر مینہ ضرور سمندر سے آتا ہے۔ رابعہ تم نے ابھی چند روز مینہ، اوس، کہر، قوس وقزح، بجلی اور اولوں کا حال پڑھا ہے حسن آرا بیگم کے روبرو بیان تو کرو"

مینہ۔ بجلی۔ بادل وغیرہ اور روشنی اور ہوا کی رفتار

رابعہ: "گرمی کی وجہ سے سمندر اور دریاؤں اور ہر ایک گیلی اور سیلی چیز میں سے بھاپ نکلتی ہے اور چونکہ سمندر کا پانی ہزاروں کوس میں پھیلا ہوا ہے، سب سے زیادہ بھاپ سمندر سے اٹھتی ہے۔ اس بھاپ کا نام بادل ہے جو ہلکے ہونے کے سبب ہوا پر جا کر آفتاب کے عکس سے ہم کو رنگ برنگ نظر آتے ہیں۔ یہ بھاپ بلندی پر پہنچ کر خنکی پاتی اور مینہ بن کر برستی ہے۔ اور کبھی خنکی کی وجہ سے جم کر اولا ہو جاتی ہے"

حسن آرا: "مینہ تو وہ بھاپ ہوئی جو سردی پاکر پانی بن گئی تو بجلی وہ بھاپ ہوگی جو آگ بن جاتی ہوگی۔ اوپر کی خنکی بھاپ کو تو پانی بنا دیتی ہے۔ مگر کیا اُس آگ کو نہیں بجھا سکتی؟"

رابعہ نے تامل کیا۔ محمودہ: "کوئی چیز گرمی سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ جمی ہوئی برف میں بھی گرمی رہتی ہے اور دو چیزوں کو آپس میں گھسنے اور رگڑنے سے یوں بھی

لہ جاڑے کے موسم میں صبح کے وقت جو دھواں سا گھٹا ہوا ہوتا ہے سے برسات میں جو آسمان پر کمان دکھائی دیتی ہے سے ٹھنڈک +

گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ستارا جو ٹوٹتا ہے ہوا کی گرمی اشتعال لگ پاکر بھڑک اٹھتی ہے اور اس قاعدے کے نہ جاننے سے لوگوں نے بڑے بڑے ڈھکوسلے اٹھائے ہیں۔ قبرستانوں اور مرگھٹوں اور پرانی عمارتوں اور باغوں اور جنگلوں میں جو کبھی ہوا اسی طرح بھڑک اٹھتی ہے لوگ جانتے ہیں بلا ہے۔ بجلی وہ گرمی ہے جو بادلوں میں رہتی ہے اور گرمی کا یہ بھی خواص ہے کہ جب دو چیزیں برابر رکھی جائیں جن میں سے ایک میں گرمی زیادہ ہو اور دوسری میں کم تو زیادہ گرمی والی چیز سے گرمی نکل کر کم گرمی والی چیز میں جائے گی، یہاں تک کہ دونوں چیزوں میں برابر کی گرمی ہو جائے گی۔ مثلاً ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالو تو ہاتھ کی گرمی پانی میں جائے گی یہاں تک کہ دونوں میں یکساں گرمی ہو جائے اور تھوڑی دیر بعد پانی کی ٹھنڈک جو ہاتھ کو محسوس نہیں ہوتی اس کی یہی وجہ ہے۔ اسی طرح جس بادل میں گرمی زیادہ ہوتی ہے وہ پاس کے کم گرمی والے بادل میں زور سے جاتی ہے، اس کا نام کڑک ہے جس کی آواز ہم لوگ سنتے ہیں۔"

حسن آرا: "ٹھنڈے پانی اور ہاتھ کی مثال جو آپ نے دی اس میں تو ہم کو ہاتھ سے آگ نکلتی نظر نہیں آتی۔ مگر بجلی میں تو ایسی آگ ہوتی ہے کہ آنکھ چندھیانے لگتی ہے۔"

محمودہ: "گرمی سے آگ بن جانا کون تعجب ہے۔ پتھر کو پتھر پر مارو، صاف چنگاریاں جھڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔ خیر النساء نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ اُن کے وطن میں ایک مرتبہ آندھی آئی تھی۔ بانسوں کی رگڑ سے جنگل میں اس بلا کی آگ لگی کہ تمام نیستان[1] جل کر سیاہ ہو گیا۔

---

[1] بانسوں کا جنگل۔

حسن آرا: "بجلی تو زمین پر بھی گرا کرتی ہے، اس کا سبب؟"

استانی جی: "جب بادل زمین کے قریب ہوا۔ نزدیک ہونے کی وجہ سے زمین اس گرمی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔"

حسن آرا: "کیا یہ بادل آسمان میں نہیں ہوتے؟"

استانی جی: "اکثر میل دو میل سے زیادہ اونچے نہیں ہوتے اور پہاڑوں پر تو گھروں میں بادل گھسنے پھرتے ہیں۔ بیٹھے ہیں کہ یکایک کہر کی طرح دھواں سا ابھرا تھوڑی دیر بعد جاتا رہا تو دھواں ندارد۔ پانی میں تر بہ تر۔"

حسن آرا: "بجلی تو بڑی آفت ہے۔ کچھ اس کی روک بھی ہے؟ میں نے تو جہاں کڑک کی آواز سنی اندر بھاگ جاتی ہوں۔"

استانی جی: "آواز کے سنے پیچھے بھاگنا تو بے وقوفی ہے۔ بجلی گرتی ہے تو آواز پہنچنے سے پہلے گر چکتی ہے۔ ہوا کی نسبت روشنی کی رفتار بڑی تیز ہوتی ہے تم نے کا ہے کو دیکھا ہوگا، غدر کے دنوں میں ہم لوگ کوٹھے پر سے بادلے کی توپوں کو دیکھتے تھے کہ رنجک کی چمک پہلے نظر آتی تھی۔ اس کے چند لمحے کے بعد توپ کی آواز سن پڑتی تھی یہی حال بعینہٖ بجلی اور کڑک کا ہے خوب دھیان لگا کر جب چاہو آزما لو پہلے چمک نظر آتی ہے اس کے تھوڑی دیر بعد کڑک کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور بجلی کے روک کی جو تم نے پوچھی تو ہاں عقل مندوں نے اس کی تدبیر بھی نکالی ہے۔ بجلی تھی تو نقصان کی چیز عقل کے زور سے اس کو بھی فائدہ مند کر لیا۔ تار برقی کا نام تم نے سنا ہے؟"

حسن آرا: "ہاں دو چار مرتبہ بڑے ابا کے پاس سے سنا کہ تار میں خبر آئی ہے۔"

اُستانی جی: "دیکھو انگریزوں کی ولایت پانچ ہزار کوس دور ہے مگر تار کے ذریعہ سے چار پانچ گھنٹے میں خبر آنے لگی ہے۔ یہ سب بجلی کے کھیل ہیں۔"

حسن آرا: "روک کی نسبت آپ نے کچھ نہ فرمایا۔"

اُستانی جی: "دھات کی چیزیں لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ بجلی کو کھینچتی ہیں۔ میگزینوں میں بارود کی حفاظت کے واسطے بجلی کی روک کرنی پڑتی ہے۔ چھتوں کے پہلو میں لوہے کی سلاخیں گاڑ دیتے ہیں کہ بجلی گرے تو سلاخوں کی راہ زمین میں چلی جائے اور بجلی کا ایک خاصہ یہ بھی تحقیق ہوا ہے کہ نوک دار چیز سے گریز کرتی ہے گنبدوں اور مناروں بلکہ چھتریوں پر جو لوگ دار کلس دیکھتی ہو اس کا اصلی سبب یہی ہے۔ میرے پاس ایک رسالہ ہے جس میں تار برقی کا سب حال لکھا ہے۔ اس میں بجلی کے عجب عجب خواص لکھے ہیں جب تم زیادہ پڑھ لوگی تو اس کو دیکھنا۔"

انگریزوں کا حال

حسن آرا: "انگریز بھی نرے عقل کے پتلے ہیں!" استانی جی: "قوم کی قوم کا یہی حال ہے عقل کے پتلے نہ ہوتے تو کالے کوسوں آکر بادشاہ کس طرح بن بیٹھتے ذرا انگلستان کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہو کہ ابتدا ان لوگوں کی کیا تھی۔ نرے وحشی تھے جانوروں کو مار کر گوشت کھاتے اور چمڑا پہنتے۔ پہاڑوں کی کھوہوں میں رہتے کھیتی باڑی اور مکان بنانے تک کی عقل نہ تھی۔ رومیوں کی سلطنت تھی، ان ہی سے انگریزوں نے ہنر اور سلیقہ سیکھا یہاں تک کہ رومیوں کو اپنے ملک سے

نکال باہر کیا۔ اب یہ وہی انگریز ہیں کہ روئے زمین پر کوئی قوم ایسی دانش مند اور ایسی شایستہ نہیں ہے۔"

اب تک میں یہ سمجھتی تھی کہ خدا نے سب آدمیوں کو برابر عقل دی ہے مگر آپ کے فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے ملک کی آب و ہوا میں ایک خاص تاثیر ہے کہ وہاں کے لوگ زیادہ عقیل ہوتے ہیں۔ میری کتاب میں بھی کئی جگہ دانش مندانِ فرنگ آیا ہے۔ پھر اس میں دوسرے ملک والوں کا کیا دوش ہے۔"

استانی جی: "عقل واقعی خداداد ہے، مگر اس کی ترقی بے علم کے نہیں ہوتی اسی طرح جسم بھی خداداد ہے مگر اس کی توانائی اور بالیدگی غذا پر موقوف ہے عقل کی غذا علم ہے سو افسوس ہے کہ علم ہندوستان سے بالکل اٹھ گیا اور جو ہے وہ جہل سے بدتر۔ ناحق ناحق کی کٹھ حجتی اور جھوٹی شاعری کے سوا ہندوستان میں کچھ اور بھی ہے؟"

حسن آرا: "کیا انگریز بڑے مولوی ہوتے ہیں؟"

استانی جی: "لفظ مولوی کا استعمال تم کو اس مقام پر نہیں کرنا چاہیئے۔ مسلمان عالم مولوی کہلاتے ہیں۔ ہندو۔ پنڈت۔ مگر کچھ شک نہیں کہ جو علم بکار آمد ہیں انگریز سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسی علم کے زور سے وہ نادر کلیں ایجاد کی ہیں، اور آئے دن ہوتی جاتی ہیں کہ سن کر عقل دنگ ہوتی ہے۔ تمام دنیا کا تمام کام کلوں سے لیا جاتا ہے۔ کلیں سوت کاتیں، کلیں کپڑے بنیں، کلیں آٹا پیسیں۔ کلیں کتابیں چھاپیں۔ کلیں باجے بجائیں۔ کلیں لوہار بڑھئی کا کام دیں، بلکہ کلیں وہ

---

۱ گناہ قصور ۲ خدا کی دی ہوئی ۳ بڑھنا ۴ حیران۔

وہ کام کریں جو آدمی سے نہ ہو سکے۔"

حسن آرا: "کیا اِن کی میمیں بھی اِسی طرح کی عقل مند ہوتی ہیں؟"

استانی جی: "بیشک عورتیں بھی سب کی سب پڑھی لکھی ہنرمند۔ اور ممکن نہیں کہ مرد اس درجے کے لائق ہوں اور . . . . عورتیں ہم کم بختوں کی طرح بے علم بے ہنر۔ حلیمہ کے ہمسائے میں ایک میم رہتی ہیں ذرا ان کا حال سنو۔ حلیمہ بوا کہو تو۔"

ایک انگریزی خاندان کا حال اور اسکی نیک زندگی

حلیمہ: "جناب ہمارے مکان سے ملا ہوا مکان (وہ بھی ہمارا ہی ہے) پانچ چھ مہینے ہوئے ایک میم نے کرایہ پر لینا چاہا۔ ہمارے محلے کی بہشتن میم صاحب کے پاس آیا گئی ہیں نوکر ہے وہی پیام لائی۔ میم کا نام سُن کر اماں جان نے صاف انکار کیا کہ ہم میم کو مکان نہیں دیتے۔"

بہشتن: "ڈیوڑھا دونا کرایہ ماہ بماہ لو۔ ایسا کھرا کرایہ دار نہیں پاؤ گی۔"

اماں جان: "کرایہ لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے۔ دیوار بیچ تو مکان لگا ہے۔ لڑکی بالیوں کی آواز برابر جاتی ہے۔ میاں مرزائی اپنے کارخانے کے لئے منتیں کرتے رہے۔ میں نے نہ دیا رکھوں گی تو کسی اشراف کو ورنہ بلا سے خالی پڑا رہا۔"

بہشتن: "بیوی میم صاحب بھی بڑی ہی اشراف آدمی ہیں ہیں تو غیر قوم غیر مذہب مگر مجھے اپنے ننھوؔ[۲] کی قسم، بڑی ہی بھلی مانس ہیں۔ اور پاس کے رہنے سہنے کو

---

[۱] انگریزوں کی ماما۔ [۲] آیا کے بیٹے کا نام ہے۔

آپ حال کھل جائیگا اگر میری بات میں فرق پاؤ تو میری ناک چوٹی کاٹ لینا۔

اماں جان ۔ بھلا ان کے ہاں انگریزوں کی آمد و رفت تو رہتی ہی ہو گی۔

بہشتن ۔ بیوی، صاحب تار گھر میں نوکر ہیں۔ رات کے ۹ بجے آتے ہیں اور صبح کے چار بجے کام پر چلے جاتے ہیں۔ دن کی حاضری[1] وہیں جاتی ہے اور کوئی باہر کا نہ آتا ہے نہ جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بڑی بیٹی مس[2] بابا اصل خیر سے تمہاری لڑکی سے عمر میں تو کم ہیں مگر میری آنکھوں میں خاک ڈبل میں کوئی دو ہتھی نکلتی ہوئی ہے۔

اماں جان ۔ گو باہر والوں کی آمد و رفت نہ ہو خود میم صاحب تو باہر نکلتی بیٹھتی ہیں۔

بہشتن ۔ صبح و شام پا پیادہ بچوں کو ساتھ لئے ہوا کھانے البتہ کشمیری دروازے کے باہر جایا کرتی ہیں۔

اماں جان ۔ میم صاحب یا ان کے بچے ہمارے گھر میں تو چلے آیا کریں گے۔

بہشتن ۔ بے مرضی ہرگز نہیں۔

اماں جان ۔ دیکھو کچھ قباحت نہ ہو۔ مجھے تو ڈر ہی لگتا ہے۔

بہشتن ۔ بیوی کچھ شبہ مت کرو، میرا ذمہ۔

غرض کہ میم صاحب آ رہیں۔ دو چار دن اماں جان ہم سب بچوں پر آہستہ بولنے کی تاکید کرتی رہیں اور کوٹھے پر چڑھنے کو بھی منع کیا تھا اور ہم لوگوں نے بھی اتنے دنوں میم صاحب کی طرف سے آواز تک نہیں سنی۔ اوپر پیاز بھیلی ہوئی تھی اس کے لینے کو اماں سے پوچھ کر کوئی چار گھڑی دن رہے میں دبے پاؤں چڑھی۔

---

[1] انگریزوں کے کھانے کو حاضری بولتے ہیں [2] مس لڑکی، بابا بچہ

دیکھتی کیا ہوں باہر صحن میں میز بچھی ہو اور میم صاحب اور اُن کے بچے اس پاس کرسیاں بچھائے سب کے سب کچھ پڑھ رہے ہیں چھت پر میرے چلنے کی دھم دھم سن کر چھوٹی لڑکی نے مجھکو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی آپ سے آپ سلام کیا۔ اس کا سلام کرنا تھا کہ سب کے سب دیکھنے لگے۔ تب تو میں نے بھی میم صاحب کو سلام کیا میم صاحب نے نہایت مہربانی سے میرا سلام لیا اور جلدی سے اُٹھ چھت کے نیچے آکھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں "ہم لوگوں نے تم سے جان پہچان پیدا کرنے میں ابتدا کی ہو تم اس بات سے کچھ ناخوش تو نہیں ہو" میں میم صاحب کو آتے دیکھ جی میں آیا کہ بھاگ جاؤں لیکن ان کی بات سن کر تو دل میں کچھ دلیری سی آئی اور میں نے کہا "جناب اس میں ناخوشی کی کیا بات ہو۔ آپ سے تعارف کرنا تو ہمارے لئے فخر ہے"

میم صاحب "مجھ کو ایک بات پوچھنی ہے۔ اگر تمہاری اماں جان مہربانی کر کے اپنے کوٹھے پر ذرا کی ذرا آکھڑی ہوں تو بڑا احسان کریں۔ اپنی اماں جان سے میرا بہت بہت سلام اور یہ پیام کہنا"

میں نے کہا "بہت خوب میں ابھی جا کر کہتی ہوں" نیچے آکر میں نے اماں جان سے سب حال بیان کیا۔ پہلے تو اماں جان نے بھی کچھ تامل سا کیا۔ بارے چلی گئیں۔ میم صاحب "سلام کے بعد میں نے آپ کو صرف اتنی بات پوچھنے کے لئے تکلیف دی ہے کہ اس آنے کے سوائے اگر کچھ اور تکلیف ہم لوگوں کے رہنے سے آپ کو پہنچی ہو تو مہربانی فرما کر مجھ کو اس سے اطلاع دیجئے"

اماں جان "آپ کے منہ پر کہنا تو خوشامد ہو مجھ کو آج تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اس

مکان میں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں۔ ایسا تو کوئی ہندوستانی بھی آکر نہیں رہا۔ ہم لوگوں میں کم بخت پردے کی بڑی قید ہے۔ بس اسی کا خیال تھا۔"

میم صاحب :" ہوں تو میں بے شک انگریز مگر میں اسی ملک میں پیدا ہوئی اور اسی ملک میں ہوش سنبھالا۔ میں بڑے آدمی کی بیٹی ہوں۔ ماں باپ دونوں غدر میں مارے گئے۔ اکیلی رہ گئی، شادی کرلی۔ خدا کے فضل سے چار بچے ہو گئے ہیں، ان کو پرورش کرتی ہوں۔ اور میں آپ لوگوں کے دستور سے بہ خوبی واقف ہوں خدا نے چاہا تو کوئی بات مجھ سے ایسی نہ ہوگی کہ آپ کی اذیت کا باعث ہو۔ ہماری کتابوں[1] میں ہمسائے کے بہت بڑے حقوق لکھے ہیں۔ سو اگر مجھ سے وہ حق نہ بھی ادا ہوں تاہم میں امید کرتی ہوں کہ میرے سبب سے آپ کو کسی طرح کی تکلیف بھی نہ پہنچے گی۔"

اماں جان :" آپ کے رہنے سے تو سراسر راحت ہے۔ مگر ہم لوگوں کی وجہ سے عجب نہیں آپ کو ایذا ہوتی ہو۔ میں اللہ رکھے میرے بھی چار ہی بچے ہیں مگر دن بھر آپس میں اودھم[2] مچائے رہتے ہیں۔ بہتیرا اگھڑکتی ہوں، کوستی ہوں اور عاجز آکر ایک آدھ طمانچہ بھی مار بیٹھتی ہوں لیکن دن بھر مجھ کو پریشان کیے رہتے ہیں۔ سگے بھائی بہن ہو کر ایک لحظہ کو ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ جب سے آپ آکر رہی ہیں ذرا امن بھی ہے۔ میں بات بات پر روکتی رہتی ہوں پھر بھی کیا اثر ہوتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ان کا شور و غل آپ کو تکلیف نہ دیتا ہو۔"

میم صاحب :" کیا ہوا، بچے ہی تو ہیں۔ کھیلنے کودنے کو تو ان کی عمر ہے۔ شرارت کیا

---

[1] توراۃ، انجیل [2] غل شور

ہی کرتے ہیں۔ ان کے شور وغل ہی کی تو گھر میں بستی ہے۔"
اماں جان: "مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کے بچے کیوں نہیں غل کرتے۔"
میم صاحب: "کرتے ہیں، نہ ہر وقت۔"
اماں جان: "ہوائے خدائی تدبیر مجھے بھی بتائیے۔ میں ان بچوں کے ہاتھ سے سخت عاجز ہوں۔ خدا پناہ دیکھیں تو جیا یا۔ ان کو لڑنے سے کام۔ ان کی وجہ سے میں نے شادی بیاہ میں جانا کم کر دیا۔ لوگ کہتے ہیں تو سچ کیسی بے مری اولاد اٹھائی ہے ناحق شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔"
میم صاحب: "یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس کے واسطے آپ اتنا سوچ کرتی ہیں۔ بڑے ہو کر آپ درست ہو جائیں گے۔"
اماں جان: "کیا بڑے ہونے کے لئے کوئی اور زمانہ آئے گا۔ اللہ رکھے تیرھویں برس میں تو یہ میری حلیمہ ہے۔ بہتیرا کہتی ہوں تم بڑی ہو، سمجھدار ہو، چھوٹوں کے منہ مت لگا کرو۔ چھیڑ چھیڑ کر لڑتی ہے۔ کچھ ان وقتوں میں ایسے خون سفید ہو گئے ہیں نہ چھوٹوں کو بڑوں کا ادب ہے، نہ بڑوں کو چھوٹوں کی محبت ہے۔"
میم صاحب: "بچوں سے کچھ آپ کام بھی لیتی ہیں؟" اماں جان: "کام کیا ہے؟ خدا کے دئے نوکر چاکر گھر میں ہیں۔ ان کا یہی کام ہے کھائیں اور کھیلیں۔"
میم صاحب: "بس یہی خرابی ہے۔ میں نے تو ہر ایک بچے پر اس کے بساط[1] کے موافق اتنا کام ڈال رکھا ہے۔ کہ اس کو اسی میں فرصت نہیں ملتی۔ ہم سب لوگ چھوٹے بڑے چاہے کوئی موسم ہو صبح کے پانچ بجے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ ہر ایک نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور تھوڑا سا ناشتہ کھایا چھ بجتے بجتے ہم ان سب کو

[1] حیثیت۔

لے کر شہر کے باہر ہوا کھانے چلی جاتی ہوں اور کوئی ساڑھے سات آٹھ بجے لوٹ آتی ہوں۔ آتے کے ساتھ سب کو لے کر نماز پڑھتی ہوں پھر سب کو سبق پڑھاتی ہوں گیارہ بجے سبق سن کر کھانا کھاتی ہوں۔ اس کے بعد کوئی لکھتا ہے کوئی سیتا ہے، دن کو ہم لوگ کبھی نہیں سوتے۔ تین بجے پہلے کچھ کھالیا پھر دوسرا سبق دیا جاتا ہے۔ پانچ بجے پھر غسل کیا اور کپڑے بدلے، ہوا خوری کو نکل گئی۔ سات بجے واپس آئی اتنے میں صاحب آجاتے ہیں سب بچوں کا سبق سنتے اور ہر ایک کا کام دیکھتے اور سب مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ نماز کے بعد کھانا کھایا سو رہے۔ فرمائیے اب ان کو لڑائی کی فرصت کہاں ہے اور اگر میں ان کو آپس میں لڑتا دیکھوں تو کیا توقع رکھوں جب یہ آپس میں ملاپ رکھیں تو دنیا میں دوسرے لوگوں کے ساتھ کیونکر گذر کریں گے؟"

اماں جان: "سبحان اللہ آپ نے بڑا اچھا انتظام کر رکھا ہے اور تب ہی تو تم لوگ سلطنت کر رہے ہو۔ ہم ہندوستانیوں میں عورت کے یہی کام ہیں۔ دو چار کھانوں کی ترکیب سیکھ لی۔ اپنے ہاتھوں اپنے کپڑے سی لیے۔ پڑھنے لکھنے کا تو دستور ہی نہیں تو کر جا کر رکھنے کا مقدور رہا تو احدی بن کر بیٹھ رہے۔"

میم صاحب: "ہم لوگوں میں ضرورت کی نظر سے ہنر نہیں سیکھتے بلکہ ہنر کو باعث عزت سمجھتے ہیں۔ مجھ کو اپنے باپ کی ایک بات یاد ہے کہ جب مجھ کو انہوں نے ولایت پڑھنے کے لئے بھیجا تو چچا کو چٹھی لکھ دی تھی کہ اس کو کسی اچھے مدرسہ میں داخل کر دینا۔ چچا نے لکھا کہ فلانے مدرسے میں بڑی عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوتی ہے مگر وہاں فیس بہت دینی پڑتی ہے۔ میرے باپ نے لکھا کہ وہ سو روپے مہینہ میں نے اس لڑکی کے حق کا علیحدہ کر دیا ہے اس میں اگر بچے گا وہ اسی کے واسطے جمع

ہوتا جائے گا۔ لیکن اگر اس کا کل روپیہ اس کی تعلیم میں صرف ہو تو جمع ہونے سے بہتر ہوگا کیوں کہ ہنر کا جمع کیا جانا روپے کے جمع کئے جانے سے کہیں مفید ہے۔ چنانچہ مجھ کو چچا نے اسی بڑے مدرسے میں داخل کیا جس میں فیس اور میرا ضروری خرچ ملاکر دوسو روپیہ کا دوسو روپے مہینہ خرچ ہو جاتا تھا۔ جب میرے باپ غدر میں مارے گئے تو اب کہیں سہارا نہ تھا ناچار مجھ کو مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ ایک برس کی کسر رہ گئی۔ ورنہ میں ایک سال اور پڑھتی۔ ماں باپ کے مارے جانے کا رنج اور مدرسے کے ایسی مجبوری کے ساتھ چھوٹنے کا صدمہ میں سچ کہتی ہوں دونوں نے میرے دل پر بُرا اثر کیا۔ ہر چند میں ناتمامی کی حالت میں مدرسے سے نکلی پھر بھی میری لیاقت کا چرچا دور دور تھا اور مدرسے سے نکلنے کے ساتھ جب لوگوں نے جانا کہ میں شادی کرنے کو آمادہ ہوں تو سینکڑوں آدمیوں نے مجھ سے شادی کی درخواست کی۔ ہم لوگوں میں یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ شادی لڑکا لڑکی کی رضامندی سے ہوتی ہے۔ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ رضامندی آپ لوگوں کے مذہب میں بھی شرط ہے۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ اس کا برتاؤ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اکثر ناتمیزی کی حالت میں آپ لوگ اولاد کو بیاہ دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ لوگوں میں اکثر زن و شوہر میں بےلطفی[1] اور ناسازگاری[2] رہا کرتی ہے۔ جب کثرت سے لوگ خواہاں ہوئے تو مجھ کو انتخاب میں بڑی دقت پیش آئی۔ کبھی حسنِ صورت پر دل فریفتہ ہوتا تھا، کبھی طمع دولت رغبت دلاتی تھی۔ کبھی فخر نسب[3] کی... خواہش ہوتی تھی۔ مدرسے کی اُستانی جو مجھ پر سگی ماں کی طرح مہربان تھیں میں نے

[1] بےمزگی [2] ناموافقت [3] ذات کی بڑائی

ان سے مشورہ کیا اُنہوں نے مجھ کو یہ نیک صلاح دی کہ علم ولیاقت اور نیکی انسان کے بڑے جوہر ہیں جس میں یہ صفتیں پاؤ اُسی کو اختیار کرو۔ چنانچہ خوب تحقیق و تفتیش کے بعد میں نے ان صاحب کو پسند کیا۔ صاحب بڑے عالم ہیں۔ مدرسے سے خطاب فضیلت حاصل کیا ہے اور نیک اس درجے کے ہیں کہ یہاں کے سارے انگریز پادریوں کے برابر تعظیم کرتے ہیں۔ اور میں تو صاحب کی نیک مزاجی سے اس قدر خوش ہوں کہ سلطنت کی خوشی بھی اُس کے مقابلہ میں ہیچ نظر آتی ہے صاحب کی تنخواہ تو کچھ بہت نہیں ہے۔ صرف چارسو روپیہ مہینہ پاتے ہیں مگر جس محبت اور مہربانی سے مجھ کو اور بچوں کو رکھتے ہیں میرا منہ نہیں کہ اس کا شکریہ ادا کرسکوں۔ پندرہ برس میرے بیاہ کو ہوئے کسی بات میں مجھ سے ردوکد کی نوبت بھی نہیں آئی۔ بچوں کے ساتھ کچھ اس طرح کی مدارات ہے کہ ہر ایک بچہ دل وجان سے فدا ہے۔ جب کچہری سے آتے ہیں تو بچوں کو عید کی سی خوشی ہوتی ہے مگر مجال نہیں کہ کوئی ان کی خلاف مرضی بات کرسکے۔ نہ مارتے ہیں، نہ گھڑکتے ہیں، نہ ترش روئی کرتے مگر کچھ ایسا ڈھنگ کر رکھا ہے کہ محبت میں رعب، پیار میں ڈر۔ اور ان ہی کے انتظام سے بچوں کی اصلاح بھی میری خاطر خواہ ہوتی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بیٹے اور بیٹیاں سب میرے کہے میں ہیں۔ میری بڑی لڑکی کا نام مس روز ہے۔ آپ نے تو کھڑکی میں قفل لگا رکھا ہے ورنہ میری لڑکیاں تو ایسی ملنسار ہیں کہ دن میں سو سو بار کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوتی ہیں۔ اور آپ کے بچوں سے ملنے کو ترستی ہیں۔ قفل کھول دینے میں اگر کچھ قباحت نہ ہو تو ایک دن آکر ذرا

ہمارے گھر کو دیکھیے۔ اس سے خاطر جمع رکھیے کہ سوائے میرے اور میرے بچوں کے کوئی غیر اندر نہ رہنے پائے گا۔"

اماں جان :- انشاء اللہ تعالےٰ میں کسی دن ضرور آؤں گی۔"

اگلے دن اماں جان ہم سب کو ساتھ لے ٹھڑکی کی راہ میم صاحب کے گھر گئیں تو کیسا صاف ستھرا کہ صحن میں تنکے کا نام نہیں۔ خانہ داری کا اسباب اس سلیقے کے ساتھ اپنے اپنے موقعہ سے رکھا تھا کہ ہم لوگوں میں شادی بیاہ میں بھی ایسی آرائش نہیں ہوتی۔ ہر ایک چیز نایاب اور قیمتی تو کچھ بھی نہیں۔ اکثر چیزیں ایسی تھیں کہ ہمارے گھر میں بھی تھیں مگر وہاں کی چیزوں پر اور ہی کچھ رونق تھی۔ منہ دھونے کا طسلہ کیسا صاف منجھا ہوا کہ آنکھ نہ ٹھہرے۔ بید کے مونڈھے کی بھی کچھ اصل ہی، مگر تیلیاں چمکتی ہوئیں۔ اوپر ایک دست کار جالی کا نفیس غلاف۔ سادگی میں تکلف۔ غرض جو چیز تھی صفائی کا نمونہ تھی۔ گھر میں جانے سے جی چاہے کہ صحن میں کھانا بکھیر کر کھا لیجیے، وہاں کا سامان دیکھ کر مجھ کو یقین ہوا کہ صفائی بڑی زینت ہی۔ میم صاحب کے بچے اپنے اپنے کمروں میں کوئی لکھ رہا تھا کوئی سی رہا تھا۔ سب نے ہم کو آتے دیکھا بھی مگر کیا مقدور کہ بے ماں کی اجازت کے باہر نکل آئیں میم صاحب نے ہم سب کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا۔ ہم لوگ تو ادھر اُدھر دیکھ ہی رہے تھے۔ اماں جان بھی کن انکھیوں سے چیزوں کو دیکھتی جاتی تھیں۔

میم صاحب :- "کیا آپ کی تواضع کروں۔ پان میں نہیں کھاتی۔ عطر ہم لوگوں کا شاید آپ کو پسند نہ ہو۔ خشک مٹھائی کا تو کچھ پرہیز نہیں۔" ایک کنستر منگا کر ٹوکری

میں ہم لوگوں کے روبرو رکھ دیا۔ ہم لوگوں نے تامل کیا۔
میم صاحب ہنس کر "اجی بے تامل کھاؤ۔ اس میں تو کچھ قباحت نہیں اور یوں آپ کے مذہب میں تو ہمارے ساتھ کھانا جائز لکھا ہے۔ اور روم اور مصر میں کوئی مسلمان بھی اس طرح کا پرہیز نہیں کرتا۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں نے نیا مسئلہ نکالا ہے۔"

اماں جان "نہیں پرہیز کی کیا بات ہے۔ مگر ابھی سب کھانا کھا چکے ہیں۔"
میم صاحب "کیا ہوا۔ آپ کچھ نقصان کا اندیشہ نہ کیجئے۔ ہم لوگوں کی مٹھائیوں میں بھی دوا ہوتی ہے۔" غرض نہایت نفیس اور لطیف مٹھائی ہم سب نے کھائی۔ اس کے بعد میم صاحب نے اپنے بچوں کو پکارا۔ سب آموجود ہوئے۔ میم صاحب نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بچوں کی عقل دیکھیے کہ ہر ایک اپنے ہم جولی کے پاس آکر بیٹھا۔ مس روز میرے پاس بیٹھیں اور پہلا سوال انہوں نے مجھ سے یہی کیا کہ "آپ کیا پڑھتی ہیں؟" ان کا پوچھنا تھا کہ مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور میں نے شرمندہ ہو کر کہا "کچھ نہیں۔" مس روز نے میری بات کو نہایت تعجب سے سنا اور چپ ہو گئیں۔ پھر اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں، اپنے بُنے ہوئے قیمتی اور عمدہ سے عمدہ تکیوں اور کرسیوں کے غلاف، میزوں کی چادریں۔ کپڑے کے پھول۔ موزے۔ کتاب میں رکھنے کی نشانیاں، گلوبند، مویاف، دستی رومال جھالریں، ڈورے کے کام دکھائے ہیں تو میں اماں جان حیران ہو کر رہ گئیں۔ پھر میم صاحب سب کمروں میں ہم کو لے گئیں۔ کتابوں کی الماری میں سے ایک کتاب نکال کر اپنے رشتہ داروں اور دنیا کی عمدہ عمارتوں اور نامی اور مشہور لوگوں کی تصویریں دکھائیں گئیں تو اس نیت

سے بھتے کہ ذرا کے ذرا بیٹھ کر چلے آئیں گے مگر کوئی چار گھڑی دن رہ گیا تب اماں جان نے کہا کہ "آج میں نے آپ کا بڑا حرج کیا"

میم صاحب "مجھ کو آپ کی ملاقات سے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور ہرگز میرا کوئی حرج نہیں ہوا"

اماں جان "مگر گستاخی معاف میں آپ کے پاس سے اوداس ہو کر چلی"

میم صاحب "خیر ہی ؟ بات تو کہئے"

اماں جان "اب اپنی حالت پر جو نظر کرتی ہوں تو سخت افسوس ہوتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی کا ڈھنگ ہے خیر میری تو بتیر ہو گئی، افسوس یہ ہے کہ اولاد کو بھی میں نے اپنا ہی ایسا اٹھایا ہے"

میم صاحب "افسوس کی کیا بات ہے۔ ہنر ملکے وہر رسمے"

اماں جان "آگ لگے اس ملک کو جس میں ہنر کا نام نہیں ہے۔ ہم لوگ شہر میں بڑے سلیقہ شعار کہلاتے ہیں مگر سچ یہ ہی کہ ہنر اور سلیقہ آپ لوگوں پر ختم ہے"

غرض میم صاحب سے رخصت ہو کر گھر آئے تو جدھر آنکھ پڑتی تھی ہر چیز حقیر اور بھونڈی نظر آتی تھی میرا تو یہ حال ہوا کہ اس رات رنج کے مارے مجھ سے کھانا تک نہیں کھایا گیا اگلے دن میں نے اماں جان سے کہا کہ "اگر آپ فرمائیں تو میں مس روز سے کچھ سیکھوں"

اماں جان "بھلا بیٹی، مس روز کچھ اپنے دیس کی تو ہیں نہیں کہ جان پہچان کا پاس ہو۔ خدانخواستہ کچھ محتاج نہیں کہ روپے پیسے کا لالچ کریں۔ میں ان سے کس منہ سے کہوں۔ دیکھو کسی طرح ان کی اماں سے دریافت کروں گی" میں نے جا گھڑ کی

کھولی۔ دیکھا تو مس روز صحن میں ٹہل رہی ہیں۔ دیکھتے ہی مجھ سے پوچھا "آپ کہیں تو میں آپ کے گھر آؤں؟"

اماں جان "شوق سے۔" اماں جان نے مس روز سے آنے کو تو کہا مگر میں اپنے جی میں کہہ رہی تھی "خدا کرے نہ آئیں۔ آئیں گی تو کہاں بٹھائیں گے؟"

حسن آرا "کیوں؟ کیا تمہارے گھر میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی؟ میں تو سنتی ہوں..... تمہارا مکان بڑا عالی شان مکان ہے اور فرش و فروش، کرسی مونڈھے، ہر طرح کا وافر[1] سامان موجود ہے۔"

حلیمہ "خدا کا دیا سب کچھ ہے مگر میں میم صاحب کے یہاں جا کر دیکھ چکی تھی ان کے لائق ایک چیز بھی نہ تھی۔ ہمارے یہاں وہ صفائی اور اجلاپن کہاں؟"

حسن آرا "کچھ میم صاحب کی وقعت ہی تمہارے ذہن میں جم گئی ہے ورنہ ماشاء اللہ تم بھی خاصی صاف اور ستھری رہتی ہو۔"

حلیمہ "ہاں تم یوں ہی سمجھو، مگر میری طرح میم صاحب کا مکان دیکھے ہوتیں تو جانتیں کہ صفائی کس کو کہتے ہیں۔"

حسن آرا "بلا سے تم نے مس روز کے لئے سفید سوزنی بچھوا دی ہوتی۔"

حلیمہ "آپ کے فرمانے پر موقوف نہ تھا، جلدی جلدی جو کچھ ہو سکا کیا ہی۔ مگر کس کس چیز کو چھپاتی جب مس روز چلی آئیں تو میں نے باورچی خانہ کی طرف پشت کر کے کرسی بچھا دی۔ تھوڑی دیر میں آفتاب سامنے آگیا مس روز کرسی پھیر عین باورچی خانہ کے سامنے ہو بیٹھیں اور میرا یہ حال کہ ان کو برابر باتوں میں لگائے جاؤں تاکہ ادھر ادھر ان کی نظر نہ پڑے۔ دو چار باتوں کے بعد

[1] زیادہ۔

مس روز بولیں کہ میرا جی چاہتا ہے آپ مجھ کو بہن بنا لیجئے۔ میں نے کہا "بہن بننے کا تو منہ نہیں، مجھ کو آپ شاگرد کیجئے اور کچھ سکھائیے تو بڑی مہربانی ہو۔"

مس روز "پڑھنا لکھنا تو آپ کو اپنے ملک کا سیکھنا چاہئے۔ مس گریوز جو زنانے مدرسوں کی انسپکٹر ہیں مجھ سے (اُستانی کا نام لیا) اِن کے مکتب کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ مگر سلائی ہر قسم کی میں سکھا دوں گی۔ اور اس سے زیادہ مجھ کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھ سے کچھ سیکھیں۔"

میں "آپ کی اماں جان تو اس میں کچھ مضائقہ نہ کریں گی؟"

مس روز "مضائقہ؟ آپ لوگ اُن کے مزاج سے ابھی واقف نہیں ہیں، میری والدہ ضرور ہیں مگر از روئے انصاف میں ... ایسی نیک عورت کوئی نہیں دیکھی زیادہ رہنے سے خود آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے کے لئے میں تو جانتی ہوں شاید اپنی جان تک کا اُن کو دریغ نہیں ہے، آپ سے تو ہم سائگی اور ملاقات ہے، کوئی ہو اُن کو ہمدردی کرنی ضرور۔"

میں "آپ کی اماں جان کبھی آپ کو گھرکتی تو نہیں؟"

مس روز "ان کو ہر ایک طرح کا اختیار مجھ پر حاصل ہے۔ مگر خدا مجھ کو ایسی نافرمان بیٹی نہ بنائے کہ میری اماں جان کو گھرکنے کی نوبت آئے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی کی بات ہو گی کہ میں اپنی پیاری اور مہربان اور خیر خواہ اور دل سوز ماں کے خلاف رائے کوئی بات کروں۔"

میں "چھوٹے بھائی بہنوں سے اور آپ سے کسی بات میں رد و کد ہوتی ہو گی، اس وقت تو آپ کی اماں جان ضرور دخل دیتی ہوں گی۔"

مس روز:۔ اگر میں اپنے چھوٹوں سے روک ٹوک کروں تو لغت ہے میری بڑائی پر۔ میں اپنے سب چھوٹے بھائی بہنوں کی شکر گذار ہوں کہ وہ لوگ میرا ہر طرح ادب کرتے ہیں اور میں بھی سب کو جان کی طرح عزیز رکھتی ہوں اور سب پر دم دیتی ہوں اور کیوں کر نہ دوں، اپنے بھائی بہنوں سے بھی کچھ پیارا ہے؟"

میں:۔ کیا سچ مچ تم بھائی بہنوں میں کبھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا؟"

مس روز:۔ بھائی بہن تو بھائی بہن، ہم لوگوں کو تو خدا کے فضل سے غیروں کے ساتھ بھی لڑنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔"

میں:۔ آپ کی باتیں سن کر مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے ایسا ممکن نہیں کہ اوپر تلے کے بھائی اور بہنوں میں لڑائی جھگڑا نہ ہو۔"

مس روز:۔ اور مجھ کو آپ سے یہ سُن کر تعجب ہوا کہ بھائی بہنوں میں لڑائی کا ہونا ضرور ہے۔"

میں:۔ اجی لڑائی کچھ خدا نہ خواستہ بیر نہیں، یہی بحث و تکرار۔"

مس روز:۔ جی ہاں میں سمجھی۔ مگر مجھ کو حیرت ہے کہ وہ کیسے بھائی بہن ہیں جو آپس میں تکرار رکھتے ہیں۔"

میں:۔ چھوٹے ناسمجھ کسی بات پر ضد کریں تو اس کا کیا علاج۔"

مس روز:۔ نرمی سے پیار کے ساتھ ان کو سمجھا دینا۔ نہ کہ اُن سے لڑنا۔"

میں:۔ اور اگر وہ نہ سمجھیں؟" مس روز:۔ وہ نہ سمجھیں یا بڑا نہ سمجھا سکے؟"

میں:۔ وہ ایک ہی بات ہے۔" مس روز:۔ یہ تو بڑے کا قصور ہے۔"

میں:۔ بھلا صاحب کھانے پہننے کی کسی چیز کو آپ کا جی چاہتا ہوگا تو آپ کی اماں جان

کسی بات میں روک ٹوک نہیں کرتیں"

مس روز:"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھ کو اپنے کھانے اور پہننے کے واسطے مطلق فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے زیادہ اماں جان کو میری ضرورتوں کا خیال رہتا ہے اور میں دیکھتی ہوں تو جو چیز مجھ کو درکار ہے اور میری حالت کے لئے مناسب ہے اماں جان بے کہے خود اس کا سامان کر لیتی ہیں۔ پھر مجھ کو اس میں دخل دینے سے حاصل؟"

میں:"بھلا کبھی کسی نوکر چاکر پر آپ کو خفا ہونے کا اتفاق ہوا؟"

مس روز:"میری اماں جان نے تو مجھ کو یہ تعلیم کیا ہے کہ اگر آدمی جس کا بال بال گنہگار اور خطاوار ہے، چاہتا ہے کہ اس کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے[1] تو یہ چاہیئے کہ وہ اپنی زیر دستوں کی خطاؤں سے درگذر کرے۔ پھر نوکروں پر خفا ہونے کا کیا موقع ہے؟"

میں:"تب ہی اتنے دن آپ کو اس مکان میں رہتے ہوئے، آواز تک نہیں سن پڑی"

مس روز:"خدا کا شکر ہے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اسی طرح گھر کو غل غپاڑے سے خالی پاتی ہوں"

میں:"کیوں صاحب، کیا کسی بات پر چھوٹے بچوں کو آپ کے گھر مار نہیں پڑتی"

مس روز:"اگر خدانہ خواستہ بچوں کو مار پیٹنے کی ضرورت ہو تو ہم سمجھیں کہ ان کی خرابی علاج سے درگذری۔ مار پیٹ آخری درجہ بچوں کی سزا ہے۔ جیسے پھانسی آخری درجہ مجرموں کی سزا ہے"

---

[1] یعنی آدمی اگر یہ چاہتا ہے کہ خدا اس کے قصور معاف کرے۔

میں: "پڑھنا، لکھنا، سینا، پرونا، آپ نے اپنی اماں جان سے سیکھا یا کسی دوسری سے"

مس روز: "بہت کچھ اپنی اماں جان سے اور تھوڑا سا مدرسے میں پڑھنے پر بھی"

میں: "آپ کی اماں جان نے کبھی نہیں مارا؟" مس روز: "کبھی نہیں"

میں (ہنس کر) "آپ مجھ کو مارا کیجیئے گا؟"

مس: "روز (ہنس کر) ضرور، لیکن اسی طرح کی مار جیسی میں نے کھائی ہے"

میں: "کب سے شروع کرائیے گا؟" مس روز: "ابھی"

میں: "آپ اپنی اماں جان سے تو پوچھ لیجیئے"

مس روز: "میں کہہ چکی ہوں کہ ایسے کاموں میں ان سے دریافت کرنے کی مطلق ضرورت نہیں"

میں: "کیا ہوا، پھر بھی آپ احتیاطاً ان سے اجازت لے لیجیئے"، مس روز نے جیب سے کاغذ پنسل نکال وہیں بیٹھے بیٹھے ماں کو رقعہ لکھ کر بھیجا۔ اسی کی پشت پر یہ جواب لکھا آیا کہ اگر تم بی ہمسائی کی بیٹی کو (کہ مجھے تمہاری طرح عزیز ہیں) کچھ سکھا سکو تو جتنی محنت تم نے ان کاموں کے سیکھنے میں کی ہے اس سے بہتر اس کا انعام نہیں، اور بے شک اگر ہم بی ہمسائی کی بچیوں کو سکھانے میں کوشش نہ کریں تو ہمارا یہاں رہنا لاحاصل محض ہے اور جب یہاں سے اٹھیں گے تو یہ حق اپنی گردن پر لے جائیں گے۔ اگر تم کسی تدبیر سے ان لوگوں کو سیکھنے پر آمادہ کر سکو تو میں نہایت خوش ہوں گی اور میں آئندہ کی کوششوں میں ہر طرح تمہاری شریک رہوں گی"

غرض یہ کہ اُسی دن سے میں نے اس مکتب میں آنا شروع کیا اور مس روز نہایت مہربانی سے مجھ سینا سکھایا کرتی ہیں۔ گھر بھر کچھ اس طرح کا نیک ہے کہ میں نے تو اس قسم کے آدمی نہیں دیکھے۔ دو ہی مہینے میں تمام محلے کو گرویدہ کر لیا ہے غربا کو چپکے چپکے بہت کچھ ملتا ہے کوئی بیمار پڑے، میم صاحب اپنے پاس سے مفت دوا دیتی ہیں اور دلجوئی کیسی کوئی اپنا بھی نہ کرے۔ ایک دن علیمہ میری چھوٹی بہن کا جی اچھا نہ تھا میم صاحب پہر دن رہے سے آدھی رات تک بیٹھی رہیں۔ کبھی یہ دوا پلا کبھی وہ دوا پلا۔ بہتیرا اماں جان نے کہا آپ جاکر آرام کیجیے، بہت رات گئی۔ سر کیں تک نہیں جب علیمہ سو گئی اور آرام ہو گیا تب گئیں۔ یہ بات میں نے اُن ہی میں دیکھی۔ اپنے اوپر مصیبت ہو تو بڑی مستقل مزاج، بڑی مضبوط، بڑی صابر، بھول کر بھی زبان پر نہ لائیں۔ اور دوسرے کی آنکھیں دُکھتی بھی سُن پائیں تو پھڑک اُٹھیں، بے تاب ہو جائیں۔

حسن آرا: "تم تو میم صاحب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی ہو۔ لوگ تو انگریزوں کو عموماً بُرا سمجھتے ہیں۔"

حلیمہ: "ان کو انگریزوں سے سابقہ نہ پڑا ہو گا۔ ہمارا بھی یہی حال تھا۔ ڈر نے ڈرتے ہم لوگوں نے میم صاحب سے ملاقات کی اور بہت دنوں تک دل میں کھٹکتے رہی، معاملہ پڑا تو جانا۔"

حسن آرا: "اچھی اتنی نیک ہیں تو باہر کیوں نکلتی ہیں؟"

استانی جی: "اپنی رسم، اپنا دستور۔ پردے کا دستور مسلمانوں میں ہے۔ اب ہندو بھی مسلمانوں کی دیکھا دیکھی عورتوں کو پردوں میں چھپانے لگے ہیں ورنہ روئے زمین پر اور کسی قوم میں پردے کا رواج نہیں۔"

علم تاریخ کا تذکرہ اور آدمیوں کی مختلف رسمیں

حسن آرا: "آدمی آدمی ایک ذات رواج کا مختلف ہونا بڑی حیرت کی بات ہے۔"

استانی جی: "ایک رواج کا اختلاف! اجی صورتیں، قدوقامت، لباس، وضع، بولی، راہ ورسم، مذہب، سبھی میں تو اختلاف ہے۔ دنیا میں کوئی دو ہزار تو بولیاں ہیں۔ ملکوں کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہو عجیب عجیب دستور ہیں۔ تاریخ چین میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ وہاں چھوٹا پاؤں بڑی خوبصورتی کی بات سمجھی جاتی ہے۔ چین میں لڑکیوں کو لوہے کی جوتیاں پہنا دیتے ہیں تاکہ پاؤں بڑھنے نہ پائے۔ بڑے ہوئے پر چھوٹے چھوٹے پاؤں بدن کا بوجھ نہیں سہار سکتے اور چلتے میں عورتیں گر پڑتی ہیں اور اس کو داخل نزاکت سمجھتے ہیں۔ حبشیوں میں چپٹی ناک کی بڑی تعریف ہے۔ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ چہرہ ہونا چاہیے سپاٹ اور ناک اگر ابھری ہوئی رہے تو اس سے چہرے ہمواری باقی نہیں رہتی۔ اس خیال سے حبش کے لوگ بڑی بڑی حکمتوں سے ناک کے بانسے کو دباتے ہیں۔ مرہٹے بیوہ عورت کا سر منڈوا دیتے ہیں۔ راجپوت لڑکیوں کو پیدا ہوتے کے ساتھ مار ڈالتے ہیں۔ عرب کی عورتیں کئی کئی نکاح کرتی ہیں۔ جاپان میں سیاہ دانتوں کو بہت پسند کرتی ہیں اور عورت جب بیاہی جاتی ہے تو اپنی بھوؤں کے بال بالکل نوچ ڈالتی ہے۔ افریقہ میں عورتیں دانتوں کو رتوا کر نوکدار بنواتی ہیں۔ ہمالیہ میں سرحد چین پر ایک مقام ہے جہاں مرد تو خانہ داری کے کام کرتے ہیں اور عورتیں

باہر سودا سلف کھیتی باڑی وغیرہ بہ ما میں دوکان داری عموماً عورتوں سے متعلق ہے۔ غرض ہر ملک کے دستور ہیں۔

حسن آرا: آخر اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ شروع میں تو سب ایک آدم کی اولاد ہیں۔

استانی: آدم کی اولاد جب بہت بڑھ گئی تو ایک جگہ رہ نہیں سکتی تھی دس دس ہزار بیس بیس ہزار کے غول اطراف وجوانب میں جا بسے اور وطن اصلی سے کچھ تعلق نہ رہا شدہ شدہ اختلاف اس درجہ پہنچا کہ گویا دو ملک کے لوگ ایک آدم کی نسل سے نہیں ہیں۔

اجرام فلکی اور علم ہیأۃ کے اصول سرسری طور پر اور تھوڑا سا چاند گہن اور سورج گہن کا بیان

حسن آرا: کچھ خدا کی قدرت میں عقل کام نہیں کرتی۔ کتنی بڑی زمین بنا دی ہے۔ کتنے سارے آدمی اس پر بسا دئے ہیں۔

استانی جی: خدا کی قدرت کے آگے تو زمین نہایت چھوٹی ہے۔ اس قادر مطلق نے تو ایسے ایسے عالم بے شمار پیدا کر دئے ہیں کہ ان کے مقابلے میں زمین کی کچھ حقیقت نہیں۔

حسن آرا: وہ کون، عالم عاقبت؟

استانی جی: عاقبت نہیں۔ یہ ستارے جو تم آسمان میں دیکھتی ہو۔

آسمانی جسم یعنی ستارے وغیرہ

حسن آرا: "یہ زمین سے بڑے ہیں؟" استانی جی "یہ بہت بڑے ہیں"
حسن آرا: "بڑے تعجب کی بات ہے۔ سچ مچ میں کچھ اندھی تو نہیں ہو گئی"
استانی جی: "خدا نہ کرے"

حسن آرا: "یہ ستارے جو آسمان پر ٹمٹماتے ہیں اُن کو آپ زمین سے بڑا فرماتی ہیں مجھ کو تو بہت ہی ننھے ننھے اور چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں"

استانی جی: "تم اکیلی کو کیا، سب ہی کو چھوٹے معلوم ہوتے ہیں مگر واقع میں بہت بڑے ہیں۔ آنکھ کا قاعدہ ہے کہ دور کی چیز کو چھوٹا دیکھتی ہے۔ اس نقص کے رفع کرنے کو عقل مندوں نے دوربین ایجاد کی، وہ بھی ایک قسم کا شیشہ ہے۔ مگر دور کی چیز اس کے ذریعے سے بڑی نظر آتی ہے۔ جن کتابوں میں چاند سورج اور ستاروں کا بیان ہوتا ہے وہ علم ہیأۃ کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ جب میرے والد نے اپنا تصنیف کیا ہوا رسالہ سیر آسمان مجھ کو پڑھایا ہے تو بات بات پر تم سے زیادہ تعجب مجھ کو ہوتا تھا بلکہ میں نے اپنے والد سے عرض بھی کیا کہ یہ باتیں مجھ ہی کو عجیب معلوم ہوتی ہیں یا فی الواقع عجیب ہیں۔ تو جناب والد نے فرمایا کہ انسان ناقص العقل جو کچھ زمین پر دیکھتا ہے اپنی کم فہمی کی وجہ سے جانتا ہے کہ خدا کی قدرت اسی میں منحصر ہے اور اس کی کاریگری کے تمام تر کرشمے یہی ہیں اور خدائی کارخانے سب اُس نے سمجھ لئے ہیں۔ انسان کا حال بعینہٖ گولر کے بھنگے کا سا ہے کہ وہ اسی کے اندر پیدا ہوا اور اُسی کو جہان خیال کرتا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا کی پیدائش سے لے کر اب تک جو کچھ انسان نے جانا اور سمجھا ہے وہ خداوند عالم کے کارخانۂ قدرت میں ایسا ہے جیسے سمندر کے آگے ایک ننھی سی بوند بلکہ اس

سے بھی کم۔"

حسن آرا:" اچھا پھر استانی جی، کیا سچ مچ زمین سورج سے چھوٹی ہے؟"

استانی جی:" ہاں ہاں چھوٹی بھی کیسی چھوٹی۔ جیسے بڑے مٹکے کے آگے مٹر کا دانہ۔"

حسن آرا:" بھلا آفتاب ہم سے کس قدر دُور ہوگا؟"

اُستانی جی:" پونے پانچ کروڑ کوس۔"

حسن آرا:" پونے پانچ کروڑ کوس! اے ہے کچھ سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

استانی جی:" میں آفتاب کی دوری تم کو دوسری طرح سمجھاؤں۔ توپ اس کا گولہ کتنا تیز چلتا ہے۔ بھلا تمہارے ذہن میں اس کی رفتار کا کچھ اندازہ ہے۔"

حسن آرا:" کوئی ریل سے دُونا۔"

استانی جی:" نہیں ایک منٹ میں ڈیڑھ میل یعنی گھنٹے میں کوئی سو میل اور ریل کو تو گھنٹے میں تیس میل سے زیادہ چلتے ہوئے نہیں سُنا۔ شاید انگریزوں کی ولایت میں کچھ زیادہ تیز چلتی ہوگی۔"

حسن آرا:" گھنٹے کا حساب مجھ کو محمودہ بیگم نے بتایا تو تھا پر خیال سے اتر گیا۔ اچھی استانی جی ذرا آپ پھر سمجھا دیجئے۔"

اُستانی جی:" دن رات کے چوبیس گھنٹے، اور گھنٹے کا ساٹھواں حصہ منٹ۔"

حسن آرا:" ہاں تو گولہ ایک منٹ میں ڈیڑھ کوس جاتا ہے (پھر سوچ کر) ایک منٹ میں ڈیڑھ کوس!"

استانی جی:" اگر زمین سے توپ چھوڑی جائے تو ۱۹ برس میں گولا آفتاب پر پہنچے۔"

حسن آرا:" اے ہے خدا کی پناہ! کیا ٹھکانا ہے! اور چاند زمین سے کتنا پرے ہے؟"

اُستانی جی "چاند بڑا نہیں چھوٹا ہے" حسن آرا "تو کچھ پاس بھی ہوگا؟"

اُستانی جی "ہاں ایک لاکھ بیس ہزار کوس دور ہے"

حسن آرا "اچھی استانی جی! یہ نور کے اتنے بڑے گولے اللہ میاں نے اسی واسطے بنائے ہوں گے کہ زمین پر ان کی روشنی پہنچے"

اُستانی جی "آفتاب تو اپنی ذات سے روشن ہے مگر چاند کا یہ حال نہیں۔ وہ ہماری زمین کی طرح بے نور ہے"

حسن آرا "کیا جس طرح آنکھ ستاروں کے قد و قامت میں غلطی کرتی ہے۔ ان کی چمک میں بھی غلطی کرتی ہے"

استانی جی "چمک دار تو سب ستارے ہیں، لیکن جو ستارے اپنی ذاتی چمک نہیں رکھتے، آفتاب کی شعاع جس طرح زمین پر پڑتی ہے، اور زمین چمک اٹھتی ہے۔ اسی طرح وہ ستارے بھی آفتاب کی دھوپ پڑنے سے ہم کو چمک دار نظر آتے ہیں"

حسن آرا "آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ستارے بے نور ہیں جیسے چاند۔ اور بعض مثل آفتاب اپنی ذات سے روشن"

استانی جی "تم نے ٹھیک سمجھا یہی حال ہے"

حسن آرا "مگر آفتاب کے برابر تو کسی میں چمک نہیں"

استانی جی "آفتاب تو پھر بھی پاس ہے۔ ستارے اس قدر دور ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتا"

حسن آرا "بھلا جو ستارے اپنی ذات سے روشن نہیں ہیں کیا آفتاب کی شعاع ان پر ہر وقت رہتی ہے؟ زمین پر تو ہر وقت نہیں رہتی"

استانی جی: "زمین پر بھی ہر وقت رہتی ہے"

حسن آرا: "اُستانی جی۔ رات کے وقت جب آفتاب غروب ہو جاتا ہی تو دھوپ کہیں بھی نہیں ہوتی"

استانی جی: "زمین گول ہے جس طرف سے آفتاب کے سامنے ہوئی وہاں دن ہوا اور دوسری طرف اندھیرا جس کو رات کہتے ہیں۔ اسی طرح ستاروں کی بھی ایک نہ ایک طرف آفتاب کے سامنے رہتی ہے"

حسن آرا: "زمین تو بے دھوپ کے بھی نظر آتی ہے مگر تارے جتنے ہیں چمکتے ہی ہوئے نظر آتے ہیں۔ اِس کا کیا سبب ہے؟"

استانی جی: "اس کا سبب ہی دور ہونا۔ ستارے اتنی دور ہیں کہ صرف روشنی کے سہارے سے ہم کو ٹمٹماتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں ورنہ کیا اُمید ان کے نظر آنے کی ہے"

حسن آرا: "تارے دن کو کوئی نہیں دکھائی دیتے"

استانی جی: "خود آفتاب کی دہکتی ہوئی شعاعیں ہم پر ہوتی ہیں، تاروں کی مدہم چمک نظر نہیں آتی۔ جیسے دن کو چراغ کا نور پھیکا پھیکا ہو جاتا ہی"

حسن آرا: "یہ جو آپ نے فرمایا کہ زمین کی ایک طرف اجالا اور دوسری طرف اندھیرا رہتا ہی بات تو ٹھیک ہی۔ گول چیز روشنی کے سامنے رکھیں گے۔ تو سامنے والی طرف اجالا ہوگا۔ اور دوسری طرف تاریکی، مگر چاہیئے تھا کہ زمین پر جہاں دن تھا سدا دن رہتا اور جہاں رات تھی سدا رات"

اُستانی جی: "کشش جانتی ہو؟" حسن آرا نے تامل کیا۔

محمودہ: "ایں ابھی سے بھول گئیں؟ وہ کشش جس کے اثر سے چیزیں زمین پر

گرتی ہیں۔"

حسن آرا: "ہاں جانتی ہوں۔ پھر؟" استانی جی۔ "وہ کشش صرف زمین ہی میں نہیں ہے بلکہ ہر ایک چیز ایک دوسری کو کھینچ رہی ہے۔ چاند۔ سورج۔ ستارے سب ایک دوسرے کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ اس کھینچاتانی کا آخر یہ اثر ہوا کہ زمین ملاکر گیارہ ستارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔"

حسن آرا: "زمین بھی ستارہ ہے؟" استانی جی: "بے شک۔"

حسن آرا: "اچھا زمین آفتاب کے گرد گھومتی سہی۔ اس سے رات دن کا ادل بدل تو لازم نہیں آتا۔"

استانی جی: "سہی کیا معنی۔ یوں ہی گھومتی ہے۔ اور رات دن کا ادل بدل یوں ہے کہ زمین اپنے اوپر بھی پلٹے کھاتی جاتی ہے۔ ایک پلٹے کا نام رات دن ہے اور آفتاب کے گرد ایک چکر کا نام برس۔ حساب سے یہ نکلا کہ ایک گھنٹے میں اٹھاون ہزار میل زمین اپنے چکر میں چل جاتی ہے۔ اور جس طرح ریل اور ناؤ کے بیٹھنے والوں کو ریل اور ناؤ کی حرکت معلوم نہیں ہوتی۔ ہم لوگوں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ زمین کہاں جارہی ہے۔"

حسن آرا: "صرف گیارہ ستارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں، اور باقی؟"

استانی جی: "باقی ٹھہرے ہوئے ہیں اور کون جانے شاید ان ٹھہرے ہوئے ستاروں میں ایک ایک بجائے خود آفتاب ہو اور اس کے گرد اگرد اور ستارے گھومتے ہوں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔"

حسن آرا: "ایسا نہ ہو گھومتے گھومتے یہ گولے ایک دوسرے سے ٹکرا اٹھیں۔ اچھی استانی جی تب کیا ہوگا؟"

استانی جی: "عجیب نہیں کہ قیامت اسی طرح آئے بلکہ آفتاب کے گرد گھومنے والے چار ستارے انگریزوں نے نئے دیکھے ہیں۔ لوگ ایسا خیال کرتے کہ وہ چاروں کبھی

ایک تھے نہیں معلوم کب اور کیوں کر ٹوٹ کر چار بن گئے۔"
حسن آرا:"ان ستاروں سے کچھ چنداں روشنی تو ہم کو پہنچتی نہیں۔ بھلا آفتاب ماہتاب تو قدرتی مشعلیں ہیں یہ ستارے اللہ میاں نے کیوں بنائے ہیں؟"
استانی جی:"تم ہی کو اللہ میاں نے کیوں بنایا ہے؟ اپنی قدرت کے بھید وہی خوب جانتا ہے جس طرح زمین ایک جہان ہو۔ ہر ہر ستارہ بجائے خود ایک جہان ہے شاید ان میں بھی ہم جیسے انسان بستے ہوں"
حسن آرا:"یہ صرف آپ قیاساً فرماتی ہیں یا ستاروں میں آدمیوں کا رہنا تحقیق ہوا ہے"
استانی جی:"قیاس ہی بات ہو۔ لیکن قیاس معقول ہے کچھ نامعقول نہیں۔ بعض ستاروں میں پہاڑ، سمندر، برف، بادل، ہوا۔ یہ چیزیں تحقیق ہوئی ہیں پس کیا عجب ہے کہ آدمی بھی ہوں۔ چاند میں جو ایک دھبہ سا دکھائی دیتا ہے جانتی ہو کیا ہے؟"
حسن آرا:"میں نے تو سنا ہے کہ کوئی بڑھیا چاند میں بیٹھی چرخہ کاتا کرتی ہو۔
(سب ہنسنے لگے)
استانی جی:"یہ پہاڑوں کی بڑھیا ہے"
حسن آرا:"جتنی باتیں آپ نے فرمائیں سب میرے دل نے قبول کیں اور علم ہیأۃ بڑی دل چسپ چیز ہے۔ اور میں وہ رسالہ سیر آسمان ضرور پڑھوں گی
رابعہ نے آہستگی سے حسن آرا کے کان میں کہا کہ"چاند اور سورج کو کبھی گہن لگتا ہو اس کا سبب بھی استانی جی سے پوچھ لو"
حسن آرا:"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے تمام دنیا اس کا سبب جانتی ہو کہ یہ ایک طرح کا عذاب الٰہی ہے"

رابعہ:" ہاں لوگ تو کہتے ہیں مگر شاید پوچھنے سے کوئی ٹھیک بات دریافت ہو"۔
حسن آرا:" میں تو ایسی بات پوچھ کر خفیف ہونا نہیں چاہتی"۔ استانی جی نے ان دونوں کی سرگوشی سن کر پوچھا کیا ہے؟
حسن آرا:" جناب کچھ بھی نہیں۔ رابعہ چاند گہن اور سورج گہن کا سبب دریافت کرتی تھیں۔ سو میں نے بتا دیا"۔
استانی جی:" کیا؟" حسن آرا:" عذاب الٰہی"۔
اُستانی جی:" عذاب نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کا جلال۔ اور سبب گہن کا یہ ہوتا ہے۔ شعاعِ آفتاب اوٹ میں آجاتی ہے"۔
حسن آرا:" کچھ خوب سمجھ میں نہیں آیا"۔
استانی جی:" میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ زمین اور چاند اپنی ذات سے نورانی نہیں۔ گھومتی گھامتی جب سورج اور چاند کے بیچ میں زمین آپڑے گی چاند گہن ہوگا اور جب سورج اور زمین میں چاند حائل ہوگا تو سورج گہن مگر یہ باتیں بہت مشکل ہیں اور ابھی تم کو ان کا سمجھنا دشوار ہے۔ انشاء اللہ جب تم رسالہ سیر آسمان کی پڑھنے کی لیاقت حاصل کروگی تو میری باتیں بخوبی تمہارے ذہن نشین ہو جائیں گی"۔

حُسن آرا کا مکتب سے رخصت ہونا

ہم شروع کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ حسن آرا مکتب میں بیٹھی تو گیارہویں برس میں تھی جب اس کو خیر سے چودھواں برس لگا تو ججھر والوں کی طرف سے بیاہ کا تقاضا شروع ہوا اس عرصے میں حسن آرا نے سارا قرآن مجید پڑھا اور چوں کہ وہ سیپارے روز تلاوت[1] کا معمول تھا، ایسا یاد تھا کہ گویا حفظ ہے اردو بے تکان اور

---

[1] پڑھ لینے کا [2] زبانی یاد ہے۔

بے تکلف لکھتی پڑھتی تھی۔ سوادِ[1] خط بھی کچھ بُرا نہ تھا۔ قرآن شریف کا ترجمہ اور کنزالمصلے قیامت نامہ، راہ نجات و فات نامہ۔ قصہ شاہ روم۔ قصہ سپاہی زادہ۔ معجزہ شاہ یمن۔ رسالہ مولد شریف۔ مشارق الانوار۔ اتنی تو مذہبی کتابیں اس کی نظر سے گذر گئیں۔ اور ان کے علاوہ حساب ضروری قاعدہ کسر تک۔ اور ہندوستان کا جغرافیہ، ہندوستان کی تاریخ چند پند[2]۔ منتخب الحکایات۔ مرأۃ العروس سب کچھ سیکھ پڑھ کر فارغ ہوگئی اردو کے اخبار بے تامل پڑھ کر سمجھ لیا کرتی تھی، اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ خانہ داری کے جو ہنر عورتوں کو درکار ہیں سب اس نے حاصل کئے، اور معلومات مفید کا اتنا ذخیرہ اس نے فراہم کر لیا کہ وہ اس کو تمام عمر کی آسائش اور مسرت کے لئے کتاب کے ذریعے سے جو کچھ اس نے سیکھا اس کا ہزار چند اُستانی اصغری خانم اور مکتب کی لڑکیوں سے باتوں باتوں میں حاصل کیا جب اس کے بیاہ کی تاریخ قریب پہنچی تو ہر چند گھر والوں نے اس کو مکتب جانے سے روکا مگر اس کو مکتب سے کچھ ایسا انس ہو گیا تھا کہ ایک لمحہ مکتب سے جدا رہنا اس کو شاق[3] تھا۔ حسب دستور مکتب میں آتی رہی یہاں تک کہ مائیوں بیٹھنے میں صرف تین دن باقی رہ گئے۔ تب تو ناچار سلطانہ بیگم خود استانی اصغری خانم کے پاس آئیں۔ سلام دعا اور مزاج پرسی[4] کے بعد سلطانہ بیگم بولیں استانی جی۔ تم میں ایسا جی پڑا تھا کہ ہر روز کہتی تھی آج جاؤں کل جاؤں لیکن تمہاری اس لونڈی کے بیاہ بارات کی فکر میں ایک دم کی چھٹی نہیں ملتی۔ سیتی ہیں تو نہیں، پروتی ہیں نہیں، مگر کام ہے کہ سمٹنے میں ہی نہیں آتا۔ آخر آج میں زبردستی نکل کھڑی ہوئی۔ سو کام کا حرج کیا اور میں نے کہا کہ چلوں ذرا کھڑے کھڑے اُستانی جی سے تو مل آؤں"۔

---

۱ یعنی شان خط ۲ مولانا نذیر احمد کی سبق آموز دلچسپ کتابیں ۳ ناگوار ۴ مزاج پوچھنے کے بعد

استانی جی "درست ہے، یہی تو کام کا وقت ہے۔ آپ نے ناحق تکلیف کی، مجھ ہی کو بُلا بھیجا ہوتا۔ میں بھی دن رات آپ ہی کے کام میں لگی لپٹی رہتی ہوں جوڑے جو میں نے سینے اور مصالح ٹانکنے کو آپ کے یہاں سے منگوائے تھے سب تیار ہیں پہلے تو میرا جی ڈرتا تھا کہ جوڑے ماشاء اللہ بھاری[۱] ہیں اور خدا کے فضل سے امیر گھر جانے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکیاں کہیں بگاڑ دیں مگر نہیں حسن آرا کی محبت سے لڑکیوں نے خوب ہی جی لگا کر سیا اور مصالح بھی بہت ہی صفائی سے ٹانکا۔ اُس جوڑی گلبدن کے پائجامے میں جو میں نے پرسوں سلوا کر بھیجا ہے ذرا کلیوں کا گوکھرو کچھ زیادہ گیا ہے۔ بہتیرا شہر بانو کہتی رہی کہ استانی جی لاؤ اُدھیر کر پھر ٹانک دوں، میں نے کہا خیر رہنے بھی دو، ادھیڑنے سے گوکھرو خراب ہو جائے گا۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا"

سلطانہ بیگم "وہ جوڑا میں نے اپنی یہاں کی مغلانیوں[۲] کو دکھایا تھا۔ پھڑک گئیں اور کہنے لگیں پھر کہاں مردوں کی چٹکی اور کہاں عورتوں کی۔ میں بولی "اے مردوں کا یہاں کیا مذکور ہے"

مغلانیاں "اے حضور۔ یہ جوڑا میاں علی جان[۳] کے کارخانہ کا ٹکا ہوا معلوم ہوتا ہے اسی سے ٹانکا ایسا درست بیٹھتا چلا گیا ہے تو لونڈیوں کے عرض کرنے کا یہ مطلب تھا کہ عورتوں کا کام کیسا ہی سُجل[۴] کیوں نہ ہو مردوں کے کام کو نہیں پا سکتا۔ میں نے کہا کہ کے علی جان اور کیسے مرد! یہ جوڑا تو میری استانی جی کے مکتب کی لڑکیوں نے سیا اور اُن ہی نے اس میں مصالحہ ٹانکا ہے" یہ سُن کر مغلانیاں بار بار جوڑے کو کھول کر بغور دیکھتی تھیں اور کہتی تھیں حضور فرماتی ہیں تو ہم کو یقین ہے لیکن

---

[۱] یعنی قیمتی ہیں [۲] جو عورتیں امیروں کے گھر سلائی کا سیتی ہیں مغلانیاں کہلاتی ہیں [۳] دہلی میں بڑے نامی پٹوے تھے۔ اب علی جان تو انتقال کر گئے مگر ان کا کارخانہ ویسا ہی نامی ہے [۴] عمدہ ٭

عورتوں کے ہاتھ میں یہ صفائی اور ستھراپن ہم نے تو نہیں دیکھا۔"

استانی جی:"خیر اور جوڑوں کی سلائی مجھ کو بھی پسند ہے۔ پھر آپ نے حسن آرا بیگم کے تمام جوڑے یہیں بھیجدئے ہوتے۔ لڑکیاں تو خوشی خوشی سی دیتیں۔"

سلطانہ بیگم:"اور یہ سارا جہیز کس نے سیا اور کس نے ٹانکا؟ مغلانیوں سے تو میں نے صرف موٹا کام لیا۔ چاندنیاں ہوئیں، گھٹریاں ہوئیں، دستر خوان ہوئے، سوزنیاں ہوئیں، موباف، گہنے، غلاف، تکئے، توشک الحاف۔ اس طرح کی چیزیں البتہ مغلانیوں نے سی ہیں۔ یا ہاں، شب خوابی کے کپڑے۔ باقی پہننے کے کپڑے اکثر تو مکتب میں اور کچھ تھوڑے باجی اماں کے میاں سے بر گئے گئے۔"

استانی جی:"الٰہی خیر سے حسن آرا بیگم کو نصیب، ایک یہ ہزاروں اور گھس پس کر پرانے ہوں۔"

سلطانہ بیگم:"(ٹھنڈا سانس بھر کر) "ہاں استانی جی، دعا کیجئے۔ اللہ نصیب اچھا کرے بیٹیوں کا کچھ عجب نازک معاملہ ہے، کن کن مصیبتوں سے پالو پرورش کرو اور پھر دے دو پرایا۔ کیا کروں کچھ بن نہیں پڑتی، ورنہ میں حسنا کو اپنی نظروں سے دور نہ ہونے دیتی، شہر میں ایک سمدھیانا کر کے وہ وہ آفتیں اٹھائیں کہ میں نے آگے کو توبہ کی اور کان اینٹھا۔ ورنہ حکیم صاحب بے چارے کا کچھ قصور نہیں۔ کیسی کیسی باتیں حسنا کے واسطے منگوائیں۔ ایک سے ایک بڑی چڑھی۔ میں نے کہا حاشا! ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے گی۔ میں شہر میں اب بیٹی نہ دوں گی۔ کالا منہ ایسے شہر کا جس میں یہ کچھ رسوائی اور فضیحت ہے۔ سو استانی جی اب دیہات والوں سے معاملہ کیا ہے۔ خدا کے ہاتھ شرم ہے۔"

استانی جی:"حسن آرا بیگم سے آپ مطمئن رہئے۔ اول تو جھجر والے خود بڑے رئیس ہیں،

لے پہن کر سونے کی ۔ ﮯ مال ۔ ﮯ حسن آرا کا پیار کا نام ۔ ﮯ بڑی بیٹی جمال جمال آرا کی سسرال ۔ ﮯ حسن آرا کے الد اللہ ہرگز نہیں ۱۲-

دوسرے خاک چاٹ کر کہتی ہوں آپ انشاءاللہ دیکھ لیجئے گا کہ بیاہ کے دوسرے تیسرے ہی مہینے حسن آرا بیگم تمام ریاست کے سیاہ و سفید کی مالک نہ بن بیٹھیں تو مجکو اُلٹا الاہنا دیجیے گا۔ کیا آپ کو حسن آرا بیگم کے مزاج میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا؟"

سلطانہ بیگم:"فرق تو آپ کی عنایت سے زمین و آسمان کا ہے۔ آپ کے فیضان تعلیم نے خاک کو اکسیر، تانبے کو کندن، ذرے کو خورشید، پوتھ کو لعل سفید، حیوان کو آدم جسنا کو ماشاءاللہ حسن آرا بیگم بنا دیا۔ اس کی خوبی تقدیر کی ایک یہی بڑی نشانی ہے کہ وہ شاگرد اور آپ جیسی اس کی اُستانی ہے۔ یہ ایسا احسان آپ نے ہم سب گھر والوں پر کیا کہ جب تک جئیں گے آپ کے مرہون منت رہیں گے۔ مگر جب سے حسنا نے بیاہ کی تیاری ہوتی دیکھی ہے کچھ سہم سی گئی ہے۔ یوں ہی گھر میں اس کا جی نہ لگتا تھا اب اور بھی دل اچاٹ سا ہو گیا ہے نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، نہ کسی سے بولتی اور بات کرتی ہے۔ ارادہ تھا کہ پورے مہینہ بھر مائیوں بٹھاؤں گی۔ اس کی حالت دیکھ کر میں نے کہا کہ مائیوں سے بدتر تو یہ خود ہوتی جاتی ہے، رنگت زرد ہو گئی ہے، آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں، چہرہ دیکھو اوداس، صورت دیکھو غمگین میں کہتی ہوں اس کو اتنا فکر کیوں ہے۔ اس عمر میں تو لڑکیوں کو دلہن بننے کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

استانی جی:"حسن آرا بیگم اور لڑکیوں کی طرح نادان نہیں ہیں۔ ماشاءاللہ بڑی فہمیدہ اور زیرک لڑکی ہے۔ یہی کچھ گھر کے چھوٹنے کا خیال ہو گا۔"

سلطانہ بیگم:"گھر کی تو اس کو مطلق پروا نہیں البتہ مکتب اس کی جان ہے۔ دیکھیے کیوں کر بچی کا دل بہلے گا۔"

استانی جی:"میں سمجھا دوں گی، اور یوں آدمی اپنے پیاروں سے جدا ہوتا ہے تو

لہ یعنی کچھ شیخی نہیں کرتی بلکہ خاک چاٹ کر اور اپنی عاجزی کا اقرار کر کے کہتی ہوں تہ بُرے بھلے تہ آفتاب کہ سفید رنگت کا لال نایاب اور بہت بیش قیمت ہوتا ہے ھہ آپ نے جو سلوک کیا ہے اس کے بدلے گروی تھہ ڈر سی گئی ہے کہ دانشمند +

رنج ہوتا ہی ہے۔"

سلطانہ بیگم:۔"انتر سوں خیر سے پچیسویں تاریخ اور جمعے کا دن ہے، اگر آپ اجازت دیں تو حسنا کو مائیوں بٹھلا دیا جائے۔ کنبے والے پوچھوا پوچھوا بھیجتے ہیں کہ اب تک لڑکیوں کو مائیوں نہیں بٹھایا۔"

استانی جی:۔"خدا مبارک کرے! تاریخ بھی اچھی، دن بھی اچھا۔ اور حسن آرا بیگم کو مائیوں بٹھانے کی کچھ ضرورت نہ تھی، مگر خیر، دنیا کی رسم ہے۔"

سلطانہ بیگم:۔"پھر آپ فرمائیں تو حسنا گھر سے نہ نکلے۔ یوں تو کئی دن سے کہہ رہی ہوں، منہ سے تو کچھ نہیں کہتی، آنکھ بچی اور مکتب میں۔"

استانی جی:۔"کل اور معاف کیجیے۔ پرسوں انشاء اللہ میں حسن آرا بیگم کو مکتب سے رخصت کر دوں گی۔ لڑکیوں کی خواہش ہے کہ کل دونوں وقت مکتب کی طرف سے حسن آرا بیگم کی دعوت ہو، رت جگا کریں۔ پرسوں سویرے ذرا آپ بھی جمال آرا بیگم کو ساتھ لے کر تشریف لائیے گا اور لڑکیوں کی ماں بہنیں بھی آئیں گی۔"

اس کے بعد سلطانہ بیگم تو رخصت ہوئیں۔ اگلے دن بڑے تکلف اور بڑی دھوم کے ساتھ حسن آرا بیگم کی دعوت ہوئی، مکتب کی لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں وہ وہ کھانے پکائے کہ کیا کوئی رکاب دار[1] پکائے گا۔ رات کو رت جگا ہوا، حسن آرا کے سہاگ اور مائیوں کے گیت گائے گئے۔ اور لڑکیوں نے یہ بھی صلاح کی کہ مکتب کی طرف سے چڑھاوے کا جوڑا تو خیر دیا ہی جائے گا، مانجھے کا جوڑا[2] بھی مکتب ہی کا ہو اور حسن آرا بیگم وہی جوڑا پہن کر مکتب سے رخصت ہوں۔ صبح سویرے اُٹھ، نماز اور تلاوت سے فارغ ہو مکتب سے جھاڑو دلوا، سلیقے کے ساتھ دالانوں میں صاف اور ستھرا فرش بچھوا دیا۔ اتنے میں مہمانوں کی ڈولیاں آنی شروع ہوئیں۔ کوئی چار گھڑی دن چڑھے تک

[1] ؎ رکاب دار: رجہ کا باورچی [2] ؎ وہ جوڑا جو مائیوں کے دنوں میں پہنا جائے۔

چہ ملتے سارا گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ لڑکیوں کی ماں بہنوں میں تو کوئی بھی ایسی نہ تھی کہ نہ آئی ہو محلے کی ساری بیویاں بے بلائے سیر دیکھنے کو آموجود ہوئیں۔ اور اچھی خاصی شادی رچ گئی[1]۔ بیچ والے دالان میں جہاں سوزنی گاؤ تکیہ بچھا تھا اُستانی جی بیٹھیں اور سارے مہمان اُسی دالان میں آکر بھر گئے۔ جب سب لوگ بیٹھ بٹھا چکے تو اندر کوٹھری سے لڑکیاں حسن آرا بیگم کو مانجھے کا جوڑا پہنا کر باہر لائیں اور استانی جی کے عین سامنے لا بٹھایا۔ تب استانی جی نے حسن آرا سے مخاطب ہوکر یہ تقریر کی کہ بوا حسن آرا بیگم آج میں تم کو اپنے اور اپنے مکتب کی لڑکیوں کی طرف سے رخصت کرتی ہوں۔ آج استادی شاگردی اور ہم مکتبی سب کا خاتمہ ہو گیا (یہ سُن کر سارے مہمانوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے اور اُستانی جی کا بھی دل اس قدر بھر آیا کہ گو ضبط کرتی تھیں مگر آواز سے رقت ظاہر تھی) مگر محبت اخلاص انشاءاللہ جب تک دم میں دم باقی رہے گا۔ حسن آرا بیگم! میں تم کو مثل اپنی بتول[2] کے اور محمودہ کے چاہتی اور پیار کرتی تھی اور کرتی ہوں۔ اور جب تک دنیا میں ہوں خدا نے چاہا کروں گی۔ مگر استادی شاگردی کا ایسا ناتا ہے کہ مجھ کو اس محبت کا برتاؤ رکاوٹ کے ساتھ کرنا پڑتا تھا کبھی کبھی میں نے تم کو تمہاری غلطیوں پر تنبیہ[3] کیا ہوگا۔ بلکہ شاید کسی بے جا بات پر ملامت بھی کی ہو سو وہ تنبیہ اور ملامت سب تمہارے فائدے، تمہاری اصلاح[4]، اور تمہاری بہتری کے واسطے تھی جب دو آدمی دنیا میں کسی طرح کا تعلق رکھتے ہیں چاہے وہ تعلق ہمسائگی اور ہم وطنی اور انسانیت ہی کا کیوں نہ ہو، مگر بہت سے حقوق ایک کے دوسرے پر ہوتے ہیں وہ تعلق جو مجھ کو تمہارے ساتھ تھا میں کہہ چکی ہوں کہ تعلق مادری و فرزندی کے قریب قریب تھا۔ ہر چند میں تمہارے حقوق کے ادا کرنے میں اپنے مقدور بھر کوشش

[1] یعنی شادی کا سا سماں جم گیا [2] بتول نام ہے استانی جی کی لڑکی اور محمودہ تو معلوم ہی کہ استانی کی نند اور مکتب کی خلیفہ ہے [3] آگاہ [4] درستی ✤

کرتی رہی ہوں لیکن ممکن ہے کہ مجھ سے تمہارے کسی حق کے ادا کرنے میں کچھ فروگذاشت[1] ہوئی ہو سو آج میں اس بھرے مجمع میں تم سے بہ منت اس کی معافی چاہتی ہوں۔ اس واسطے کہ میں بھی آدمی ہوں، اور آدمی کو کبھی یہ غرور نہیں کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے فرائض انسانیت کو پورا پورا ادا کیا ہے۔" (ہر طرف سے واہ واہ سبحان اللہ کا شور ہوا۔ مگر اس کے ساتھ رقت بھی تھی)

"بوا حسن آرا بیگم۔ انسان کا خمیر اُنس سے ہے۔ دو چار دفعہ کی صاحب سلامت سے آدمی کو آدمی کی محبت پڑ جاتی ہے اور تم سے تو تین برس کامل اس درجہ کا اختلاط[2] رہا کہ رات دن پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ پس آج میں تم کو اُسی صدمے، اُسی ولولہ، اُسی رنج کے ساتھ رخصت کرتی ہوں جس طرح تبول اور محمودہ کو کروں گی اگر خدا کو منظور ہے۔"

(سب جتنے اس وقت موجود تھے پکار کر رو دیئے)

استانی جی۔ (تھوڑی دیر ضبط کرنے کے بعد) "بوا حسن آرا بیگم! میں جُدائی اور رخصت کے مضمون کو بار بار کہنا نہیں چاہتی، اس واسطے کہ اس سے تم کو اور مجھ کو سب سننے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو تمہارا رخصت ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور ہے کہ بیاہ ہوا اور ماں باپ سے جُدا مجھ کو بھی اپنی ماں سے کبھی ایسا ہی تعلق تھا جیسا کہ تم کو اب بیگم صاحب سے یا مجھ سے ہے، تمہاری طرح میں بھی ایک آپا کہتی تھی۔ تمہاری جیسی سہیلیاں میری بھی تھیں۔ مگر آخر سسرال کی نئی دنیا میں آکر بسی اور کیا میں اکیلی بسی؟ مجھ ایسی ہزاروں لاکھوں۔ تم کو شاید شہر کے باہر بیاہے جانے کا خیال ہوتا ہوگا، سو شہر کچھ دور نہیں ہے۔ باہر شہر ہی تمہارے واسطے نہیں جن کے لئے ماشاء اللہ ہر طرح کی سواریاں موجود ہیں، اگر آنا چاہو تو پھر نہیں سوا پھر بوا حسن آرا بیگم! میکے کے تعلقات[3] یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ خود بخود ضعیف ہو جاتے ہیں۔ بس کیا دل کو اتنا سمجھا لینا کچھ بڑا کام ہے کہ پہلے ہی سے ادھر کے تعلقات

---

[1] یعنی کوئی حق ادا کرنے سے چھوٹ گیا ہو [2] ملنا [3] کمزور ٭

کو ضعیف فرض کر لیا جائے حسن آرا بیگم۔ تمہاری حالت میں جو انقلاب[1] عظیم ہو ہوا اللہ ہے، مجھ کو امید ہے کہ تم اس سے بے خبر نہیں ہو۔ اور تم کو شکر کرنا چاہیے کہ جس امتحان کے لئے تم بلائی جاتی ہو تم کو اس کے واسطے اچھی خاصی فرصت اور فراغت حاصل تھی۔ جو کچھ تم نے پڑھا اور سیکھا اور سنا اب اس امتحان میں تمہارا اصلاح کار اور مددگار ہوگا۔ جو شخص تمہاری طرح کتابوں کا ذخیرہ[2] پاس رکھتا ہے، اگر وہ اپنے تئیں تنہا سمجھے یا وہ اپنے تئیں اپنے پیاروں سے بچھڑا ہوا خیال کرے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ یہی کتابیں تمہاری تنہائی کی سہیلیاں ہیں اور سہیلی بھی کیسی؟ ماں کی طرح مہربان، استانی کی طرح شفیق، مونس[3]، غم خوار[4]، رفیق[5]، غمگسار[6]، ناصح[7]، دوست دار، خیر خواہ[8]، وفا[9] شعار۔ بوا حسن آرا بیگم! اب تک تو جو کچھ تم پڑھتی رہیں، تم کو قصہ اور کہانی معلوم ہوا ہوگا۔ لیکن وہ کہانی اب تک جگ بیتی تھی اور اب اپنی بیتی ہوگی جیتی کتابیں تمہارے پاس ہیں اگرچہ تھوڑی ہیں۔ مگر غور کرنے اور عمل کرنے کو بہت ہیں۔ اور میں تمہارے ہی فائدے کی نظر سے یہ آخری نصیحت تم کو کرتی ہوں کہ تم اسی طرح التزام کے ساتھ ان کو پڑھتی اور دیکھتی رہنا جیسے مکتب کے پڑھنے کی حالت میں پڑھا اور دیکھا کرتی تھیں جس روز سے تم مکتب میں داخل ہوئیں میں نے تمہارے حالات قلمبند کرنے شروع کر دئے تھے اور اب تک جو جو مباحثے اور مطالبے[10] تم میں اور مکتب کی لڑکیوں میں واقع ہوئے ہیں سب کو سلسلہ وار لکھتی چلی گئی۔ اب میں دیکھتی ہوں تو ان سے ایک اچھی خاصی کتاب بن گئی ہے۔ بنات النعش[11] میں نے اس کا نام رکھا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو میں تم کو بطور اپنی یادگار کے دیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر استانی اصغری خانم نے سرخ اطلس کے کامدار جزدان سے کتاب نکالی،

---

١ بڑی تبدیلی ٢ سامان ٣ جی کی بہلانے والی ٤ غم کی غلط کرنے والی ٥ ساتھ رہنے والی ٦ غم غلط کرنے والی ٧ نصیحت کرنے والی ٨ بہتری چاہنے والی ٩ باوفا ١٠ جھگڑے ١١ بنات النعش (ترجمہ بنات ستاروں کا ایک گچھا ہے جو ستاروں کا ایک چوکھٹا سا ہے اور تین ستارے چوکھٹے کے نیچے اوپر تلے واقع ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چوکھٹا گویا جنازہ ہے اور اس کے پیچھے پیچھے تین آدمی چلے جا رہے ہیں عرب والے یہ سمجھ کر ان کو بنات النعش کہتے ہیں کہ یہ تین ستارے بیٹیں۔

کلابتون کا شیرازہ، جلد جیسے سونے کا ڈلا خود اُستانی جی کے دستِ خاص کی نہایت پاکیزہ خطِ نستعلیق میں لکھی ہوئی کہ دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جائیں۔ لوح[1]، بین السطور[2]، جدول[3] سرآغاز[4]، ہر جگہ لاجوردی اور طلائی[5] کام۔ پہلے تو حاضرینِ مجلس میں وہ کتاب دست بدست پھری۔ پھر اُستانی جی نے بدستور جزدان میں رکھ حسن آرا بیگم کو دی حسن آرا گھونگٹ نکالے نکالے سروقد کھڑی ہو کر اُستانی جی کو بہت ادب سے سلام کر بیٹھ گئی، کتاب کی دیکھا بھالی میں کوئی دو چار لمحہ سلسلۂ سخن منقطع[6] رہا۔ اور پھر استانی جی نے اپنی تقریر شروع کی۔"

بوا حسن آرا بیگم! "اس کتاب میں تم اپنی بلکہ مکتب کی سب لڑکیوں کی ہو بہو تصویریں پاؤگی"۔ یہ سن کر کل حاضرین جنھوں نے کتاب کو اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا تھا متعجب ہوئے۔

استانی جی: "تصویر سے میری یہ مراد ہے کہ تمہارے مزاج، تمہاری عادت، تمہاری خو بو کا اس میں ایسا بیان کامل ہے کہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے کتاب سے پڑھنے کے ساتھ سمجھ جائیگا کہ تمہارا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب تم کو وہ عادتیں یاد دلائے گی جن کی اصلاح میں مجھ کو بڑے بڑے اہتمام کرنے پڑے ہیں۔ تم کو اس کتاب کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ گویا پھر وہی مکتب ہے، وہی بات بات پر ضد ہے اور وہی بات بات پر تعجب ہے، اس کتاب کے پڑھنے سے تم کو معلوم ہوگا کہ مکتب کی تعلیم نے تم پر کہاں تک اثر کیا، کون کون بری عادتیں تھیں کہ چھڑا دیں کون کون سی غلط فہمی تھی کہ اس کی اصلاح کی، اور کون کون سی نیک باتیں ہیں کہ اولاً ان کی بہتری تم سے تسلیم کرا کے پھر تم کو ان کے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ ظاہر میں تم آج سے اس مکتب سے جدا ہوئیں مگر میرے اور مکتب کی لڑکیوں کے دلوں سے ہمیشہ تم نزدیک رہو گی اور وقتاً فوقتاً جو فائدہ تم کو اس مکتب سے پہنچتا رہیگا۔ جونسی کتاب ہم پائیں یا جو عمدہ مضمون سنیں اور دیکھیں گے ضرور تم کو اس کے پڑھنے میں شریک کر لیا کریں گے۔ بوا حسن آرا بیگم تم جانتی ہو کہ میں ایک غریب آدمی ہوں لیکن خدا کا شکر کرتی ہوں کہ میں اپنی حالت سے رضامند اور

---

[1] شروع کا صفحہ [2] سطروں کے بیچ بیچ [3] صفحہ کے چاروں طرف کے خط [4] پیشانی [5] سنہرا [6] بات کا سلسلہ ٹوٹا ہوا رہا۔

اپنی حیثیت میں خوش ہوں، کیوں کہ میں بقول ایک بزرگ کے آسمان کو دیکھتی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ ضرور کسی نہ کسی دن طائر[1] روح کو قفس[2] عنصری سے نکل کر اوجِ[3] فلک پر پرواز[4] کرنا ہے۔ پھر زمین کو دیکھتی ہوں اور پاتی ہوں کہ جب مروں گی تو صرف چند بالشت زمین میری ہڈیوں کے لئے درکار ہوگی۔ پھر غور کرتی ہوں کہ دنیا میں نہ کچھ ساتھ لائی اور نہ کچھ ساتھ لے جاؤں گی، اور ہزاروں لاکھوں خدا کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے مقابلے میں ہر طرح اور ہر اعتبار سے میری حالت بہ مدارج بہتر ہے ان خیالات نے میرے دل پر یہ اثر کیا ہے کہ دوزخِ شکم بھر لینے کو کچھ دال دلیا اور تن بدن ڈھانک لینے کو کچھ موٹا جھوٹا کپڑا، اس کے سوائے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا ہونا اپنے واسطے ضرور سمجھوں اور اس کے حاصل کرنے کا فکر کروں۔ پھر بھی خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے بڑھ کر بہت کچھ دے رکھا ہے کچھ تھوڑا سا باقتضائے محبت اس میں سے اور کچھ رقم مکتب سے لے کر میں نے دو سو روپے کا ایک جوڑا تمہارے لئے بنایا ہے۔ مکتب کی رقم تم جانتی ہو کہ میں اس کی مالک نہیں ہوں لڑکیوں کی چیز ہے، جن کے کاموں کے دام سے یہ رقم فراہم[5] کی جاتی ہے بس یہ جوڑا خلعت[6] مکتبی ہے جو میں تم کو نہایت خوشی سے دیتی ہوں۔ خدا تم کو اس کا پہننا مبارک کرے تمہارے جہیز میں اس سے کہیں زیادہ قیمت کے جوڑے ہوں گے۔ مگر جب دیکھو گی کہ کس چاؤ اور کس شوق اور کس محبت سے ہم چند غریب آدمیوں نے مل کر یہ جوڑا بنایا ہے تو ہم سب کو امید ہے کہ تمہارے قیمتی اور عمدہ اور نفیس جہیز میں اس کا شامل کیا جانا کچھ بدنما[7] نہ ہوگا۔" یہ سن کر حسن آرا نے پھر اسی حالت میں اٹھ کر سلام کیا۔

استانی جی۔ "بوا حسن آرا بیگم! اب دن زیادہ چڑھ گیا ہے اور لوگوں کے کھانے پکانے کا وقت ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ زیادہ دیر تک تم سب کو باتوں میں لگائے رکھوں۔

---

[1] یعنی روح کے پرند کو [2] بدن کے پنجرے سے [3] آسمان کی بلندی [4] یعنی اڑ کر جاتا ہے [5] جمع [6] یعنی مکتب کا دیا ہوا خلعت [7] یعنی دیکھنے میں برا نہیں معلوم ہوگا +

مگر صرف ایک بات اور کہہ لینے دو کہ اگر اسکو نہ کہوں گی تو گویا تمہارا فرض رخصت میرے ذمے رہ جائے گا۔ لڑکیاں جو بیاہ ہوئے پیچھے ماں باپ، بھائی بہنوں، اور عزیز و اقارب سے جدا ہو کر سسرال جاتی ہیں۔ اس انقلاب کی حالت میں خدائے تعالیٰ ہم عورتوں کو اپنے فضل سے اُس انقلاب کا نمونہ دکھاتا ہے جو ہر بشر کے واسطے مقدر ہے۔ دنیا ہمارا میکا ہے اور عاقبت بجائے سسرال کے ہے۔ کوئی لڑکی سدا میکے میں نہیں رہتی، دیر سویر ایک نہ ایک دن اس کو سسرال جانا ہو گا۔ اسی طرح کوئی شخص ہمیشہ دنیا میں نہیں رہے گا سدا رہے گا نام اللہ کا۔ جس لڑکی نے میکے میں رہ کر ہنر سیکھا عقل و تمیز حاصل کی سسرال میں ساس سسرے کی لاڈو، نند بھاوجوں کی چہیتی اور اپنے میاں کی پیاری ہو گی۔ اسی طرح جس نے دنیا میں رہ کر اچھے عمل اور نیک کردار کئے عاقبت میں اُسی کی عزت اور توقیر ہے اور ایسے ہی لوگ بہشت کے مالک ہوں گے، مگر جس لڑکی نے ماں باپ کی نازبرداریوں میں وقت کو ضائع کیا اور اپنے مزاج کی اصلاح عادات کی درستی اور تحصیل ہنر کا کچھ فکر نہ کیا سسرال میں جائیگی تو میاں کی نظروں میں ذلیل، ساس نندوں کے نزدیک بے وقر۔ بعینہٖ یہی حال ہو گا اُن کا جو زندگی کے دن غفلت اور بے پروائی میں اکارت کرتے ہیں۔ قیامت میں رسوا اور فضیحت ہوں گے، اسی طرح لڑکیاں میکے سے جہیز لے کر جاتی ہیں دین کے میکے کا جہیز اپنے اپنے عمل ہیں جو آدمی کے ساتھ جاتے ہیں۔"

حسن آرا بیگم! میں جانتی ہوں کہ ان دنوں تمہارے دل میں عجب عجب طرح کے خیالات گزرتے ہوں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گا۔ مگر اپنے خیالات کو ذرا اونچا کرو اور اپنی نظر کو تھوڑا اور آگے بڑھاؤ۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے تو یہ ہے کہ دنیا کیا چیز ہے کس لئے ہم یہاں آتے ہیں، کیا ہم کر رہے ہیں اور انجام کار کیا ہونا ہے جس

ل جو ہر ایک شخص کو پیش آنے والا ہے ۱۲

طرح تمہارے میکے میں رہنے کے دن پورے ہو چکے ہر شخص کے واسطے ایک دن وہ بھی ہوگا کہ اس کی مدت حیات تمام ہو جائے گی۔ اور سب مل کر اس وقت خدا کی درگاہ میں دعا کریں کہ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق دے (ہر طرف سے آمین آمین کا شور ہوا) دنیا کے میکے اور سسرالیں تو چند روزہ ہیں۔ الٰہی اُس جہان میں سدا سدا کو رہنا ہے پردہ رکھیو اور فضیحت مت کیجیو (سب نے پکار کر کہا آمین آمین) الٰہی یہ تیری کنیز جس کو ہم حسن آرا بیگم کہہ کر پکارتے ہیں منزل دُنیا جس کو ہم سب تیرے حکم سے طے کر رہے ہیں شروع کرنے والی ہے تیرا فضل و کرم اس کا حافظ، تیری توفیق اس کا بدرقہ[1]، تیری عنایت و مہربانی اس کی زاد راہ ہو۔ (سب کو رقت ہوئی اور سب نے کہا، آمین) اس کے بعد استانی جی نے اُٹھ کر حسن آرا کو گلے لگا کر پیار کیا اور آہستہ آہستہ کوئی دعا پڑھ کر حسن آرا پر دم کی اور دروازے تک ساتھ لیجا کر پالکی میں سوار کرا دیا اور مجلس تمام ہوئی۔ فقط

خاتمہ

مرآۃ العروس اور بنات النعش کا چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی دو سگی بہنیں ہیں، ایک کو چھپاؤ ایک کو نکالو جو یہ سو وہ۔ جو وہ سو یہ مگر ہاں۔ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اپنی اپنی جگہ دونوں لاجواب ہیں۔ جو مرآۃ العروس پڑھے گا۔ اُس پر نہ صرف بنات النعش کا پڑھنا لازم ہے بلکہ اس کے ساتھ جب تک توبۃ النصوح بھی نہ پڑھی جائے تب تک یہ کورس پورا نہ ہوگا۔ نری مرآۃ العروس بدون انضمام ان دونوں کتابوں کے سیر تو ہی مگر ناقص، تصویر ہے مگر نامکمل اور اُدھوری گو اس کتاب نے وہ شہرت اور اس کثرت سے ترجیح نہیں پائی جو مرآۃ العروس کی تقدیر میں تھی۔ مگر سچ پوچھئے

[1] زندگی کی راہ کا نباہنے والا رستے کا توشہ ⁂

تو مستورات کو واقفیت عامہ کا نسخہ بڑے سہل طریقے سے اسی میں حل کر کے پیش کیا گیا ہی۔ یہ کتاب کی کتاب ہی اور اُستانی کی اُستانی۔ مشکل سے مشکل مسائل کو سہل سے سہل طریقے سے اس خوش اسلوبی سے مصنف علّام نے بیان کیا ہی کہ کہانی کی کہانی اور تعلیم کی تعلیم گھانے میں یعنی آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کے بار چھپی اور کتنی چھپی اور کس کس نے کس استحقاق سے چھاپی اب ہم کس کس سے دست و گریبان ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ جب یہ کتاب بازار میں کثرت سے دستیاب ہوتی ہی تو مجھے اس دردسری کی کیا ضرورت۔ بات یہ ہی کہ میں اپنے جد امجد کی کتابوں کو ان کے اصلی لباس میں پبلک کے سامنے پیش کرنا اپنے جد امجد کے نام کی بقا کے لئے لازم و ملزوم سمجھتا ہوں اور میں نے اس بات کا بیڑا اُٹھایا ہے کہ بڑی ہو یا چھوٹی جتنی کتابیں جد امجد مرحوم کی ہیں میں خود بہترین طریقے پر چھپواؤں۔ جب ناظرین بازاری نسخوں کو جو کہ ٹکے سیر بھاجی اور ٹکے سیر کھاجا ہیں دیکھیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان سجل سڈول اور انمول نسخوں کو تو وہ خود فیصلہ کر لیں گے کہ قدر کے قابل کون ہی۔ ع

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

خاکسار:- محمد مسلم احمد ایم، اے

نبیرہ شمس العلما مولانا نذیر احمد مرحوم

۱۰ محرم الحرام سنہ ۱۳۷ھ

ترجمۃ القرآن

کلام مجید کلاں

شمس العلما مولوی نذیر احمدؒ کا شہرۂ آفاق سلیس، بامحاورہ، عام فہم بین السطور حاشیہ پر جملہ مسائل واحکام اور قصہ طلب آیات کی کامل تفسیر، مضامین قرآن مجید۔ آیات و رکوعات کی مکمل فہرست، رموز واوقاف کی تشریح، فرہنگ الفاظ ومحاورات وغیرہ تقطیع کلاں ۲۲×۲۹ دو صفحہ نہایت خوش خط، عمدہ چھپائی دبیز کاغذ۔ ہدیہ دس روپے غیر مجلد۔

حمائل شریف مترجم

ڈپٹی صاحب کے مترجم بین السطور کلام مجید کلاں کی بجنسہ چھوٹی تقطیع ۱۸×۲۲ ہدیہ للعہ غیر مجلد

غرائب القرآن

قرآن پاک مترجم بالمقابل، نوشتہ محمد قاسمؒ لدھیانوی، ایک صفحہ پر متن۔ مقابل صفحہ پر ترجمہ، ترجمہ کے صفحہ پر حاشیہ اور فوائد متن کے ہر ہر صفحہ پر مشکل الفاظ کی صرفی نحوی لغوی، ادبی تحقیق جو ہر شخص کے لئے مفید ہے، اس ترجمہ کا مطالعہ استعداد عربی کا زینہ ہے۔ صرف تھوڑی تعداد میں یہ بے نظیر ترجمہ موجود ہے۔ بہترین کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی۔ ہدیہ صرف دس روپے (عـہ) تقطیع ۲۲×۲۹

ملنے کا پتہ

بشیر الدین احمد اینڈ سنز، کھاری باؤلی، دہلی

تاریخ دارالحکومت دہلی

سر سید مرحوم کی آثار الصنادید دہلی کی تاریخ کی حیثیت سے نہایت معتبر تاریخ سمجھی جاتی تھی مگر مولوی بشیر الدین احمد صاحب نے تاریخ دارالحکومت دہلی لکھ کر گویا آثار الصنادید کی ایسی کامل شرح پیش کی ہے جو ہر صورت میں آثار الصنادید سے بلند پایہ ہے۔ سرزمین دہلی کے چپہ چپہ کی یہ لاجواب تاریخ جس جستجو اور تلاش کے بعد قلم بند کی گئی ہے صرف تاریخ کا جاننے والا ہی اس کی داد دے سکتا ہے۔

حصہ اول — ۱۵۵۰ برس قبل از مسیح سے ۱۹۲۰ء تک کی مکمل تاریخ ۱۰۶۶ صفحات - ۵۶ نقشہ جات و تصاویر قلمی، سترہ فوٹو۔ لکھائی چھپائی بہترین۔

حصہ دوم — اندرون شہر و ملحقات شہر کی عمارات ۹۵۲ صفحات ۲۸ نقشہ جات

حصہ سوم — بیرون شہر و مضافات شہر کی عمارات ۵۴۵ صفحات ۱۷ نقشہ جات۔ شاہی فرمانوں کے عکس۔

قیمت ہر سہ حصص صرف انیس ۱۹ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

بشیر الدین احمد اینڈ سنز، کھاری باولی دہلی